تفہیم القرآن

پر اعتراضات کی علمی کمزوریاں

مصنف

مولانا عامر عثمانی رح (فاضل دیوبند)

مرتب

سید علی مطہر نقوی امروہوی

ناشر

مکتبہ الحجاز پاکستان

اے ۲۱۹ - بلاک سی، شمالی ناظم آباد، حیدری، کراچی، پاکستان

تفصیلات

نام کتاب : تفہیم القرآن پر اعتراضات کی علمی کمزوریاں

مصنف : مولانا عامر عثمانیؒ

مرتب : سید علی مطہر نقوی امروہوی

کمپوزنگ : جان لیزر گرافکس، ناظم آباد نمبر ۲

طباعت : احمد پرنٹنگ پریس، ناظم آباد نمبر ۲

پہلی بار : مئی ۲۰۰۱ء

تعداد : گیارہ سو

قیمت : ۱۲۵ روپے

ناشر : مکتبہ الحجاز، پاکستان

اے ۲۱۹، بلاک سی، حیدری، شمالی ناظم آباد

کراچی ۷۴۷۰۰، پاکستان ۔ ٹیلی فون: ۶۶۳۸۴۱۳

Maktabah Al Hijaz Pakistan
A-219, Block-C, Haidari
North Nazimabad, Karachi-74700
Pakistan : Tel. : 6638413

فہرست عنوانات

فہرست عنوانات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

رب اشرح لی صدری ویسرلی امری و احلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی

کچھ تفہیم القرآن کے متعلق (۱)

"تفہیم القرآن" کا ذکر چھڑ گیا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسکے متعلق بھی کچھ عرض کرنے کی جسارت کی جائے، یہ بات تو مولانا کے علم میں ہوگی اور حافظہ میں محفوظ ہوگی کہ "تفہیم القرآن" مولانا نعمانی اور مولانا اصلاحی جیسے عالم کے لیے نہیں لکھی گئی ہے، اسکی تصریح خود اسکے مقدمہ میں کر دی گئی ہے، اس مقدمہ میں جسکی اہمیت اور افادیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ خود مولانا نے اپنے رسالہ "الفرقان" میں اسکو شائع کیا، بلکہ عام اردو خواں لوگوں کے لیے لکھی گئی ہے جو قرآن کے مطالب و منشا کو سمجھنا اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں، بہت سی اردو تفسیروں کی موجودگی میں اس نئی تفسیر کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی، اسکی تصریح بھی مقدمہ میں موجود ہے، جنھیں اس کے معلوم کرنیکی ضرورت ہو وہ اس سے رجوع کر سکتے ہیں، یہ تو ایک واقعہ ہے کہ نہ تو مولانا فراہی کی تفسیر کی طرح اس میں نکتہ آفرینیاں ہیں اور نہ رموز و غوامض کا بیان ہے، نہ سطر سطر میں لغت یا محاورہ کی تشریح میں جاہلیت کے اشعار سے استشہاد کیا گیا ہے، حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے "بیان القرآن" کی طرح اس کے حواشی "التکشف فی مہمات التصوف" جیسی چیزوں سے بھی خالی ہیں، شیخ التفسیرؒ کے احادیث اور روایات سے پر فوائد سے بھی تقریباً یہ تہی دامن ہے اور مولانا آزاد کا خطیبانہ یا شاعرانہ انداز بیان بھی اس میں نہیں ہے، لیکن ایک چیز اس میں ضرور ایسی ہے جو مذکورہ بالا تفاسیر میں یقیناً نہیں ہے اور وہ ہے "نزول قرآن کا مقصد" قرآن اپنے ماننے والوں کو کس رنگ میں دیکھنا چاہتا ہے؟ کس طرح صدر اول میں اسی قرآن کے ذریعہ اصلاحی انقلاب برپا ہو چکا ہے؟ اور مسلمان کس طرح قلیل عرصہ میں نصف دنیا پر چھا گئے تھے؟ آج حاملین

---

(۱) یہ مضمون بقلم مولانا عامر عثمانی مولانا منظور نعمانیؒ کے جواب میں لکھے جانے والے ایک طویل مضمون کا حصہ ہے۔ (مرتب)

قرآن کیوں ذلت و محکومی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں؟ مختصر یہ کہ "خلیفۃ اللہ فی الارض" ہونے کی حیثیت سے امت مسلمہ کی کیا ذمہ داری ہے اور اس سے عہدہ برآ ہونے کی کیا صورت ہے؟ دوسری تفاسیر میں یا تو ان سے تعرض ہی نہیں کیا گیا ہے، یا انداز بیان ایسا ہے جس سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ قرآن کا مطالبہ مسلم قوم سے کیا ہے؟ گویا تفہیم القرآن

گر تو میخواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

کی تفسیر ہے۔ ("تجلی" جون ۱۹۵۸ء)

اسکے علاوہ دوسرا نہایت گرانقدر امتیاز "تفہیم القرآن" کا یہ ہے کہ وہ موجودہ مغرب زدہ اذہان کو قرآن کریم اور اسلام کو سمجھانے اور قریب لانے میں نہایت دلکش انداز و پیرایہ کا شاہکار ہے، یہی وجہ ہے کہ بلا امتیاز رنگ و نسل و وطن ہر خطہ ارض میں جہاں بھی مسلم قوم کا وجود ہے "تفہیم القرآن" نہایت مقبول ہے، ہر جگہ تفہیم اور مولانا مودودی کے مضامین نے باغی سے باغی مغرب زدہ مسلم نوجوان کو حیرت انگیز حد تک یکسر بدل کر رکھدیا ہے، الحاد و بغاوت کے قعر مذلت سے نکال کر سراپا دلدادہ اسلام بنادیا ہے، اور یہ "تفہیم" اور مضامین مودودی کا عمومی تاثر و نتیجہ ہے، اس لیے اگر مولانا مودودی کو اس دور کا "فاتح دنیاء الحاد" کہا جائے تو حقیقت کے عین مطابق ہے، چنانچہ دور حاضر کی مشہور شخصیت الطاف گوہر مرحوم سابق ایڈیٹر "ڈان" جن کو ۱۸ ماہ کی طویل جیل میں مختلف تفاسیر کے مطالعہ کا موقعہ ملا ہے، جن میں مولانا ابو الکلام آزاد کی "ترجمان القرآن" بھی داخل ہے، الطاف گوہر مرحوم کو جیل میں اولاً "تفہیم القرآن" کی دوسری جلد دستیاب ہو سکی تو لکھتے ہیں۔

"میں نے "سورہ یوسف" پڑھنا شروع کی، یہ ایسا ترجمہ تھا جس سے میں پہلے آشنا نہ تھا، اس نے مجھے جیت لیا، میری نظر سے آج تک اتنی سادہ اور براہ راست دل پر اثر کرنے والی تحریر نہیں گذری تھی، جسے نفس مضمون پر بھی عبور حاصل ہو چنانچہ میں نے "تفہیم القرآن" کی تمام چھ جلدیں حاصل کرلیں۔"

مگر راقم اس وقت بغرض اختصار صرف "تفہیم" سے متعلق ہی چند آخری سطور پر قناعت کر رہا ہے، ورنہ مضمون تو نہایت جاذب و دلکش اور تفہیم کی گوناں

گوں خصوصیات و امتیازات پر پھیلا ہوا ہے۔

"میں جوں جوں "تفہیم القرآن" پڑھتا گیا، میرے دل کی دنیا میں ہلچل مچتی گئی، میں صرف زبان کی عمدگی، انداز کی ندرت، گرفت کی شدت اور سادہ الفاظ کے بہاؤ سے متاثر نہیں ہوا بلکہ مجھے تفسیر نے بھی کھینچ لیا، مولانا کا کہنا ہے کہ مطالعہ قرآن کے دوران ذہن میں اٹھنے والے سوالات نوٹ کر لینے چاہئیں اور مطالعہ جاری رکھنا چاہئے، بہت سے سوالات کے جوابات قرآن خود دیتا چلا جاتا ہے، جو سوالات ذہن میں موجود ہیں، انکے لیے دوسری، پھر تیسری دفعہ بھی مطالعہ کیا جائے تو ان میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا، قرآن صرف نظری مطالعہ کی چیز نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق انسانی زندگی سے ہے اور جوں جوں انسان زندگی گذارتا جاتا ہے قرآن کے معانی اس پر کھلتے جاتے ہیں، یہ کتاب ہدایت ہے جس کی طرف انسان فرحت قلب کے لیے، نیز اپنے اندرونی تضادات سے نجات حاصل کرنے کے لیے اور زندگی کے مسائل کا حل ڈھونڈنے کے لیے بار بار رجوع کرتا ہے اور نامراد نہیں لوٹتا۔"

از جسارت بعنوان (پاکستان، ایوب خاں، مولانا "تفہیم القرآن" کور میں)

معترض علماء کے لیے لمحۂ فکریہ

مجموعہ ہذا اور اس سے قبل "تجلیات صحابہؓ" اور "جماعت اسلامی کا جائزہ" ادارہ کی شائع کردہ کتب اس حقیقت کی وضاحت کے لیے بالکل کافی ہیں، کہ مولانا مودودی پر توہین انبیاءؑ و توہین صحابہؓ و اسلاف جیسے کریہ و ایمان سوز الزامات حقیقتاً معترضین کی لاعلمی اور کتب مولانا مودودی کو براہِ راست اور بالاستیعاب نہ پڑھنے کا نتیجہ ہیں، اس لیے اگر علماء کرام وطن عزیز اور ملت اسلامیہ کو لادینی اور حیاسوز و اخلاق باختہ نظام سے بچانے اور نظام الٰہی سے ہمکنار کرنے کی خاطر مولانا مودودیؒ کے مضامین و کتب کو براہِ راست اور بالاستیعاب پڑھ لیں، اور اگر پھر بھی اعتراضات باقی رہیں تو جماعت اسلامی اپنے یوم وجود سے آج تک کسی وقت بھی متقی و ذی علم اور فکر آخرت سے سرشار علماء سے خالی نہیں رہی، اسلاف کرام پر گہری اور وسیع نظر رکھنے والے علماء ان میں الحمد للہ موجود ہیں اور ہر دور میں رہے ہیں اور وہ اتنے ہی دیوبندی بھی

ہیں جتنے معترض حضرات، تو کیا ہی اچھا ہو کہ مذکورہ بنیادی اور گرانقدر مماثلتوں کو دیکھتے ہوئے "حکومت الٰہیہ" جیسے عظیم تر مقصد کے پیش نظر اختلافات کو "انا" کا مسئلہ نہ بناتے ہوئے دونوں مل بیٹھ کر مختلف فیہ مسائل پر تبادلہ خیالات کر لیں، حقیقت یہ ہے کہ "جماعت اسلامی" اور "علماء دیوبند" کے اختلاف ہی نے نہ صرف "پاکستان" کو اسلامی نظام سے محروم کیا ہے، جبکہ وجود پاکستان کا اصل اور واحد مقصد ہی اسلامی نظام کا قیام تھا، بلکہ اب تو قوی تر خطرہ یہ ہے کہ "پاکستان" کی طرح "افغانستان" بھی اس لڑائی کے نتیجہ میں اسلامی نظام بلکہ اپنی آزادی تک سے ہاتھ نہ دھو بیٹھے، دنیاء کفر و نفاق اسلام ہی کی عداوت میں "افغانستان" کو صفحہ ہستی سے مٹانے پر ادھار کھائے بیٹھی ہے، اس لیے اس وقت اسلامی قوتوں کا اتحاد ماضی سے کہیں زیادہ ضروری سے ضروری تر بن چکا ہے بلکہ اس اتحاد ہی پر وجود و بقا کا انحصار ہے، کاش ان خطرات کا جماعت اسلامی سے نہ ملنے اور اختلاف کرنے والے حضرات احساس کر لیں، اور اس حقیقت کو بھی نہ بھولیں کہ اختلاف کنندگان کے پیشوایان و اکابر کی عظیم اکثریت مولانا مودودی کے تحریر کردہ ہزاروں صفحات میں سے کسی ایک لائن پر بھی اظہار بیزاری نہیں کرتی، بلکہ مولانا مودودی کو دور حاضر کا عظیم مدبر اسلام و مصلح امت مجتہد اور قرار دیتی ہے علامہ شبیر احمد عثمانی، علامہ سید سلیمان ندوی اور مولانا مناظر احسن گیلانی جیسے مشاہیر امت مولانا مودودی کے خصوصی مداح و قدردان حضرات ہیں، جہاں تک راقم کی معلومات ہے مشہور مناظر مولانا منظور نعمانی "مدیر الفرقان" نے باوجود شدید مخالف جماعت ہونے کے مولانا مودودی کی ایک سطر کو بھی دینی اعتبار سے گمراہ کن تو کیا قابل اعتراض بھی نہیں قرار دیا، حالانکہ موصوف "مسلک دیوبند" کے عمر بھر مستند ترجمان و محافظ رہے، بلکہ اسکی صحت پر مناظرے تک کرتے رہے ہیں۔

گذارش

معترضین اور ان کے تلامذہ و معتقدین، ایک نشست میں مولانا مودودی کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے اس اعلان و فیصلہ کو بھی پس پشت نہ ڈالیں۔

"مولانا کیا وجہ ہے کہ دوسرے لوگوں کی طرح کچھ مذہبی جماعتیں بھی آپ کی اور

جماعت اسلامی کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں؟ مثلاً پچھلے انتخابات میں کسی جماعت نے بھی جماعت اسلامی کی حمایت نہیں کی، مگر اپنی توفیق کے مطابق ہر ایک نے مخالفت ضرور کی۔

مولانا نے افسردہ لہجے میں جواب دیا:

ہمارا اور ان کا فیصلہ قیامت کے روز بارگاہ الٰہی کے سامنے ہوگا، جہاں ہر ظالم کی پرسش ہوگی اور مظلوم کی فریاد سنی جائیگی، جب وہ مظلوم و معصوم بچی کھڑی ہو کر اپنے ظالم باپ کا دامن تھامے گی، جس نے سنگدلی سے اسے زمین میں گاڑ دیا تھا اور خدا تعالیٰ سوال کرے گا جیسا کہ ارشاد ہے واذ المؤدۃ سئلت بای ذنب قتلت اور جب زندہ گاڑی گئی بچی سے دریافت کیا جائے گا، کس خطا میں وہ ماری گئی، تو اسوقت جماعت اسلامی بھی مظلوموں کی صف میں کھڑی ہو کر، داور محشر سے انصاف طلب کرے گی اور خدا تعالیٰ ان لوگوں سے ضرور دریافت فرمائے گا کہ بای ذنب قتلت کس جرم میں ماری گئی۔

ان ہی صاحب نے سوال کیا:

مولانا لوگ جماعت اسلامی کے خلاف انتہائی درشت اور فحش زبان استعمال کرتے ہیں ہمیں بھی ان کی زبان میں جواب دینا چاہیے۔

مولانا نے فرمایا:

جسے ان کی زبان استعمال کرنے کا شوق ہو وہ ان کی جماعت میں جاکر شوق پورا کر سکتا ہے، آپ جماعت اسلامی کو اس پر مجبور نہ کریں کہ وہ بازاری زبان استعمال کرے۔

یاد رکھیے!

بروز قیامت احکم الحاکمین کی اس غضب آلود گرفت سے معترضین کے تلامذہ و معتقدین بھی نہ بچ سکیں گے، اپنے اپنے علم و فہم کے مطابق ہر شخص اپنے اپنے حساب کا خود ذمہ دار ہوگا۔

پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی

مرتب

سید علی مطہر نقوی امروہوی

جمعہ ۹ صفر ۱۴۲۲ھ ۴ مئی ۲۰۰۱ء

مولانا مودودیؒ

اربابِ علم و دانش کی نظر میں

الشیخ محمد البشیر الابراہیمی الجزائری : "آپ ایسی شخصیت کے مالک ہیں کہ میں نے کم ہی ایسے باکمال دیکھے ہیں، بلکہ آپ چند ممتاز خصوصیات کے لحاظ سے فرد واحد ہیں جس کی نظیر میں اس زمانہ کے علماء میں نہیں پاتا، مثلاً حق کے مقابلہ میں نہایت سخت، مداہنت سے کوسوں دور اور راہِ حق میں ابتلاء و محن کے وقت صبر و ثبات کے پیکر مجسم، حکام وقت کے تقرب سے متنفر، خوشامد و تملق تو دور کی بات ہے، پاکستان اور ہندوستان کے جن فضلاء سے میں متعارف ہوا ہوں یا جن کے علم و فضل کے متعلق میری غائبانہ معلومات ہیں، آپ ان میں سب سے زیادہ تفقہ فی الدین رکھنے اور اسلام کے تاریخی و تشریعی حقائق پر بصیرت رکھنے والے ہیں، آپ معلومات کے سمندر ہیں، دقیقہ سنج اور بلا کے ذہین ہیں، روشن خیال، تدبیر کے بادشاہ اور روحانیت کے صاف و شفاف آئینہ ہیں، مسائل حاضرہ کو اسلامی اصول پر تطبیق دینے میں ماہر اور استنباط کی بے پناہ قدرت رکھتے ہیں، اور اس معاملہ میں ایک مستقل جدید طرز استدلال کے موجد ہیں، شریعت کے مزاج شناس اور اس کے بنیادی مقاصد کے رمز آشنا ہیں اور جزئیات میں بلا ضرورت الجھنے سے محترز، باریک بین دوررس اور پیکر یقین ہیں، جس

راقم الحروف اپنی جانب سے، مشاہیر امت کی مولانا مودودی کے متعلق آراء و خیالات کو قارئین کے علم میں لے آنا زیادہ مفید سمجھتا ہے، اس لیے مولانا مودودی کے متعلق مشاہیر کی آراء پر قناعت کر رہا ہے۔ (مرتب)

کی جھلک آپ کے اعمال و کردار میں بصورت عزم و ثبات نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

آپ قرآن و حدیث پر کامل عبور اور کتب دینیہ میں ماہرانہ دست گاہ اور تطبیق اور استنباط پر قدرت تامہ رکھتے ہیں، آپ علوم جدیدہ میں بھی مہارت رکھتے ہیں، موجودہ تہذیب کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف ہیں، ان کے بہترین تجزیہ اور میزان عدل پر موازنہ کرنے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں، تنگ نظر نہیں کہ ان کے فوائد سے منکر ہوں، لاعلم، یا سطحی معلومات کے حامل نہیں کہ ان کی ظلمتوں اور فریب کاریوں میں مبتلا ہو جائیں، اس معاملہ میں آپ کا موقف اور مطمح نظر نہایت ہوشمندانہ ہے۔

علامہ مودودی اپنے پہلو میں ایسا دل رکھتے ہیں جو مسلمانوں کی موجودہ پستی و زبوں حالی کے درد سے تڑپتا رہتا ہے اور ان کے شاندار ماضی کے عشق میں وارفتہ ہے، آپ نظام اسلامی کے داعی و علمبردار ہیں، آپ کا ایمان ہے پوری بصیرت اور عالمانہ تحقیق و دقتِ نظر کے ساتھ ایمان کہ انسانی زندگی کا عادلانہ اور کامیاب ضابطۂ حیات اسلام اور صرف اسلام ہے، کیونکہ اسلامی نظام ہی ایسا نظام ہے جو عدل و قسط کا پیکر ہے، یہی نظام بشری رجحانات، ذاتی مصالح، نسلی و قومی اور گروہی عصبیتوں اور طبقاتی مفاد سے منزہ ہے، اسلامی حکومت کا نظریہ آپ کے اسی فکر و بصیرت اور شرح صدر کا نتیجہ ہے۔

تصنیف و تالیف کے بارے میں ان کا یہ خیال ہے کہ کتابیں حجم کے لحاظ سے چھوٹی ہونی چاہئیں تاکہ ان کا پڑھنا آسان اور پھیلنا عام ہو سکے اور اسی انداز کی انھوں نے تقریباً اپنی تمام کتب تصنیف کی ہیں جو مستقل موضوعات پر ہیں اور دیکھنے میں کتابچے اور پمفلٹ ہیں، مگر اپنے معانی و مضامین کے لحاظ سے ایسے کوزے ہیں جن میں دریاؤں کو بند کیا گیا ہے۔

ہم اس واقعہ کے اظہار پر مجبور ہیں کہ مودودی ہی کی وہ واحد شخصیت ہے، جو پاکستان میں مطلوبہ اسلامی دستور کے وضع و ترتیب پر قدرت رکھتی ہے اور وہی اتنی

دقت نظر اور مہارت رکھتے ہیں کہ اس دستور کو کتاب و سنت، شریعت کے مقتضاء تشریع اسلامی کے مقاصد عامہ اور امت کے متفق علیہ اصولوں سے مستنبط اور منطبق کر سکیں۔

مودودی کی شخصیت کسی ایک ملک اور کسی ایک خطۂ زمین سے وابستہ نہیں بلکہ وہ دنیا کے سارے مسلمانوں کو فیض رسانی کے لئے عالم اسلام کی ایک امانت ہے۔"

مولانا سید سلیمان ندوی : "میں اس وقت ایک نوجوان لیکن ایک ذخار کا تعارف آپ حضرات کے سامنے کرانے کے لئے کھڑا ہوں، مولانا مودودی صاحب سے علمی دنیا پورے طور پر واقف ہو چکی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ آپ اس دور کے متکلم اسلام اور ایک بلند پایہ عالم دین ہیں، یورپ سے الحاد و دہریت کا سیلاب جو ہندوستان میں آیا تھا، قدرت نے اس کے سامنے بند باندھنے کا انتظام بھی ایسے ہی مقدس اور پاک طینت ہاتھوں سے کرایا ہے جو خود یورپ کے قدیم و جدید خیالات سے نہایت اعلیٰ طور پر کماحقہ واقفیت رکھتا ہے، پھر اس کے ساتھ ہی قرآن و سنت کا اتنا گہرا اور واضح علم رکھتا ہے کہ موجودہ دور کے تمام مسائل پر اس کی روشنی میں تسلی بخش طور پر گفتگو کر سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے ملحدوں اور دہریوں نے اس شخص کے دلائل کے سامنے ڈگیں ڈال دیں ہیں اور یہ بات واضح طور سے کہی جا سکتی ہے کہ مودودی صاحب سے ہندوستان اور عالم اسلام کے مسلمانوں کی بہت سی توقعاتِ دینی وابستہ ہیں۔"

مولانا مناظر احسن گیلانی : "مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، ان کی سلیم فطرت، متوازن دماغ، گہری نظر پر مجھے ہمیشہ اعتماد رہا ہے، وہ ایک خداداد سلیقہ سے سرفراز ہیں، مسائل میں ان کی نظر محیط اور ہمہ گیر واقع ہوئی ہے، بحث کا مشکل سے ہی کوئی ایسا پہلو باقی رہ جاتا ہے، جسے ان کے قلم نے تشنہ چھوڑا ہو، طرز ادا دل نشین، طریقہ تعبیر دل آئینہ، اس کے ساتھ ان کی فطرت کی بلندی کی شہادت تو متعدد بار ادا کر چکا ہوں، خود خاکسار نے مولانا عبدالباری کی رفاقت میں مولانا سے "جامعہ

عثمانیہ" کی پروفیسری کی طرف ایک دفعہ نہیں بار بار توجہ دلائی، لیکن جس وقت ان کے مالی ذرائع قریباً صفر کی حیثیت رکھتے تھے، انتہائی خندہ پیشانی کے ساتھ مولانا نے ہم لوگوں کے مشورے کو مسترد فرمایا، غناء قلب کے مقامِ رفیع پر جو اپنے قدم استوار کر چکا ہو اور ذہنی اور دماغی اور تحریری و انشائی حیثیت سے ان خداداد خصوصیتوں کا مالک ہو، زیادہ عرض کرنے کی تو جرأت نہیں کرتا، لیکن میں اتنا عرض کردوں کہ حق تعالےٰ نے مودودی کیساتھ جو غیر معمولی فیاضیاں فرمائی ہیں اور ایمان کی جو راسخ قسم کی روشنی کم از کم مجھے ان کے سینے میں جگمگاتی ہوئی نظر آتی ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے انتہا اور بے لاگ اعتماد کی دولت سے وہ سرفراز فرمائے گئے ہیں، نیز اپنے ساتھ مختلف قسم کی اچھی اچھی قابلیتوں کے شباب عالمین ان کے اردگرد جمع ہوگئے ہیں۔ ان تمام ایمانی و علمی و ذہنی قوتوں کے ساتھ الدعوت الی سبیل اللہ کو نصب العین بنا کر اگر وہ کھڑے ہو جائیں گے اور اردو، انگریزی، ہندی زبانوں میں کچھ دن یہی کام کیا گیا تو ممکن ہے کہ قبول کرنے میں لوگ جلدی نہ کریں، لیکن اسلام جن فطری سوالوں کا جواب ہے، کم از کم قلوب میں ان سوالوں کے شعلے تو ان شاء اللہ بھڑک اٹھیں گے۔"

مولانا عبدالماجد دریابادی: صاحب "ترجمان القرآن" کا تعارف ناظرین سے کرانا تحصیل حاصل ہے، ان کی دقتِ نظر نکتہ سنجی، بہترین خدمت دین کا ذکر ان صفحات میں بار بار آچکا ہے، اللہ تعالیٰ نے دورِ حاضر کے فتنوں کے سدباب میں ابوالاعلیٰ صاحب کا سینہ خاص طور پر کھول دیا ہے، اور تجدد زدہ گروہ کے حق میں ان کے قلم کی ایک ایک سطر آبِ حیات ہے، طبقہ علماء میں مولانا کی ذات اس حیثیت سے بہت ہی بلند و ممتاز ہے، وہ صحیح معنوں میں مفکر ملت ہیں۔"

مولانا قاری محمد طیب: "مولانا مودودی نے اسلامی اجتماعیات کے بارے میں نہایت مفید اور قابلِ قدر ذخیرہ فراہم کیا ہے، اس دورِ خلط و اختلاط اور تلبیس والتباس

میں جس بے جگری سے انھوں نے اسلامی اجتماعیات کا تجزیہ اور تنقیح کر کے جماعتی مسائل کو صاف کیا ہے وہ انھی کا حصہ ہے، میں انھیں اسلامی اجتماعیات کا ایک بہترین سیاسی مفکر سمجھتا ہوں اور اجتماعیات کی حد تک انھیں ایک بہترین اسلامی لیڈر مان کر ان کی تقریروں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔"

مولانا ابوالحسن علی ندوی: "ان کا اسلوب تحریر، محکم استدلال، اصولی و بنیادی طریق بحث اور سب سے بڑھ کر ان کی سلامت فکر ہماری افتاد طبع اور ذہنی ساخت کے عین مطابق تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کا قلم اپنی خداداد قدرت و قابلیت کے ساتھ ہمارے بے زبان ذہن و ذوق کی ترجمانی کر رہا ہے، وہ وقت کبھی نہیں بھولتا جب ندوہ کے مہمان خانہ کے سامنے جو دارالعلوم کی مسجد کے پہلو میں ہے ہم چند دوستوں نے محرم ۵۶ھ کے ترجمان القرآن کے اشارات پڑھے تھے جن میں آنے والے طوفان کی خبر دی گئی تھی یہ مولانا کا وہ ولولہ انگیز مضمون تھا جس کی بازگشت عرصہ تک سنی جاتی رہی، ہم سب لوگوں نے مولانا کی فراست، خطرہ کی صحیح نشان دہی اور قوتِ تحریر کی دل کھول کر داد دی، اس کے بعد بھی مولانا کے جو مضامین شائع ہوتے رہے ہمارا ذہن و ذوق ان کو اچھی طرح ہضم کرتا رہا۔"

مولانا محمد منظور نعمانی: "مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کی خدمات اور حسنات میں جس چیز کی اس عاجز کی نظر میں سب سے زیادہ اہمیت اور قدر ہے وہ یہ ہے کہ ہزاروں بلامبالغہ ہزاروں ایسے نوجوان ہوں گے جو مغربی تعلیم اور اس کی تعلیم گاہوں کی الحاد پرور فضا کے اثرات سے تشکیک اور بے یقینی کی بیماری میں مبتلا ہو کر اسلام سے بالکل نکل چکے تھے یا نکل جانیوالے تھے اور اس حال میں مر جانے کی صورت میں بلاشبہہ جہنم میں خدانخواستہ ان کا ٹھکانہ ہونے والا تھا لیکن مولانا مودودی کی تحریروں نے اور جماعت اسلامی کی دعوتی سرگرمیوں نے ان کو نہ صرف پھر مسلمان بنا دیا بلکہ ان میں سے بہت سوں کا تعلق دین سے اتنا گہرا ہو گیا اور ان کی عملی زندگی میں

دین کا ایسا رنگ آگیا کہ بہت سے پشتینی اور موروثی دیندار ان سے سبق لیں اور عبرت حاصل کریں۔"

○

محمد یعقوب طاہر:

"اے مرد خدا میں تیری ہمت کے تصدق
ہر لب پہ ہے فریاد تو ہر چشم ہے گریاں
ابلیس کے ہر شر سے خدا تجھ کو بچائے
وہ کون ہے چھلنی نہیں جس کا یہاں سینہ"

○

رزمی امروہوی:(۱)

"حرف برہنہ کہہ کے سر "بزم کافری"
"رسم قلندری" کو کیا تازہ آپ نے
راہ خدا میں جان کی بازی لگائی ہے
یہ دور ہے یزید تو شبیر آپ ہیں
ٹھہری نہ جس کے سامنے تہذیب نو ذرا
سچ پوچھیے وہ سیل جہاں گیر آپ ہیں
چشم حق بیں اندریں عصر جدید
ہمسر سید ابوالاعلیٰ نہ دید
فکرش از صدق و یقیں زریں قبا است
کار او احیائے دین مصطفےٰ است"

(۱) رزمی امروہوی راقم کے بڑے بھائی تھے، قارئین سے درخواست ہے کہ کسی وقت ایک مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر بھائی کو بخش دیا کریں، اللہ تعالیٰ اجرِ عظیم سے نوازے گا۔(مرتب، نقوی)

رشدی القادری:

○

"اک عطیہ تیری ہستی یعنی تیری ذات ہے
اس صدی میں عظمت اسلام کی سوغات ہے"

ماہر القادری:

○

"تری فکر رسا نے خاک کے ذروں کو چمکایا
کہ تو یچ فلک سے چاند تارے توڑ کر لایا
تری فطرت میں ہے سنجیدگی بھی استقامت بھی
مسرت میں نہ اترایا، مصائب میں نہ گھبرایا
ترے سود وزیاں کا ہے رضائے دوست پیمانہ
کہ تونے ہر قدم پر عشرت باطل کو ٹھکرایا"

(ماخوذ: از کتاب "مولانا مودودی سے ملیے")

مولفہ: سید اسعد گیلانی

پہلا باب

تفہیم القرآن پر چند اعتراضات

(۱)

خاتم المحدثین مولانا انور شاہ کشمیری علیہ الرحمۃ کے لائق شاگرد جناب مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری "صحیح بخاری" کی جو مبسوط شرح "انوار الباری" کے نام سے تالیف فرمارہے ہیں، وہ دینی لٹریچر کا مطالعہ کرنے والے حلقوں میں اچھی خاصی متعارف ہوچکی ہے، یہ شرح اصلاً تو علامہ کشمیریؒ کی درسی تقاریر کا خلاصہ ہے جنھیں فاضل مؤلف نے اپنے زمانۂ تعلیم میں بڑی لگن اور شوق سے محفوظ کرلیا تھا، لیکن ضمناً خود مؤلف ذاتی مطالعے اور تحقیق سے اس میں بے شمار علمی جواہر کا اضافہ فرماتے جارہے ہیں، اور اس اضافے نے ان کی شرح کو بڑا وسیع الاطراف بنادیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت کرے، ہمیں ان کی اس گراں قدر تالیف کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے کی سعادت اگرچہ نصیب نہیں ہوسکی، لیکن وقتاً فوقتاً جتنا مطالعہ کیا ہے اس سے یہی تاثر لیا کہ محترم مؤلف غیر معمولی کاوش اور عرق ریز محنت کے ساتھ ایک ایسی مبسوط و مطول کتاب وجود میں لارہے ہیں، جو ہم جیسے کم علموں کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہوگی، اور ضرورت کے وقت ہم اس سے خوشہ چینی کرکے اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کا بھرم رکھ سکیں گے۔

یہ الگ بات ہے کہ نوع بہ نوع رجحانات اور داخلی و خارجی محرکات کے تحت محترم موصوف ایسے بھی بے شمار موضوعات و مضامین اپنی تالیف میں لائے جارہے

ہیں، جن کا کوئی تعلق نفس موضوع سے نہیں اور آج کا کوئی اونچا ماہر فن ان کی تالیف کو دیکھے تو شاید ناک بھوں چڑھائے کہ یہ کس قسم کی شرح "بخاری" ہے، جو "بخاری" سے کم اور غیر "بخاری" سے زیادہ بحث کرتی ہے، لیکن ہم بہر حال اس اعتراف میں تامل نہیں کریں گے کہ موصوف نے بہت قیمتی اور بہت وافر مواد اس تالیف میں جمع کیا ہے، اور ہم جیسے کم مایہ طلباء اور شاگرد اس سے بقدر ظرف فیض اٹھا سکتے ہیں۔

اسے خوش نصیبی ہی کہیے کہ ہمیں سید صاحب سے ذاتی شرف نیاز بھی حاصل ہے، صرف شرفِ نیاز ہی نہیں دوستانہ حد تک بے تکلفی کے مراسم بھی ہمارے درمیان پائے جاتے ہیں، اور ہماری نگاہ میں وہ ایک شریف الطبع، نیک خو، اور حلیم و بردبار شخصیت ہیں، جسے اللہ نے فہم و دانش اور مذاقِ علمی سے نوازا ہے، علمی قابلیت اور وسعت مطالعہ کے اعتبار سے ہمارا اور ان کا مقابلہ ایسا ہے جیسے استاد اور شاگرد کا، بلکہ تصنع نہ ہوگا اگر ہم یہ کہیں کہ ان کے مقابلے میں ہماری حیثیت علمی ایک بالکل مبتدی کی سی ہے، جو محض شدبد رکھتا ہے عبور و دسترس نہیں رکھتا، وہ واقعتاً عالم ہیں اور ہم ریزہ چین، وہ متبحر اور غواص ہیں اور ہم سطح پر ہاتھ پیر مارنے والے۔

لیکن اس اعترافِ حقیقت کے باوجود آج ہمیں ان کے بعض افکار و خیالات پر ناقدانہ رخ سے کچھ عرض کرنا ہے اور یہ شکایت بھی پیش کرنی ہے کہ انھوں نے اپنے وقیع علمی پرواز میں بعض ایسی "ادائیں" شاید غیر ارادی طور پر شامل کرلی ہیں، جو ثقاہت سے فروتر اور متانت سے بعید ہیں، جو عالمانہ اور محققانہ شان سے ہم آہنگی نہیں رکھتیں، بلکہ ان میں اتھلا پن ہے، بے وزنی ہے۔

بہت آسان تھا کہ ہم اپنی معروضات بجائے "تجلی" کے ان کی خدمت میں بذریعہ خط پیش کر دیتے یا بجوری ہی جا کر بالمشافہہ گفتگو کر لیتے، لیکن جب ایک چیز چھپ کر منظر عام پر آگئی ہے تو اس پر نقد و نظر بھی منظر عام ہی پر مفید ہو سکتا ہے، کلھیا میں گڑ پھوٹنے سے نفع نہ ہوگا۔

ابھی "انوار الباری" کی جلد ۱۰ (قسط دوازدہم) چھپی ہے، اس کے سلسلے میں

ہمیں ایک ایسے صاحب نے خط لکھا جو "انوار الباری" کے ثنا خوانوں میں ہیں، وہ لکھتے ہیں:

"مؤلف موصوف کو (یعنی "انوار الباری" کے مؤلف کو) علامہ شبلیؒ مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا ابو الکلام مرحوم نیز مولانا مودودی صاحب مدظلہ کی کتب سیر و تفاسیر کے بہت سے مقامات سے اختلاف ہے، جن پر تنقیدیں بھی کی ہیں، کسی بھی اہل علم کو دوسرے صاحب علم کے خیالات سے اختلاف کرنا یا ان کی تحقیق پر تنقید کرنا غیر موزوں بات نہیں ہے لیکن جب تنقید میں تنقیص و توہین کا پہلو آجائے تو میرے خیال میں یہ بات بزرگانہ تقدس و علمی شان جلالت کے دامن کو داغدار ضرور بنا دیتی ہے۔"

ہم نے یہ مکتوب پا کر مذکورہ قسط منگوائی اور مطالعہ کیا، اور واقعۃً ہمارے اس حسنِ ظن کو بڑی ٹھیس لگی جو ہمارے قلب میں اپنے محترم دوست کی انصاف پسندی، ژرف نگاہی اور بردباری کے متعلق ہے، اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے، انھوں نے مولانا مودودی کے ساتھ نہ صرف انصاف نہیں کیا ہے، بلکہ غیر ضروری طور پر جارحیت کے بھی مرتکب ہوئے ہیں، ایسی جارحیت جو ان کی شانِ علمی سے جوڑ نہیں کھاتی، جو انکی فراست کو مشکوک بناتی ہے۔

مولانا مودودی کے علاوہ دیگر افراد پر انھوں نے کیا نقد کیا ہے اس سے یہاں ہمیں بحث نہیں، سرِ دست صرف مولانا مودودی کا دفاع ہم اپنے ذمے لیں گے، اس کی وجوہ ہیں، ایک یہ کہ مولانا آزادؒ ہوں یا سید سلیمان ندویؒ یا علامہ شبلیؒ ان کی طرف سے دفاع کرنے والے تو "ہندوستان" میں بہت ہیں، ابھی دیکھ لیجئے کہ لفظ "زنا شوئی" کے تعلق سے ہم نے مولانا آزادؒ پر جو حرف گیری کی تھی اس کے دفاع میں خطوط کے ڈھیر لگ گئے مگر بیچارے مودودی کے لئے سینہ سپر ہونے والا کوئی نہیں، ان کے نام نامی کو بعض بزرگوں نے تو اپنی چڑ بنالیا ہے، بعض ان کی عظمت علم و فکر کے دل میں تو قائل ہیں، مگر اس کا اظہار کر کے نکوبنا نہیں چاہتے، اور بعض کے سیاسی کاروبار کے لئے

ان کی حمایت و تائید زہر ہے، لہذا وہ کیسے اپنی دنیا خراب کریں، خود جماعت اسلامی "ہند" والے اس رخ پر "منقارزیر پر" ہی رہنے میں عافیت تصور کرتے ہیں، لے دے کر ایک یہ نالائق عامر عثمانی ہے، جو اللہ کے اس مظلوم بندے کے لئے کلمۂ خیر زبان سے نکالنا اور اس پر کیے جانے والے ناروا حملوں کا دفاع کرنا اپنا فریضہ تصور کرتا ہے، اور اس پر اسے اجرِ آخرت کی بھی امید ہے، اللہ دیکھ رہا ہے کہ اس دفاع کے پیچھے سوائے حمیت دینی اور جذبۂ انصاف کے اور کسی رشتے اور داعیے اور جذبے کا سایہ تک نہیں، یوں اربابِ حکومت اور حاسدانِ تنگ نظر جو بھی سمجھا کریں اسکی اپنے کو مطلق پروا نہیں۔

دوسرے یہ کہ مولانا مودودی کی "تفہیم القرآن" کو اللہ نے امت میں وہ غیر معمولی اور قابل رشک مقبولیت عطا کی ہے کہ ملک کے کونے کونے میں اس کا نام گونج رہا ہے، اسے ایسے بھی بے شمار مسلمان زیر مطالعہ رکھتے ہیں جو ہمیشہ مولانا مودودی سے نظریاتی مخالفت رکھتے رہے ہیں، اور آج بھی وہ ان کے ثنا خوانوں میں نہیں ہیں، مبالغہ نہ ہوگا اگر ہم یہ دعویٰ کریں کہ دنیا کی کوئی تفسیر قرآن آج تک اتنے کم وقت میں اتنے کثیر ہاتھوں تک نہیں پہنچی ہے جتنی قلیل مدت میں "تفہیم القرآن" اتنے بے شمار ہاتھوں تک پہنچ گئی ہے، اردو مطبوعات کی دنیا میں تیز تر کثرتِ اشاعت کا ریکارڈ قائم کرنے والی یہ تفسیر انشائے لطیف اور ادبِ عالیہ کا شاندار نمونہ ہونے کے باوجود بالکل عام فہم اور سلیس و شگفتہ بھی ہے۔

ایسی مقبولِ عام تفسیر پر اگر اہل علم حلقوں سے کوئی علمی اعتراض وارد کیا جائے تو عوامی مفاد کا تقاضا ہے کہ اس اعتراض کو ہم پرکھیں اور اس کی صحیح حیثیت متعین کریں۔

ہمیں یہ خوش فہمی کبھی نہیں ہوئی نہ ہوسکتی ہے کہ مولانا مودودی قصور و خطا سے بالاتر ہیں، استغفر اللہ۔ قصور و خطا اور غلطی و لغزش تو بنی آدم کی گھٹی میں پڑی ہے، انبیاء کے سوا کوئی معصوم کہاں اور انبیاء بھی خارج از وحی امور میں فکر و اجتہاد

کی لغزشوں سے بالاتر نہیں رہ سکے، پھر بھلا اور کون کس شمار قطار میں ہے، امت کے دوسرے بے شمار علمائے خلف وسلف کی طرح مولانا مودودی بھی ایک عام عالم ہیں اور ان سے بھی "تفہیم القرآن" میں ایسی لغزشیں اور مسامحتیں اور فروگذاشتیں کچھ نہ کچھ ضرور ہوئی ہوں گی جن سے نہ امام رازیؒ اور امام بغویؒ بالاتر ہیں نہ ابن جریرؒ اور علامہ آلوسیؒ، اگر کوئی عالم کسی وقت مولانا مودودی کی کسی خطا کو محسوس کرے تو بلاشبہہ اسے حق ہے بلکہ اس کا فریضہ ہے کہ اس کی نشاندہی کردے اور سنجیدگی کے ساتھ وہ دلائل سامنے لائے جن سے اس کا خطا ہونا محقق ہو جائے، یہی فریضہ علمائے سلف ایک دوسرے کے بارے میں انجام دیتے آرہے ہیں، اور ہمارا دینی لٹریچر اسکے نظائر سے بھرا پڑا ہے، لیکن خطا کی نشاندہی کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ طنز و تحقیر اور تنقیص و تخفیف کا رویہ بھی ضرور اختیار کیا جائے، علمائے سلف کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ برملا ایک دوسرے کی آراء پر تنقید کرتے ہیں، لیکن نقد و نظر اور دلیل و جرح کے سوا ان کا یہ وطیرہ ہرگز نہیں ہوتا کہ تحمیق و تضلیل اور اہانت واستہزاء کو بھی ضروری سمجھیں، اور اینٹ اور پتھر بھی ضرور ماریں۔

مگر ہمیں افسوس ہے کہ آج کل عموماً اور مولانا مودودی کے معاملے میں خصوصاً اکثر معترضین صرف نقد و نظر پر بس نہیں کرتے، بلکہ ایسے الفاظ اور فقرے بھی استعمال کرنا ضروری خیال فرماتے ہیں جن کا حاصل یہ ہو کہ مولانا مودودی نااہل بھی ہیں، مغرور بھی، کج فہم بھی اور گمراہی پسند بھی، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی مسئلے میں مولانا مودودی کا غلطی کر جانا کوئی نادر واقعہ ہو، اور دوسرے اہل علم کے یہاں اس طرح کی غلطیاں پائی ہی نہ جاتی ہوں۔

یہی وہ ناروا اور گھٹیا اسلوب تعریض ہے جسے ہم اخلاص وللٰہیت کے منافی، عدل کے مخالف، شرافت سے بعید اور علمی معیار سے گراہوا تصور کرتے ہیں، اور بہت رنج ہے کہ ہمارے ذی علم دوست سید احمد رضا صاحب نے بھی اس سے دامن نہیں بچایا، حالانکہ وہ مولانا مودودی کے علم و فضل سے انکاری نہیں ہیں، اور متعدد جگہ

انہیں طنزاً انہیں بلکہ تکریماً "علامہ،، بھی لکھتے ہیں۔

آیئے اب جائزہ لیں کہ "تفہیم القرآن" پر محترم سید صاحب کے اعتراضات کی علمی حیثیت کیا ہے، اور انداز اعتراض میں انھوں نے کیا غلطیاں کی ہیں۔

سب سے پہلے ہم "انوار الباری" کے صفحہ نمبر ۱۳۸ پر گفتگو کریں گے جہاں عنوان دیا گیا ہے۔ "علامہ مودودی کا تفرد۔" (۱)

اس کے ذیل میں جو اعتراض کیا گیا ہے اس کا تعلق "سورۂ نور" کی ایک آیت کے مفہوم و مصداق سے ہے، "سورۂ نور" میں اللہ تعالیٰ مومن مردوں اور عورتوں کو اخلاقی ہدایات دیتے ہوئے فرما رہے ہیں:

"اور کہہ دے ایمان والیوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں، اور تھامتی رہیں اپنے ستر کو، اور نہ دکھلائیں اپنا سنگار مگر جو کھلی چیز ہے اس میں سے، اور ڈال لیں اپنی اوڑھنی اپنے گریبان پر، اور نہ کھولیں اپنا سنگار مگر اپنے خاوند کے آگے، یا اپنے باپ کے، یا اپنے بیٹے کے، یا اپنے خاوند کے بیٹے کے، یا اپنے بھائی کے، یا اپنے بھتیجوں کے، یا اپنے بھانجوں کے، یا اپنی عورتوں کے، یا اپنے ہاتھ کے مال کے (" آیت ۳۱۔ ترجمہ شیخ الہندؒ)

"یا اپنی عورتوں کے" لئے قرآن میں "او نسائهن" کا لفظ آیا ہے، اس کا ترجمہ مولانا مودودی نے یہ کیا:

یا "اپنے میل جول کی عورتیں"

سید صاحب نے اس پر جو اعتراض فرمایا ہے اسکی پوری تقریر ہم نقل کئے

---

(۱) اپنے عام قارئین کی "تفہیم" کے لیے ہم تفرد کا مفہوم بتا دیں۔ "تفرد" کہتے ہیں کسی مسئلہ میں دلائل کی بناء پر ایسی رائے قائم کرنے کو جو جمہور علماء کی رائے سے الگ ہو "تفرد" نہ کوئی جرم و گناہ ہے اور نہ گمراہی و زندقہ، امت میں بہتیرے ایسے علماء حق پائے جاتے رہے ہیں جنھوں نے کتنے ہی مسائل میں "تفرد" کی راہ اختیار کی، اور دوسرے علماء حق نے اس رائے سے اختلاف کے باوجود انھیں گمراہ اور مجرم قرار نہیں دیا، مثلاً ابن تیمیہؒ کہ ان کے تفردات بہت ہیں مگر پھر بھی ان کا شیخ الاسلام اور فاضل اجل ہونا، صحیح العقیدہ اور سلیم الفکر علماء کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

دیتے ہیں، تاکہ انہیں یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ میری پوری بات نقل نہیں کی گئی، اور میرا وہ مفہوم نہیں تھا جو نالائق عامر عثمانی نے باور کرایا، اور قارئین بھی پوری بحث کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔

علامہ مودودی کا تفرد: آپ نے نسائهن کا ترجمہ مفسرین و خلف سے الگ ہوکر اپنے میل جول کی عورتوں سے کیا اور لکھا کہ ایک گروہ کہتا ہے کہ اس سے مراد صرف مسلمان عورتیں ہیں، غیر مسلم عورتیں خواہ وہ ذمی ہوں ان سے مسلمان عورتوں کو اسی طرح پردہ کرنا چاہیئے جس طرح مردوں سے کیا جاتا ہے (کہ چہرہ اور ہاتھوں کے سوا بدن کو ان کے سامنے نہ کھولا جائے) ابن عباس، مجاہد اور ابن جریج کی یہی رائے ہے، لیکن معقول رائے اور قرآن کے الفاظ سے قریب تر یہ ہے کہ اس سے مراد میل جول کی عورتیں ہوں، خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ (تفہیم القرآن۔ صفحہ ۳۸۹ / ۳)

اکابر صحابہ و مفسرین حضرت ابن عباس، مجاہد، اور ابن جریج وغیرہ اور دیگر علمائے سلف کے مقابلے میں اپنی رائے کو معقول کہنے کی جسارت کا تو علامہ مودودی ہی کو حق پہنچتا ہے، کیونکہ معقول کے مقابلے میں دوسری رائے کو غیر معقول نہ سمجھیں تو اور کیا سمجھیں، دوسرا دعویٰ قرآن کے الفاظ سے قریب تر ہونے کا کیا ہے جس کی صداقت بغیر علمائے عربیت کی گواہی و توثیق کے محلِ نظر ہے، پھر یہ کہ حضرات صحابہ سے زیادہ قریب تر و بعید تر کو پرکھنے والا کون ہو سکتا ہے، جنھوں نے او نساء هن کا مصداق اپنی مسلمان عورتوں کو سمجھا تھا، تیسرے درجہ میں استدلال "ازواج مطہرات" کے پاس ذمی عورتوں کی حاضری سے کیا گیا ہے، لیکن اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ "ازواج مطہرات" ان کے سامنے نہ صرف چہرہ اور ہاتھ بلکہ اور جسم و زیبائش بھی ظاہر کرتی تھیں، کیونکہ عورتوں پر مردوں کی طرح گھروں میں آنے جانے پر تو پابندی شرعاً ہے نہیں اس لئے صرف ان کے "ازواج مطہرات" کے پاس

آنے سے استدلال پورا نہیں ہو سکتا، حیرت ہے کہ اس قدر جلیل القدر اکابر امت کے مقابلے میں اتنا کمزور اور بودا استدلال کیا گیا اور ایسے تفردات "تفہیم القرآن" میں بہ کثرت ہیں۔ فیاللاسف!!

یہ بھی کہا گیا کہ "اس معاملے میں اصل چیز جس کا لحاظ کیا جائے گا وہ مذہبی اختلاف نہیں بلکہ اخلاقی حالت ہے۔" (تفہیم صفحہ ۳۹۰ / ۳) کیسی عجیب بات ہے کہ غیر مسلم عورتیں جن کے پاس کوئی اخلاقی معیار نہیں، اور اسی لئے حضرت عمرؓ نے حماموں میں ان کے ساتھ اختلاط کو سختی سے روک دیا تھا، اور وہ کتابیات کے ساتھ نکاح کو بھی ناپسند کرتے تھے، ان کے ساتھ میل جول کو قرآن مجید سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور جب کہ علامہ پر یہ بھی ضرور روشن ہوگا کہ خاص طور سے اس دورِ ترقی میں غیر مسلم عورتوں کے ذریعہ سے مسلمان عورتوں کے اخلاقی و مذہبی کردار کو کس کس طرح نقصان پہنچانے کی کوششیں ہو رہی ہیں، اور عرب ممالک میں تو یہودی عورتوں کو گھروں میں داخل کر کے جاسوسی کے بھی جال پھیلا دیئے گئے ہیں، جن سے مسلم ممالک کو غیر معمولی سیاسی نقصانات سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے، اور بعض غیر اسلامی ملکوں میں درپردہ یہ اسکیم بھی چلائی جا رہی ہے کہ مسلمان عورتوں کو غیر مسلم عورتوں کے ذریعہ متاثر کر کے دوسری بداخلاقیوں میں مبتلا کرنے کے علاوہ ان کا ارتداد بھی عمل میں لایا جائے، اور اس کے لئے ان دونوں کے میل جول اور تعلقات کے بڑھانے کی ترقی پذیر کوشش ہو رہی ہے۔

ان حالات میں تو میل جول والی بات کو معقول قرار دینا کسی طرح بھی معقول نہیں معلوم ہوتا، اور ہمارا یقین یہ ہے کہ علامہ کی یہ تحقیق قرآن مجید سے بھی کسی طرح قریب نہیں ہے، بلکہ بعید سے بعید تر تو ہو سکتی ہے۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

(انوار الباری کی عبارت ختم ہوئی)

اس تقریر کے بعد سید صاحب نے تقریباً ڈیڑھ صفحے میں بعض اکابر کی اس رائے کو نقل فرمایا ہے کہ نسائھن سے مراد صرف مسلمان عورتیں ہیں۔

اس سے قطع نظر کہ سید صاحب کا اصل اعتراض بے جان ہے جس پر شافی بحث ابھی ہم کریں گے، سوال یہ ہے کہ اس اعتراض کو اٹھاتے ہوئے آخر طنز و تحمیق کی کیا ضرورت تھی؟ مولانا مودودی نے اگر ایک گروہ کی رائے ذکر کرنے کے بعد اس سے مختلف ایک رائے پیش کردی، اور اس کیلئے "معقول رائے" کے الفاظ استعمال فرمائے تو سید صاحب کو اشتعال انگیزی کی ضرورت آخر کیوں لاحق ہوگئی کہ دیکھو لوگو! مودودی ابن جریجؒ اور مجاہد اور ابن عباسؓ جیسے بزرگوں کو "نامعقول" کہہ رہا ہے!!

کیا واقعی سید صاحب اردو کی روزمرہ سے اتنے ہی ناواقف ہیں کہ وہ مولانا کی عبارت سے ایسا ہی مفہوم اخذ کریں، حالانکہ یہ محض مناظرانہ اشتعال انگیزی ہے، اور کچھ نہیں، فرض کیجئے آپ کسی سمجھدار آدمی سے ایک معاملے میں رائے طلب کرتے ہیں، وہ جواب میں اپنی رائے پیش کرتا ہے، آپ کو یہ رائے جچتی نہیں، آپ کہتے ہیں کوئی شکل اور بتائیے، وہ ایک اور رائے پیش کرتا ہے، آپ فرماتے ہیں بے شک یہ رائے معقول ہے۔

تو کیا اس وقت اس شخص کو آپ سے لڑ جانا چاہئیے کہ واہ صاحب واہ آپ نے میری پہلی رائے کو نامعقول بتادیا! اردو جن کی مادری زبان ہے وہ تو کم سے کم یہ جانتے ہی ہیں کہ ایسے مواقع پر الفاظ کا مفہوم مخالف پیش نظر نہیں ہوتا، پہلی رائے اگرچہ آپ کو جچی نہیں تھی، مگر دوسری رائے کو معقول کہنے کا یہ مطلب بھی نہیں کہ آپ نے پہلی رائے پر نامعقولیت کا نازیبا اور درشت الزام چسپاں کردیا۔

جب ہم کہتے ہیں کہ اس خاندان میں فلاں شخص واقعی معقول ہے، بھلا آدمی ہے، تو اس کا یہ مطلب نہیں لیا جاتا کہ ہم باقی تمام افراد خانہ کو نامعقول اور بد نہاد قرار دے رہے ہیں۔

ٹھیک ایسا ہی معاملہ یہاں مولانا مودودی کی عبارت کا ہے، وہ اکابر کی شان میں بدتمیزی نہیں کررہے ہیں، بلکہ ایک علمی رائے پیش کررہے ہیں جو ان کے نزدیک نسبتاً معقول ہے اور الفاظ قرآن سے قریب تر بھی، ان کے یہ دونوں دعوے

کس حد تک قوی یا ضعیف ہیں اس پر تو ہم آگے بحث کریں گے لیکن یہاں ہم صرف اتنا ہی عرض کرنا چاہتے ہیں کہ یہ دعوے کمزور بھی ہوتے تب بھی سید صاحب کو یہ زیبا نہیں تھا کہ ایک لفظ کا مفہوم مخالف ابھار کر گھٹیا قسم کی اشتعال انگیزی فرمائیں۔

پھر وہ مولانا کے استدلال کو بودا اور کمزور اس انداز میں قرار دے رہے ہیں گویا ان کا اپنا تعقل اور تفکر تو حجت تامہ ہے اور مولانا مودودی کے پاس عقل نام کی کوئی شے نہیں ہے، اس کے بعد وہ مولانا کے تفردات پر "فیاللاسف" بھی فرماتے ہیں گویا ان تفردات کی حیثیت کسی بڑے حادثے یا فتنے کی ہے، اب اہل علم ہمیں بتائیں کہ کیا یہی سنجیدہ علمی طریق ہے نقد و نظر کا؟

کوئی حرج نہ ہوتا اگر سید صاحب ان چٹکیوں اور نیش زنیوں کے بغیر ہی اعتراض فرما دیتے، اور یہ ملحوظ رکھتے کہ "تفہیم القرآن" کا لکھنے والا کوئی اناڑی طالب علم یا مجہول آدمی نہیں ہے بلکہ ایک ایسا شخص ہے جس کی علمی و فکری عظمت کو پوری دنیا میں تسلیم کیا جا رہا ہے، اور جس کے تبحر و تدبر پر اس کے بے شمار تصنیفی کارنامے گواہ ہیں۔

اب آیئے ہم نفس اعتراض کا علمی و عقلی جائزہ لیں، سید صاحب کی تقریر اعتراض جن چند دعووں پر مبنی ہے، وہ یہ ہیں:

(۱) مولانا مودودی نے "نسائھن" کی تفسیر میں مسلم اور غیر مسلم دونوں طرح کی عورتوں کو شامل کر کے "تفرد" کی راہ اختیار کی ہے، یعنی یہ ایک ایسی رائے ہے جو ان کے سوا کسی قابل ذکر مفسر اور عالم دین نے نہیں ظاہر کی۔

(۲) یہ "تفرد" ایسا نہیں ہے جسے گوارا قرار دیا جائے بلکہ نہایت افسوسناک اور لائق ملامت ہے۔

(۳) یہ تفرد عقلی طور پر بھی جاندار نہیں بلکہ قرآن سے بعید سے بعید تر ہے۔

یہ ہیں تین دعوے جو بالکل سامنے موجود ہیں، ہم ترتیب وار ایک ایک دعوے پر گفتگو کر کے ثابت کریں گے کہ ہر دعویٰ غلط ہے اور سید صاحب یہاں عقل

اور علم دونوں کی نارسائی کا شکار ہو گئے ہیں۔

پہلے دعوے کا جائزہ : خدا کی شان ہے اس دعوے کی کمزوری ثابت کرنے کے لئے ہمیں کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں پڑی بلکہ روزانہ تھوڑے سے مطالعہ کی جو توفیق اللہ نے دے رکھی ہے وہی کام آگئی۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے ترجمے اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے تفسیری حواشی والا قرآن اٹھایئے، یہ آج کل ہر جگہ دستیاب ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کون تھے کیا تھے؟ یہ بیان کرنا غیر ضروری ہوگا، ایک بلند پایہ عالم ربانی اور جلیل القدر مفسر قرآن کی حیثیت سے انھیں غیر منقسم "ہندوستان" کا بچہ بچہ جانتا ہے، خود محترم سید صاحب کا یہ حال ہے کہ اپنی تالیف میں ان کی "فتح الملہم" اور "تفسیر قرآن" سے جگہ جگہ حجت پکڑتے ہیں، بطور دلیل و شہادت ان کے فرمودات لاتے ہیں، انھیں بہت بڑا عالم و فاضل اور امام وقت مانتے ہیں، ان کی یہی تفسیر قرآن جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں "انوار الباری" کی تالیف کے وقت بھی سید صاحب کے آگے موجود ہے جس سے وہ موقعہ بموقعہ نقل و استفادہ کر رہے ہیں۔

لیکن اسے قدرت کی طرف سے تازیانۂ عبرت کہیے کہ نسائھن والی آیت کے تعلق سے مولانا مودودی پر اعتراض کرتے ہوئے انھیں یہ توفیق نہ مل سکی کہ اپنے ممدوح علامہ عثمانی کے تفسیری حاشیے پر بھی نظر ڈال لیں، اگر ڈال لیتے تو آنکھیں کھل جاتیں اور وہ محسوس فرمالیتے کہ یہاں تو علامہ عثمانیؒ اور مولانا مودودی بالکل یک زباں اور ہم خیال ہو گئے ہیں، "سورہ نور" کھول کر لفظ نسائھن پر علامہ عثمانی کا حاشیہ جملہ قارئین اور محترم سید صاحب بھی ملاحظہ فرمائیں جو یہ ہے :

> "یعنی جو عورتیں اس کے پاس اٹھنے بیٹھنے والی ہیں بشرطیکہ نیک چلن ہوں بد راہ عورتوں کے سامنے نہیں، اور بہت سے سلف کے نزدیک اس سے مسلمان

عورتیں مراد ہیں کافر عورت اجنبی مرد کے حکم میں ہے۔"

ہم تمام آنکھ والوں سے اور خود سید صاحب سے پوچھتے ہیں کہ کیا اس تفسیر میں اور "تفہیم" والی تفسیر میں مصداق ومدعا کے اعتبار سے ذرہ برابر بھی فرق ہے، کیا مولانا مودودی ہی کی طرح علامہ عثمانی کی رائے بھی یہی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نسائھن کہہ کر وہ عورتیں مراد لے رہا ہے جو اپنے میل جول کی ہوں اور خوش کردار ہوں، خواہ مومن ہوں یا کافر۔

کئی کئی بار علامہ عثمانیؒ کی عبارت پڑھیے سید صاحب کا دعویٰ تھا کہ تمام اگلے پچھلے مفسر اس لفظ قرآنی سے "صرف مسلمان عورتیں" مراد لیتے چلے آئے ہیں لیکن علامہ عثمانیؒ ایسا نہیں کہتے بلکہ "بہت سے سلف" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں جن سے محض کثرت کا اظہار ہوتا ہے اجماع اور "اتفاق کامل" کا نہیں، پھر علامہ عثمانیؒ نے ان بہت سے "سلف" کی رائے کو قبول نہیں کیا بلکہ اپنی وہی رائے ظاہر کی جو مولانا مودودی نے کی ہے۔

مولانا مودودی نے اگر یہ کہا تھا کہ:

"اس معاملے میں اصل چیز جس کا لحاظ کیا جائیگا وہ مذہبی اختلاف نہیں بلکہ اخلاقی حالت ہے۔"

تو سید صاحب نے اس پر تعجب کا اظہار فرمایا تھا لیکن علامہ عثمانیؒ بھی نیک چلنی کی شرط عائد کر کے کیا من وعن مولانا مودودی کے ہم خیال وہم زبان نہیں نظر آرہے ہیں؟ کیا نیک چلنی اخلاق وکردار ہی کی کیفیت بیان کرنے والا لفظ نہیں ہے؟

لطف یہ ہے کہ مولانا مودودی کی تفسیر "سورۂ نور" بعد میں آئی ہے اور علامہ عثمانیؒ کے تفسیری فوائد پہلے شائع ہو چکے ہیں، اب اگر نسائھن سے ملنے جلنے والی اور پاس اٹھنے بیٹھنے والی نیک چلن عورتیں مراد لینا ایسا ہی "تفرد" ہے کہ سید صاحب اس پر بالجھر آہیں بھرنا اور اسے بودا اور کمزور کہنا اور اس پر تحقیر آمیز انداز میں حیرت وتعجب کا اظہار کرنا ضروری خیال فرماتے ہیں، تو پھر پہلا اور براہ راست نشانہ تو ان کا علامہ عثمانیؒ

ہی بنتے ہیں نہ کہ مولانا مودودی، مولانا مودودی کو اس رائے میں زیادہ سے زیادہ علامہ عثمانیؒ کا مقلد کہا جا سکتا ہے، "متفرد" کیسے کہدیں گے جب کہ علامہ عثمانیؒ اس رائے کو پہلے اختیار کر چکے ہیں۔

حق تو یہ ہے کہ سید صاحب کا دعوۂ اول اسی ایک حوالے سے رد ہو گیا، لیکن لیجئے شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ کی تفسیر "موضح القرآن" بھی ملاحظہ فرمالیجئے جو اردو تفسیروں کے لئے سنگ میل اور دلیل راہ کی حیثیت رکھتی ہے، شاہ صاحب کی اپنی رائے بے شک یہی ہے کہ مراد مسلمان عورتیں ہیں لیکن اسی کے ساتھ وہ یہ بھی لکھتے ہیں:

"اور بعضے اوپر اس کے ہیں کہ "مراد سب عورتیں ہیں" کہ ان سے پرہیز نہ چاہیئے کرنا واسطے اس چیز کے کہ مالک ہوئے ہیں اس کے ہاتھ ان کے یعنی نہ پرہیز کریں عورتوں انھوں سے کہ ملک ان کی ہوویں لونڈیوں سے خواہ مومنہ ہوویں خواہ کافرہ ہوویں اور باوجودیکہ وہ بھی عورتوں میں داخل ہیں اس جگہ ذکر کیا تو معلوم ہووے کہ امت غیر مسلمہ سے پرہیز لازم نہیں ہے۔" (تفسیر موضح القرآن صفحہ ۳۶۴)

اس عبارت سے بھی واضح ہے کہ سید صاحب نے ایک ہی رائے پر تمام مفسرین "سلف و خلف" کے اتفاق کا دعویٰ غلط کیا، سلف میں بعض اہل علم یہ رائے رکھتے ہیں کہ "نسائھن" میں صرف مسلم عورتوں کی تخصیص نہیں اور شاہ عبدالقادرؒ اس رائے کو ایک قابل ذکر رائے کی حیثیت سے شامل تفسیر فرما رہے ہیں، کیا اس کے بعد بھی اس دعوے میں کوئی جان باقی رہ گئی کہ یہ مولانا مودودی کا "تفرد" ہے۔

اور دیکھئے خود سید صاحب نے اگلے صفحے پر علامہ آلوسی کی تفسیر "روح المعانی" سے اسی بحث میں جو عبارت نقل کی ہے اس میں یہ فقرے موجود ہیں:

"روضۃ النووی" میں امام غزالیؒ شافعی سے اجازت نظر ذمیہ الی المسلمہ کی منقول ہے مگر بغوی شافعی سے ممانعت مروی ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ کم سے کم امام غزالیؒ "نسائھن" سے صرف مسلم عورتیں مراد نہیں لیتے بلکہ اسے جائز سمجھتے ہیں کہ غیر مسلم عورتوں کی نظر مسلمہ عورتوں پر پڑے۔

مزید دیکھئے۔ اسی "روح المعانی" میں ٹھیک اسی جگہ امام رازیؒ کا یہ مذہب منقول ہے:

انها كالمسلمة والمراد بنسائهن جميع النساء وقول السلف محمول على الاستحباب (روح المعانى الجزء الثالث صفحة ٥٤ مطبوعة مصر)

اس معاملہ میں غیر مسلم عورتیں مسلم عورتوں کے حکم میں ہیں اور آیت قرآنی کے لفظ "نسائھن" سے سبھی عورتیں مراد ہیں۔ کافرو مسلم کی تخصیص نہیں اور سلف کا قول فقط استحباب پر مبنی ہے۔"

دیکھا آپ نے، امام رازیؒ بھی مولانا مودودی اور علامہ عثمانیؒ کی طرح "نسائھن" کا مفہوم صرف مسلم عورتیں نہیں لیتے، اور صاف کہتے ہیں کہ "سلف" نے جو یہ قول کیا ہے کہ اظہار زینت کی اجازت صرف مسلم عورتوں کے آگے ہے غیر مسلم کے نہیں ان کا قول وجوب و فرضیت یا جائز و ناجائز سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ محض "استحباب" سے تعلق رکھتا ہے یعنی مان لیا جائے تو بہتر ہے، نہ مانا جائے تو حرج نہیں، نیز امام رازیؒ کے ارشاد کا مطلب یہ بھی نکلا کہ سلف کی رائے کی حیثیت یہاں محض ایک قول کی ہے یہ نہیں کہ لفظ قرآنی کا مصداق و مدلول یہ ہو۔

کتنی حیرت کی بات ہے کہ سید صاحب "روح المعانی" کی عبارت کے اس ٹکڑے کو حذف کر گئے، اور یہی نہیں اور بھی عجوبہ دیکھئے۔ یہیں خود علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

وهذا القول ارفق بالناس اليوم فانه لايمكن احتجاب المسلمات عن الذميات

اور امام رازیؒ کا یہی قول آج کل مخلوق کیلئے زیادہ سہولت امیز ہے کیونکہ اب مسلمان عورتوں کا غیر مسلم خواتین سے پردے میں رہنا ممکن نہیں رہا ہے۔

گویا" نسائھن" کا مصداق صرف مسلم عورتوں کو قرار نہ دینا بلکہ مسلم و غیر مسلم دونوں کو اس میں شامل سمجھنا خود صاحب "روح المعانی" کے نزدیک بھی اب زیادہ مناسب ہے، اب سے مراد ہے تیرھویں صدی ہجری، کیونکہ علامہ آلوسی تیرھویں صدی کے پہلے آٹھ عشروں کی شخصیت ہیں، (انتقال ۱۲۸۰ھ میں فرمایا ہے)

ذرا اندازہ کیجئے اب چودھویں صدی کی دنیا میں تو یہ پردہ داری و پردہ نشینی کا امکان اور بھی زیادہ بعید ہو گیا ہے، خود ہمارے ملک میں یہ حال ہے کہ اکثر و بیشتر جگہ ہندو مسلم آبادی کے مخلوط محلے ہیں، مکانات کی بھی کمی اور تنگی ہے، ہندو خاتونوں سے مسلمان عورتوں کا اپنی زینت چھپانا عملاً محال ہی ہو گیا ہے، لہذا اور زیادہ معقول ہو گئی یہ بات کہ امام رازیؒ اور مولانا مودودی اور علامہ عثمانیؒ کی رائے کو ترجیح دے کر نسائھن کو مسلم اور غیر مسلم دونوں کو شامل سمجھا جائے، اور صرف مسلمان عورتوں کی جو تخصیص بہت سے "سلف" نے اپنی رائے سے کر لی تھی اسے ان کے زمانے کے مخصوص احوال کا تقاضا سمجھا جائے نہ کہ مفہوم قرآنی۔

کتنی حیرت کی بات ہے کہ سید صاحب کے آگے "روح المعانی" کھلی ہوئی ہے۔ اسی مقام سے اس کا اقتباس بھی بشکل ترجمہ دے رہے ہیں لیکن کہہ رہے ہیں کہ علامہ مودودی نے "تفرد" کا ارتکاب کیا، ہم نہیں جانتے کہ اسے علمی خیانت کہیں، دماغ کا شل ہو جانا کہیں، یا کیا کہیں، اہل نظر اور خود سید صاحب ہی اس معمے کو حل کر سکیں گے۔

ابھی اور "حیرتوں" کے لئے بھی تیار رہئے۔

دوسرے دعوے کا جائزہ : اہل علم و فراست کے لئے تو دعویٰ اول کے جائزے کے بعد دعویٰ ثانی محتاج رد رہا ہی نہیں، بلکہ خود بخود غائب ہو گیا لیکن "تجلی"

کو چونکہ ایسے بھی ہزاروں بھائی پڑھتے ہیں جن کا علم کم اور ذہنی استعداد معمولی ہے، اس لئے تھوڑی سی توضیح یہاں بھی کرنی ہوگی۔

شاہ عبدالقادرؒ کی زبانی یہ معلوم ہو جانے کے بعد بھی کہ سلف میں بعض حضرات وہی رائے رکھتے رہے ہیں جو مولانا مودودی اور علامہ عثمانیؒ نے اختیار کی ہے' اگر یہ کہنا علمی اعتبار سے درست ہو سکتا ہے کہ اس رائے کے حاملین "تفرد" کے مرتکب ہیں تو یہ بہر حال ماننا ہو گا کہ یہ "تفرد" مذموم و قبیح نہیں کیونکہ نہ تو اس پر شاہ صاحبؒ نے طنز کیا نہ ٹھنڈی آہ بھری، نہ اسے گمراہی قرار دیا، نہ "تفرد" سے موسوم فرمایا، نہ سید صاحب یہ جرأت کر سکتے ہیں کہ علامہ عثمانیؒ اور امام رازیؒ اور علامہ آلوسیؒ کو بھی اسی طرح رگید سکیں، جس طرح مولانا مودودی کو رگیدا ہے۔

اگر ہم غلط کہہ رہے ہیں تو پھر سید صاحب جرأت کر کے ان تینوں بزرگوں کو بھی اسی انداز میں مخاطب فرمائیں کہ واہ جناب یہ آپ نے کیا بودی اور کمزور بات لکھدی، یہ آپ صحابہؓ سے زیادہ قرآن کو پرکھنے والے کیسے ہوگئے، یہ "سلف صالحین" کی رائے کے مقابلے میں اپنی الگ رائے قائم کر کے آپ نے "سلف" کو نامعقول کیسے قرار دیدیا؟

بہر حال دوسرے دعوے کی لغویت واضح ہے، اب ہم تیسرے دعوے کا جائزہ لیں گے۔

تیسرے دعوے کا جائزہ :

سب سے پہلے قواعد عربیت کے رخ سے دیکھنا چاہئیے کہ آیت کیا کہہ رہی ہے، اور کونسا لفظ کیا مفہوم ظاہر کر رہا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلسل ۱۸ بار ضمیر جمع مونث غائب ھن کا استعمال کیا ہے وہ ارشاد فرمارہا ہے کہ عورتیں جن جن افراد کے آگے اپنی زینت ظاہر کر سکتی ہیں ان کی تفصیل یہ ہے، آبائھن، ابنائھن، اخوانھن وغیرذالك یعنی اپنے باپوں کے آگے، بیٹوں کے آگے، بھائیوں کے آگے (وغیرہ) یہاں اسلام اور کفر

کی کوئی بحث نہیں بلکہ صرف وہ رشتہ اور تعلق بیان کیا جارہا ہے جو ان عورتوں میں اور متذکرہ اعزا میں پایا جارہا ہے، چنانچہ باپ اور ماں یا بیٹا اور بھائی خواہ مومن ہوں یا کافر عورتوں کے لئے ان کے سامنے اظہار زینت کی اجازت یکساں ہے، مفسرین نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ ان افراد کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے ورنہ اظہار زینت کی اجازت نہیں ہوگی، اور جس دور میں قرآن نازل ہوا اس میں بے شمار مثالیں ایسی پائی جارہی تھیں کہ ایک عورت اسلام لے آئی ہے لیکن اس کے ماں باپ کافر ہی ہیں، یا بیٹا یا بھائی اسلام نہیں لایا ہے، مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایسا کوئی حکم انھیں نہیں ملا کہ اظہار زینت کے سلسلے میں ان کافر عزیزوں سے وہی رویہ اختیار کرو جو نامحرموں سے کرنا چاہیئے، بلکہ ان کا حکم کافر ہونے کے باوجود وہی رہا جو اس آیت میں بیان ہوا ہے، اس سے ثابت ہو گیا کہ کفر و اسلام کی بحث اس آیت سے قطعاً کوئی تعلق نہیں رکھتی، پھر آخر تنہا لفظ نسائھن کے ذیل میں یہ دعوے کرنے کا کیا جواز ہے کہ اس سے صرف مسلمان عورتیں مراد ہیں اور غیر مسلم عورتیں خارج ہیں، قرآن کی زبان نعوذباللہ چیستاں تو نہیں ہے اور قواعد عربیہ بھی کوئی ایسا راز نہیں ہیں جن سے صرف بعض صحابہؓ یا مفسرین سلف ہی واقف رہے ہوں، پھر سید صاحب وضاحت فرمائیں کہ کونسا قاعدہ اور قرینہ ہے کہ جس کی بنا پر صرف "نسائھن" تو اس کا مستحق ٹھیرے کہ اسے مسلمان عورتوں تک محدود کر دیا جائے اور آبائھن یا اخوانھن یا ابنائھن کو کافر و مسلم دونوں پر حاوی مانا جائے۔

ہاں اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمادیا ہوتا کہ یہاں مسلمان ہی عورتیں مراد ہیں تب تو ہمارے لئے چوں وچرا کی گنجائش نہ تھی، اور مولانا مودودی یا علامہ عثمانیؒ یا بعض اور سلف اس کے خلاف رائے ظاہر کرنے کی جسارت کر ہی نہیں سکتے تھے، لیکن ہم چیلنج سے کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں فرمایا اور ذخیرۂ حدیث سے ایسی کوئی صحیح حدیث نہیں لائی جاسکتی جو ہمارے چیلنج کو رد کر سکے۔

بہر حال قواعد عربیہ کا صریح تقاضا یہ ہے کہ کفر واسلام کی بحث یہاں نہ اٹھائی جائے، اور مفہوم کو کافر و مسلم سب پر حاوی رکھا جائے، اب سیاق و سباق اور الفاظ کا دروبست اور منطوق کلام بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔

آیت ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے :

قل للمومنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن

کہدو (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) مومنہ عورتوں سے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

کتنی کھلی بات ہے کہ یہاں مذہبی فرق یعنی کفر واسلام کا کوئی ذکر نہیں، یہاں تو ان عورتوں کو جو ایمان لاچکی ہیں ایسی اخلاقی ہدایات دی جارہی ہیں جو ان کی عفت و عصمت کے تحفظ میں معاون ثابت ہوں، اور جن کے نتیجے میں معاشرہ بدکاری وعیاشی سے پاک رہے، آخر کیا یہ بات محتاج بیان ہے کہ "زنا" کا اطلاق ایک مسلمان مرد وزن کے ناجائز تعلق پر بھی اسی طرح ہوتا ہے جس طرح کسی مومنہ عورت اور کافر مرد کے تعلق پر، یا کیا یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ مومنہ عورتوں کو اپنی عصمت کا تحفظ مسلمان مردوں سے بھی اسی طرح کرنا چاہیئے جس طرح کافر مردوں سے۔

پھر آگے چل کر اسی آیت میں جب یہ کہا گیا کہ مومن عورتیں فلاں فلاں افراد کے سامنے اپنی زینت ظاہر کرسکتی ہیں تو وہاں بھی کفر واسلام کا کوئی سوال نہیں بلکہ ان تمام مسلمانوں سے بھی زینت چھپانے کا حکم دیا گیا جو قرآن کی پیش کردہ فہرست سے خارج ہوں، چاہے وہ مومن ہوں یا کافر۔

جب یہ بات ہے تو مولانا مودودی نے آخر کیا غلط کہا اگر یہ کہا کہ :

"اس معاملے میں اصل چیز جس کا لحاظ کیا جائے گا وہ مذہبی اختلاف نہیں بلکہ اخلاقی حالت ہے۔"

اور علامہ عثمانیؒ نے کیا خطا کی اگر اسلام وکفر سے قطع نظر کرکے "نیک چلنی" کی شرط لگائی۔

ہم سید صاحب سے پوچھتے ہیں، اگر ایک مومنہ عورت کا مومن بھائی نہایت آوارہ اور عیاش اور شرابی کبابی ہو یہاں تک کہ یہ عورت اس سے اپنی عصمت کو خطرہ محسوس کرے تو کیا شریعت کی یہ ہدایت نہیں ہے کہ اس عورت کو اپنے اس سگے بھائی سے پردہ کرلینا چاہیئے یا اگر پردے کے بغیر تحفظ ممکن ہو تو بہر حال زینت اور سنگار تو اس سے چھپانا ہی چاہیئے ؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو اسی سے اندازہ کرلیا جائے کہ اخلاقی حالت کا لحاظ کس درجہ مرکزی و محوری اہمیت رکھتا ہے، آپ دیکھ رہے ہیں کہ قرآن نے اپنے بھائی کے آگے اظہار زینت کی اجازت دی لیکن جب یہی بھائی کردار کے اعتبار سے انتہائی گر گیا تو خود "شریعت حقہ" اس اجازت کو مسترد کردیتی ہے، پھر کیسے ممکن ہے کہ وہ مومنہ عورتوں کو ان تمام خواتین کے آگے اظہار زینت کی اجازت دیدے جو مسلمہ ہوں خواہ ان کا کردار کچھ ہی کیوں نہ ہو ؟ کیا محترم سید صاحب اس سے بے خبر ہیں کہ مغربی تہذیب و تعلیم کے فیض سے ہمارے معاشرے میں نہ جانے کتنی ایسی "مومنات" پائی جارہی ہیں جو بے پردہ رہتی ہیں، اسکرٹ اور دوسرے شہوت انگیز لباس پہنتی ہیں، کلبوں اور ہوٹلوں میں مردوں کے ساتھ رقص کرتی ہیں، سنیما اور تھیٹر دیکھتی ہیں، اندھیرے اجالے مے نوشی سے بھی پرہیز نہیں کرتیں، بار بادہ اپنے مہذب دوستوں کیلئے دلالی اور دیوثی کی خدمات بھی انجام دیتی ہیں، تو کیا سید صاحب کی یہ رائے ہے کہ ہماری بہنوں بیٹیوں کو ان سے بھی زینت نہیں چھپانی چاہیئے، اور بے تکلفانہ تعلقات قائم رکھنے چاہئیں کیونکہ نسائھن میں تمام مسلم عورتوں کے آگے اظہار زینت کی اجازت دیدی گئی ہے۔

مغرب زدہ حلقوں کے علاوہ بھی نیم مہذب اور غیر مہذب حلقوں میں ایسی بے شمار مسلمان عورتیں موجود ہیں جو نام کی مسلمان ضرور ہیں مگر کردار کے اعتبار سے حرافہ اور قطامہ ہیں، ان کی پرچھائیں تک عفیفہ خواتین کے لئے زہر قاتل ہے، ان کے آگے بناؤ سنگار کے ساتھ آنا تو کجا ان سے تو پردہ ہی کرلینا پاکباز مومنات کے لئے اولیٰ اور احفظ ہے، کیا سید صاحب پسند کریں گے کہ ان کی بہن یا بیٹی کسی ایسی مسلمان

عورت سے بے تکلف ہو جو بدکردار اور فاحشہ ہو، اور کیا اس موقعہ پر وہ یہ استدلال فرمائیں گے کہ نسائھن کہہ کر قرآن نے تمام ہی مسلم عورتوں سے بے تکلف ملنے جلنے کی اجازت دے رکھی ہے لہذا میں کیسے اس پر روک لگاؤں۔

استغفر اللہ، یہ وہ گوشے ہیں جن پر سید صاحب کی نظر نہیں جا سکی، پھر یہ جو انھوں نے کہا کہ:

"غیر مسلم عورتیں جن کے پاس کوئی معیار اخلاق نہیں۔"

تو یہ بھی ایک ایسی بات ہے جو بحالتِ ہوش و حواس کسی صاحب فہم کے قلم سے نہ نکلنی چاہیے، کیا وہ اپنے اردگرد نظر ڈال کر حقائق کا مشاہدہ نہیں کر سکتے؟ ہم جس ملک میں رہ رہے ہیں، وہاں ہندو اکثریت آباد ہے، اور اس کے پاس مذہبی روایات اور ثقافتی تصورات کی شکل میں یقیناً ایک ایسا معیارِ اخلاق موجود ہے جس کے تحت وہ عورت کی عفت و عصمت کو قیمتی شے تصور کرتی ہے، ناچ اور گانا اگرچہ ہندوؤں کے یہاں ایک مذہبی نوعیت رکھتا ہو لیکن اس کے باوجود ہماری ہندو بہنیں عفت و عصمت کے باب میں ننانوے فیصد اس درجہ حساس ہیں کہ وہ اپنی آبرو بچانے کے لئے آگ میں کود سکتی ہیں، کنویں میں چھلانگ لگا سکتی ہیں، مگر دولت کا بڑے سے بڑا انبار انھیں بدکاری پر آمادہ نہیں کر سکتا، رہا ایک فیصد کا معاملہ، تو ایسا استثناء خود مومنات میں بھی ہے، مغربی تہذیب و تعلیم نے بفرقِ مراتب ہندو اور مسلمان دونوں ہی کو متاثر کیا ہے، اور سید صاحب کے ذہن میں اسلامی اخلاق کا جو نظری اور عقائدی معیار ہے اس سے ہماری بے شمار مسلمان بہنیں یکسر تہی دامن ہیں، کیا سید صاحب نہیں دیکھتے کہ غض بصر یعنی نیچی نگاہ رکھنا تو دور کی بات ہے "ترقی یافتہ مومنات" کے طبقے اور حلقے میں پردہ ہی سرے سے علامت قدامت پرستی قرار دے دیا گیا، اور کتنی ہی مومنات اسلامی تصورِ اخلاق سے خالی الذہن، نیم عریاں لباسوں میں مردوں کے ساتھ کلبوں اور ہوٹلوں اور تفریح گاہوں میں چہلیں کرتی نظر آئیں گی۔

اور "ہندوستان" سے نکل کر "ممالک عربیہ" میں پہنچیے تو وہاں اور بھی بدتر

حالت ہے، بے شمار "مومنات" کو ان کے ملبوس اور اسٹائل سے آپ پہچان بھی نہیں سکتے کہ یہ مسلمان ہیں، وہی یورپین لباس، وہی لمبے ناخنوں پر لالی اور ہونٹوں پر لپ اسٹک کی دھڑی اور چہروں پر غازہ اور پیچھے سے کترے ہوئے بال، اور گفتگو کیجئے تو آپ کو اسلامی تصورات حیا اور معیار عفت کا سایہ تک ان کی دنیائے خیال میں کہیں نہ ملے گا، پھر کیا آپ قرآن کی زیر بحث آیت کا مطلب یہی سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عفیفہ عورتوں کو ان "ترقی یافتہ" خواتین سے بے تکلفی اور خلاملا کی اجازت مرحمت فرما رہا ہے۔

فرض کیجئے ہمارے پڑوس میں مسلمانوں کے علاوہ کچھ ہندو بھی بس رہے ہیں، ایک صاحب ہیں راج کشور ریٹائرڈ ہو کر پنشن پا رہے ہیں، بہت بھلے آدمی ہیں ہم دس سال سے ان کے حسنِ اخلاق کا تجربہ کرتے آرہے ہیں، ان کی بیوی پچاس سال کی ہے، نہایت نیکدل اور پاک باز، ایک بیٹی ہے آشا بے حد شرمیلی، شریف الطبع، نیک نہاد، اس پورے گھر کی نیک نامی بے داغ ہے، اور کبھی کسی غنڈے یا بد نام آدمی سے ان کا کوئی واسطہ نہیں رہا۔

دوسرے پڑوسی ہیں رفیق احمد صاحب، آوارہ مزاج، بد طینت، گالی باز، ان کی بیگم صاحبہ ماشاء اللہ جوان ہیں، نہایت اسمارٹ، پردے سے بے نیاز، آزاد خیال، میاں کی مجال نہیں کہ ان کی تفریحات میں دخل انداز ہو سکے، یہ اکثر و بیشتر مرد دوستوں کے ساتھ سنیما بھی جاتی ہیں، کلب کی تفریح کرتی ہیں، "اجتماعی حوضوں" میں غسل بھی فرماتی ہیں، ان کے متعدد رومان بھی لوگوں کے علم میں ہیں۔

اب مولانا مودودی اور علامہ عثمانیؒ کی تفسیر تو یہ بتاتی ہے کہ ہماری بہو بیٹیوں کو ان مومن بیگم صاحبہ سے دور رہنا چاہیئے، وہ خواہ مخواہ گھر میں آہی جائیں تو ان سے بے تکلفی نہیں برتنی چاہیئے، اور بناؤ سنگار کے ساتھ سامنے آنا ٹھیک نہیں، ہاں "آشا" اور اس کی ماں سے تعلق رکھنے میں مضائقہ نہیں، وہ اگر گھر میں آئیں تو ضروری نہیں کہ بہو بیٹیاں ان سے بہت زیادہ لئے دیئے رہیں، اور زینت چھپانے کا اہتمام کریں۔

لیکن سید صاحب جس تفسیر پر اڑ رہے ہیں اس کی رو سے معاملہ الٹ جاتا ہے، یعنی ان جانی پہچانی شریف و باعصمت ہندو خواتین سے تو زینت چھپانا ضروری ہوا، اور مومن بیگم صاحبہ سے خلا ملا اور بے تکلفی کی اجازت مل گئی۔

اہل نظر اور خود سید صاحب دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کہ اخلاقی تحفظ اور امن و عافیت اور احتیاط و مصلحت کے پہلو تفسیر اول میں زیادہ ہیں یا تفسیر ثانی میں، ہم سمجھتے ہیں کہ جس شخص میں تھوڑی سی بھی سوجھ بوجھ ہو گی وہ یقیناً یہی کہے گا کہ راج کشور فیملی اگرچہ کافر ہے لیکن ہماری بہو بیٹیوں کے لئے اسکے آگے اظہار زینت میں وہ خطرات نہیں ہیں جو مومن بیگم صاحبہ کے سلسلے میں ہیں اور شریعت اسلامیہ کا بھی یقیناً یہی فیصلہ ہے، جو شریعت سگے بھائی، اور سگے بھتیجے، اور سگے بھانجے، تک سے بے تکلفی کی اجازت صرف ان حدوں تک دیتی ہو، جن حدوں تک عفت و حیا کو خطرہ لاحق نہ ہو، اور باپ تک کے لئے اس نے جوان بیٹی کے معاملہ میں آداب تلقین کئے ہوں، وہ بھلا صرف مسلمان ہونے کی رعایت سے ان مومن بیگم صاحبہ کا خیر مقدم کیسے کر سکتی ہے۔ جن کے اوصاف ابھی ہم نے بیان کئے، واضح ترین اور معقول ترین بات یہی ہے کہ نسائھن کو کفر و اسلام سے نہ جوڑا جائے اور وہی میل جول کی عورتیں مراد لی جائیں جن کا چال چلن قابل اطمینان ہو۔

سید صاحب کے استدلال کی حیثیت :

سید صاحب نے مولانا مودودی کی تردید میں جو استدلال ان الفاظ سے شروع کیا ہے کہ :

"کیسی عجیب بات ہے۔۔۔۔"

اسے آخر تک ایک بار پھر پڑھ لیجئے، اس میں متعدد واضح خامیاں ہیں۔

پہلی خامی یہ ہے کہ اس کا کوئی جوڑ نفس بحث سے نہیں، اگر مولانا مودودی نے اپنی تفسیر میں مومنہ عورتوں کو یہ ترغیب دی ہوتی کہ وہ غیر مسلم عورتوں سے ملیں جلیں، ان سے بے تکلفانہ تعلقات قائم کریں، ان کے آگے زیب و زینت کے

ساتھ آئیں تب تو استدلال کی وہ تقریر برمحل ہو سکتی تھی جو سید صاحب نے فرمائی، لیکن "تفہیم القرآن" کھول کر دیکھ لیجئے یا وہی عبارت ملاحظہ فرمالیجئے جسے نقل کر کے سید صاحب اعتراض کر رہے ہیں، اس میں تو مولانا مودودی احتیاط کے پارے کو پچھ اور ہی زیادہ اونچا لئے جارہے ہیں، وہ کہہ رہے ہیں کہ ہماری مومنہ بہنیں ان مسلم خواتین کے آگے بھی زیب وزینت ظاہر نہ کریں جن کا کردار مخدوش ہو، اس دور ترقی میں اگر غیر مسلم عورتوں کے ذریعہ مسلمان عورتوں کا اخلاق بگاڑنے کی کوشش کی جارہی ہے تو یہ بھی سید صاحب کو اور ہر شخص کو معلوم ہے کہ یہ غیر مسلم عورتیں بے پردہ ہیں، فیشن پرست ہیں، آزاد خیال ہیں، ان کا مخدوش ہونا کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، پھر بھلا جو شخص یہ نظریہ رکھتا ہو کہ مسلمان عورتوں تک کے معاملہ میں ان کی اخلاقی حالت کا لحاظ ضروری ہے، وہ یہ کیسے گوارا کرلے گا کہ غیر مسلم عورتوں کے معاملہ میں اخلاقی حالت کا لحاظ نہ کیا جائے، افسوس ہے سید صاحب کی سخن فہمی اور جذبۂ انصاف پر کہ وہ مولینا مودودی کی احتیاط کو الٹا مفہوم پہنا کر یہ شوشہ نکال رہے ہیں کہ "غیر مسلموں کے ساتھ میل جول کو قرآن مجید سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے"۔۔۔ دوسروں کے قول میں تحریف اور دھاندلی کی اس سے بدتر مثال اور کیا ہوگی۔

دوسری خامی یہ ہے کہ سید صاحب نے عرب ممالک کی صورت حال کو سمجھا ہی نہیں، وہاں جو یہودی عورتیں گھروں میں گھسی ہین ان کا مقصد یہ نہیں ہے کہ مسلمان عورتوں کو آوارگی میں مبتلا کر کے اپنے قوم کے مردوں تک بدکاری کے لئے لے جائیں، اس مقصد کا کوئی سوال ہی نہیں، نہ اس قسم کا کوئی ایک بھی واقعہ کہیں پیش آیا ہے، ان کا مقصد تو صریح طور پر یہ ہے کہ مسلمان مردوں سے ناطہ جوڑ کر ان کے ذریعہ اہم سیاسی و عسکری راز معلوم کریں اور اپنی قوم تک پہنچائیں، چنانچہ ایسا ہی انھوں نے کیا جس کے نتیجے میں مصر تاریخی ہزیمت سے دوچار ہوا، اور آج بھی وہ حتی الوسع ایسا ہی کر رہی ہیں، بھلا اس فتنے اور آشوب کا تعلق اس آیت سے کیا ہو سکتا ہے

جس میں مسلمان عورتوں کو تحفظ عصمت کے مبادیات سمجھائے گئے ہیں، اردو میں ایک محاورہ ہے ایران طوران کی ہانکنا، ٹھیک اسی محاورے کی مصداق سید صاحب کی یہ تقریر بھی ہے، بات ہو رہی ہے مومنہ عورتوں کی تہذیب اخلاق کی، اور وہ لے دوڑے اس صورت حال کو جو مسلمان مردوں کے ضعف اخلاق اور تعیش اور غفلت سے متعلق ہے، عرب ممالک کے بعض مسلمان اگر یہودی عورتوں کو گھروں میں داخل کر کے سیاسی ہلاکتوں کا وسیلہ بنے تو آخر مولانا مودودی نے کب کہا ہے کہ انھوں نے اچھا کیا، اور آئندہ بھی دوسرے مسلمانوں کو ایسا ہی کرنا چاہیئے، ہم واقعی نہیں سمجھ سکے کہ سید صاحب نے مولانا مودودی پر اعتراض کرتے وقت اپنی سوجھ بوجھ اور سخن فہمی اور شعور وادراک کو کس برف خانے میں رکھدیا ہے کہ وہ پتھر کی طرح جامد ہو کر رہ گیا، آخر سوچئے نا؟ کہاں مولینا مودودی کی یہ رائے کہ مومنہ عورتوں کو صرف ایسی عورتوں کے آگے زینت کے اظہار کی اجازت ہے جو نیک چلن ہوں، اور کہاں سید صاحب کی یہ بے تکی تقریر اعتراض، شاید اسی لئے کہنے والے نے کہا ہے کہ تعصب آمیز علم جہالت سے زیادہ خطرناک ہے اور عصبیت آدمی کی مت ماردیتی ہے۔

علمی خیانتیں : ہمیں بڑی ندامت اور تکلیف ہو رہی ہے اس بات سے کہ محترم سید صاحب کی طرف خیانت جیسے گھٹیا جرم کا انتساب کریں، لیکن اپنی خرابی تقدیر کو کیا کریں کہ یہ برا دن بھی دیکھنا ہی تھا، اخلاص اور خیانت، علم و تحقیق اور بددیانتی، گویا آگ اور پانی، کیسا عجوبہ ہے کہ یہ نقیضیں ایک ہی جگہ جمع ہو جائیں، اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ "انوار الباری" کے کسی بھی مقام کے بارے میں ہم اطمینان سے محروم ہوگئے، اگر ایک دو جگہ صریح خیانت اور دیدہ ودانستہ حق پوشی کا قطعی ثبوت مل جائے تو سید صاحب خود ہی بتائیں کہ باقی سارے دفتر پر کیونکر اعتماد تام رہ سکتا ہے۔

سید صاحب اس کے مدعی ہیں کہ صحابہ سمیت تمام مفسرین "سلف و خلف" نسائھن سے فقط مسلمان عورتیں مراد لیتے چلے آرہے ہیں، اور مولانا مودودی نے

اس رائے کو ترک کر کے ایسے "تفرد" کا ارتکاب کیا ہے جس پر طعن کرنا اور یاللاسف کا نعرہ لگانا بھی ضروری ہے۔

اب یہ تو آپ دیکھ ہی چکے کہ "تفرد" کا الزام سو فیصدی غلط ہے اور یہ بھی آپ نے دیکھ لیا کہ "روح المعانی" میں عین اسی جگہ جس جگہ سے سید صاحب اقتباس لے رہے ہیں وہ سب بھی موجود ہے جسے ہم نقل کر آئے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم یہ تاویل بھی نہیں کر سکتے کہ سید صاحب کی نظر چونکہ علامہ عثمانیؒ اور شاہ عبدالقادرؒ کے حواشی پر نہیں گئی لہٰذا وہ بھولے سے یہ سمجھ بیٹھے کہ مولانا مودودی اپنی رائے میں اکیلے ہیں، اور یہ رائے پہلی بار انھوں نے ہی دل سے گھڑی ہے، اس تاویل کی گنجائش "روح المعانی" کے مذکورہ مندرجات نے ختم کر دی ہے، اور مزید لطف دیکھئے "تفہیم القرآن" کا جو صفحہ اور تفسیری حاشیہ وہ کھولے بیٹھے ہیں وہیں خود مولانا مودودی نے "سلف" کے ایک گروہ کی رائے ذکر کرنے کے بعد یہ لکھا ہے:

> "دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اس سے مراد تمام عورتیں ہیں امام رازیؒ کے نزدیک یہی صحیح مذہب ہے۔ (تفہیم القرآن' جلد ۳ صفحہ ۳۹۰)

گویا "روح المعانی" کے اس ورق پر ہی نہیں جو سید صاحب کے آگے کھلا ہوا ہے بلکہ تفہیم القرآن کے صفحہ پر بھی امام رازیؒ کی وہ رائے موجود ہے جو بہر حال سلف کی رائے سے مختلف اور مولانا مودودی کی رائے سے ہم آہنگ ہے، لہٰذا اگر سید صاحب کے نزدیک واقعی وہی تفسیر اٹل تھی جسے وہ مفسرین "سلف و خلف" کی طرف منسوب کر رہے ہیں اور جس سے اختلاف کو "تفرد" کا نام دے رہے ہیں تو انھیں قدرتاً امام رازیؒ پر بھی "تفرد" کا الزام جڑ کر ایک دو ٹھنڈی آہیں بھرنی چاہئیں تھیں، اور پھر علامہ آلوسی پر بھی بگڑنا چاہئے تھا کہ یہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟ بھلا وہ رائے زیادہ اوفق اور قابل قبول کیسے ہو سکتی ہے جو تمام اکابر مفسرین کی رائے کے خلاف ہو۔

لیکن ہم اور آپ کھلی آنکھوں سے یہ منظر عبرت دیکھ رہے ہیں کہ امام رازیؒ کے "تفرد" کو نہ صرف وہ پی گئے بلکہ یہ ذکر تک اڑا گئے کہ اس مسئلے میں ایک تیسری

رائے بھی موجود ہے، کیا یہی ہے علمی دیانت؟

موصوف کی منقولہ عبارت کو ایک بار پھر دیکھیے، انھوں نے "تفہیم القرآن" کا حوالہ دے کر اس کے طویل نوٹ کا خلاصہ ایسے حذف و ترمیم کے ساتھ پیش کیا جس سے یہ ظاہر ہو کہ صاحب "تفہیم" نے فقط دو رائے ذکر کی ہیں، ایک وہ جو بالفاظ سید صاحب مفسرین خلف و سلف کی ہے اور دوسری وہ جسے مولانا مودودی نے معقول قرار دیا ہے، اس کتر بیونت سے یہی مقصد تو حاصل کرنا تھا کہ تیسری کسی رائے کا پتہ ہی قارئین کو نہ چلے، اور وہ سمجھیں کہ نسائھن کا بس ایک ہی مفہوم تمام سلف و خلف کے نزدیک طے شدہ رہا ہے اور آج پہلی بار مودودی صاحب نے اسے مسترد کر کے ایک بالکل نئی رائے گھڑ لی ہے۔

خیانت در خیانت یہ کہ سید صاحب نے یہ فقرہ تحریر فرمایا:

"علمائے سلف کے مقابلے میں اپنی رائے کو معقول کہنے کی جسارت کا تو علامہ مودودی ہی کو حق پہنچتا ہے۔"

اس فقرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو رائے مودودی صاحب نے بیان کی اسے انھوں نے "اپنی رائے" کہہ کر پیش فرمایا ہے، حالانکہ یہ صریحاً جھوٹ ہے، "تفہیم" کی عبارت ملاحظہ ہو، پہلے اور دوسرے گروہ کی رائے کا ذکر کرنے کے بعد مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"تیسری رائے یہ ہے اور یہی معقول بھی ہے اور قرآن کے الفاظ سے قریب تر بھی، کہ اس سے دراصل ان کے میل جول کی عورتیں، ان کی جانی بوجھی عورتیں، ان سے تعلقات رکھنے والی اور ان کے کام کاج میں حصہ لینے والی عورتیں مراد ہیں، خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، اور مقصود ان عورتوں کو اس دائرے سے خارج کرنا ہے جو یا تو اجنبی ہوں کہ ان کے اخلاق و تہذیب کا حال معلوم نہ ہو، یا جن کے ظاہری حالات مشتبہ ہوں اور ان پر اعتماد نہ کیا جاسکے، اس رائے کی تائید ان صحیح احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں نبی صلی

اللہ علیہ وسلم کی "ازواج مطہرات" کے پاس ذمی عورتوں کی حاضری کا ذکر آتا ہے، اس معاملہ میں اصل چیز جس کا لحاظ کیا جائے گا وہ مذہبی اختلاف نہیں بلکہ اخلاقی حالت ہے، شریف، باحیا اور نیک اطوار عورتیں جو معروف اور قابل اعتماد خاندانوں سے تعلق رکھنے والی ہوں، ان سے مسلمان عورتیں پوری طرح بے تکلف ہو سکتی ہیں، خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں، لیکن بے حیاء، آبرو باختہ اور بد اطوار عورتیں خواہ "مسلمان،، ہی کیوں نہ ہوں، ہر شریف عورت کو ان سے پردہ کرنا چاہئیے، کیونکہ اخلاق کے لئے ان کی صحبت غیر مردوں کی صحبت سے کچھ کم تباہ کن نہیں ہے۔"

دیکھا آپ نے مولینا مودودی نے یہ نہیں فرمایا "میری رائے یہ ہے" بلکہ یہ فرمایا کہ "تیسری رائے یہ ہے" اس سے خود بخود نکلتا ہے کہ جس طرح پہلی دو آراء رکھنے والے ماضی میں موجود رہے ہیں اسی طرح تیسری رائے بھی بعض سلف کی رہی ہے، اور مولانا مودودی کی حیثیت اس رائے کے موید کی ہے نہ کہ ایجاد کنندہ اور مخترع کی، اب اہل انصاف فیصلہ کریں کہ سید صاحب کے طرز عمل کو خیانت کے سوا کس روش پر محمول کیا جا سکتا ہے، وہ دیدہ و دانستہ قارئین کو یہ دھوکا دے رہے ہیں کہ پچھلے تمام مفسرین تو بس ایک ہی رائے پر اٹل تھے، اور مولانا مودودی نے دفعتاً اپنی نئی رائے پیش کردی، مزید دیکھئے کہ "تفہیم" کے اس پورے حاشیے کو پڑھ لینے کے بعد بھی سید صاحب بلا تکلف وہ تقریر جھاڑ رہے ہیں جس میں یہودی عورتوں کا ذکر ہے، کیا "تفہیم" کا یہ حاشیہ لاطینی زبان میں تھا جس کا مطلب سید صاحب کی سمجھ میں نہیں آیا، اللہ ہی جانتا ہے تعصب کیسی بلا ہے جو اچھے خاصے ہوشمندوں کو بدحواس کر دیتی ہے، کوئی دیوانہ ہی اس حاشیے کو سمجھ کر پڑھنے کے بعد یہ تصور کر سکتا ہے کہ مولانا مودودی یہودی عورتوں یا اجنبی کافر عورتوں سے میل جول بڑھانے کی ہمت افزائی کر رہے ہیں۔

فرمودات سلف کی صحیح پوزیشن: اب ہم ان فرمودات اکابر پر گفتگو کریں گے جنھیں نقل کر کے سید صاحب نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ "نسائھن" کی واحد مراد مسلمان عورتیں ہیں۔

جو تقریر اعتراض ہم "انوار الباری" سے نقل کر آئے، اس میں حضرت عمرؓ کا یہ طرز عمل بیان کیا گیا ہے کہ:

"حضرت عمرؓ نے حماموں میں ان کے ساتھ (غیر مسلم عورتوں کے ساتھ) اختلاط کو سختی سے روک دیا تھا"۔

اس کے بعد سید صاحب نے "ارشادات اکابر" کے ذیل میں حضرت عمرؓ کا یہ فرمودہ نقل فرمایا:

"کسی ایماندار مسلمان عورت کیلئے جائز نہیں کہ اس کا سراپا بجز اس کے اہل ملت کے دوسری عورت دیکھ سکے۔" (صفحہ ۱۳۹)

ہم عرض کریں گے کہ پورا واقعہ اصل میں یوں ہے جو "تفہیم القرآن" میں بھی موجود ہے اور "تفسیر ابن جریر" جیسی مطول تفاسیر میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے ایک بار حضرت ابو عبیدہ کو لکھا:

"میں نے سنا ہے مسلمانوں کی بعض عورتیں غیر مسلم عورتوں کے ساتھ حماموں میں جانے لگی ہیں، حالانکہ جو عورت اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتی ہو اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ اس کے جسم پر اہلِ ملت کے سوا کسی اور کی نظر پڑے۔"

ذرا انصاف تو فرمایئے یہاں سراپا اور جسم کا مصداق کیا ہو سکتا ہے، ذکر ان "حماموں" کا ہے جو اُس زمانے میں رائج تھے اور مرد و زن وہاں نہانے اور طرح طرح کے مسالوں سے اپنے رنگ روپ نکھارنے اور گورا ہونے جاتے تھے، جو "حمام" عورتوں کے لئے مخصوص تھے، مسلمان عورتیں وہاں جانے لگی تھیں، صحیح حوالہ تو

اس وقت مستحضر نہیں غالباً علامہ عینی کی شرح "بخاری" میں یا کسی اور کتاب میں ہم نے یہ تفصیل بھی پڑھی ہے کہ ان "حماموں" میں مختلف درجات بنائے جاتے تھے، اور انھیں آگ کے ذریعہ اس طرح گرم کیا جاتا تھا کہ ایک درجہ زیادہ گرم، ایک اس سے کم گرم، ایک اس سے کم گرم، پھر ایک درجہ معتدل (نارمل) مردوں کو مرد اور عورتوں کو عورتیں غسل دیتیں، ساتھ ہی اس طرح کے مسالے اور روغن وغیرہ جسموں پر ملے جاتے کہ نرمائی اور گوراپن پیدا ہو، جیسے آج کل ہم مشرقیوں میں ہونے والی دلہن کے ابٹنا ملا جاتا ہے۔

حضرت ابو عبیدہ کا جو تاثر حضرت عمرؓ کے اس حکم پر منقول ہے وہ یہ ہے:

"خدایا جو مسلمان عورت محض گوری ہونے کیلئے ان "حماموں" میں جائے اس کا منہ آخرت میں کالا ہو۔"

اس سے بھی معلوم ہوا کہ مسلمان عورتیں محض غسل ہی کیلئے نہیں گورے ہونے کے لئے بھی جانے لگی تھیں، اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ نہلانے والی غیر مسلم عورتوں کے آگے وہ یا تو بالکل الف ننگی ہو جاتی ہوں گی یا برائے نام سی دھجیاں بدن پر رہ جاتی ہوں گی، اب دیکھ لیجئے کہ حضرت عمرؓ جس جسم اور سراپا کا ذکر کر رہے ہیں وہ کیا ہے؟

معلوم ہے کہ آیت میں مسلمان عورتوں کو یہ اجازت نہیں دی جارہی ہے کہ وہ اپنا ستر بھی اپنے بھائیوں باپوں اور بیٹوں اور خسروں اور بھانجوں بھتیجوں کے آگے کھول سکتی ہیں بلکہ صرف زینت ظاہر کرنے کی اجازت دی جارہی ہے یعنی زیور اور بناؤ سنگار اور سنورے ہوئے بال وغیرہ، (آج کل کی اصطلاح میں میک اپ کہہ لیجئے) اس آیت سے حضرت عمرؓ کے مذکورہ حکم کا تعلق جوڑنا نا معقول بات ہے جس پر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، "حماموں" میں عورتوں کا جو حال ہے اس میں تو ان کے لئے سوائے شوہر کے یا پھر اپنی خاص الخاص عورتوں کے کسی کے بھی سامنے آنا جائز نہیں، لہذا ٹھیک کہا حضرت عمرؓ نے کہ مومنہ عورتوں کو اس سے باز آجانا چاہئے، اس سے یہ

مطلب آخر کیسے نکل آیا کہ حضرت عمرؓ نسائھن کا ترجمہ فرمارہے ہیں۔

غیر مسلم عورتوں سے مسلمہ عورتوں کو اپنی زینت چھپانی چاہیئے یا نہیں یہ ایک الگ بحث ہے جس میں علماء کا اختلاف منقول ہے، اس بحث میں ہر فریق اپنے جو بھی دلائل دے ان سے بہر حال "نسائھن" والی آیت کا کوئی تعلق نہیں، اور اگر حضرت عمرؓ کی رائے یہی رہی ہو کہ غیر مسلم عورتیں نامحرموں کے درجے میں ہیں تو بہر حال یہ ان کی ذاتی رائے کہی جاسکتی ہے نہ کہ تفسیر قرآن، کیا سید صاحب اس سے واقف نہیں کہ مجرد قول صحابی حجت نہیں ہوا کرتا، اور بے شمار مسائل میں بعد کے اہل علم نے حضرت عمر یا حضرت ابن عباس یا حضرت ابن مسعود یا حضرت علی رضی اللہ عنھم کی آراء سے کھل کر اور ڈٹ کر اختلاف کیا ہے۔

اب لیجئے حضرت ابن عباسؓ کا معاملہ۔ بے شک ان کی رائے یہی ہے کہ "نسائھن" سے مراد صرف مسلمان عورتیں ہیں، لیکن وہ اپنی اس رائے کو رسول اللہ کی طرف منسوب نہیں کرتے، پھر کیا ضروری ہے کہ ان کی رائے لازماً درست ہی ہو، بیسیوں مثالیں ہیں کہ علمائے سلف نے ان کی رائے کو مسترد کر دیا ہے، صرف ایک نمونہ دیکھ لیجئے:

"سورۂ نساء" کی چوبیسویں آیت کے الفاظ فما استمتعتم به منهن کو حضرت ابن عباسؓ نے "نکاح متعہ" کے جواز پر مبنی قرار دے لیا اور مدت تک وہ اور انکی پیروی میں "یمن و مکہ" کے کتنے ہی صحابہؓ جواز متعہ کا فتویٰ دیتے رہے، حضرت ابن عباسؓ کہا کرتے تھے کہ یہ آیت "متعہ" کے جواز و اجازت میں محکم ہے (یعنی واضح اور قطعی) اور ایک دوسرے صحابی عمران بن حصینؓ تو یہاں تک کہا کرتے تھے کہ قرآن میں یہ آیت جواز متعہ کے لئے نازل ہوئی ہے، اور اس کے بعد کوئی آیت ایسی نازل نہیں ہوئی جس سے یہ اجازت منسوخ ہوگئی ہو، اور ہمیں رسول اللہؐ نے متعہ کی اجازت دی تھی، اور پھر آپؐ رحلت فرماگئے مگر ہمیں "متعہ" سے منع نہیں کیا (ملاحظہ ہو امام رازیؒ کی تفسیر کبیر) حضرت علیؓ تک کا ایک ایسا قول مروی ہے جس سے معلوم ہوتا

ہے کہ "متعہ" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں نہیں ان کے بعد بھی کافی دنوں تک جائز رہا اور حضرت عمرؓ نے ایک حکم نافذ کر کے اسے حرام قرار دیا۔

یہ تو تھے صحابہؓ، اکابر تابعین میں بھی مجاہد اور سدی اور "یمن ومکہ" کے بہت سے مفتی آیت مذکورہ سے جواز "متعہ" ہی اخذ کرتے تھے (ملاحظہ ہوں بدایۃ المجتہد، ابن کثیر۔ ابن جریر۔ احکام القرآن للجصاص وغیرہ۔)

اب دیکھ لیجئے کہ حضرت ابن عباسؓ نے تو آخر خود اپنی غلطی محسوس کر کے رجوع فرمالیا (معالم التنزیل۔ ہدایہ وغیرہ) اور حضرت عمرانؓ یا حضرت علیؓ یا مجاہدؒ وغیرہ کی رائے بھی درست نہیں تھی۔ "مسلم" میں خود رسول اللہؐ سے بسند صحیح مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "متعہ" کو قیامت تک کے لئے حرام کر دیا ہے۔

یہ نمونہ ہم نے تفہیم عوام کے لئے پیش کر دیا ورنہ اہل علم تو خوب جانتے ہیں کہ مباحث دینیہ میں کسی صحابی کی ذاتی رائے اور فکر حرف آخر نہیں ہے، اس سے اختلاف کیا جا سکتا ہے اور کیا گیا ہے، حجت جو چیز ہے وہ اجماع صحابہؓ ہے نہ کہ منفرد آراء، چنانچہ آپ کے سامنے ہے کہ "نسائھن" کی تفسیر میں امام غزالیؒ اور امام رازیؒ اور علامہ عثمانیؒ بلا تکلف ابن عباسؓ اور مجاہدؒ اور ابن جریجؒ سے اختلاف کرتے ہیں اور علامہ آلوسی اسی رائے کو اوفق ٹھہراتے ہیں۔

حافظ ابن کثیرؒ کی رائے: سید صاحب "ارشادات اکابر" کے ذیل میں ابن کثیرؒ کی تحریر نقل کرتے ہیں:

"مسلمان عورتیں اپنی زینت مسلمان عورتوں کے سامنے بھی ظاہر کر سکتی ہیں، اہل ذمہ عورتوں کے سامنے نہیں تاکہ وہ ان کا حال اپنے مردوں سے نہ بتلائیں، کیونکہ مسلمان عورتوں کے حالات بابت حسن و جمال وغیرہ کا اظہار غیر مردوں کے سامنے کرنا اگرچہ سب ہی عورتوں کے لئے شرعاً ممنوع ہے مگر غیر مسلم ذمی عورتوں کے حق میں اور بھی زیادہ شدت سے منع ہے کیونکہ ان کو اس بات

سے رکاوٹ نہ ہوگی، بخلاف مسلم عورت کے کیوں کہ وہ جانتی ہے کہ ایسا کرنا شرعاً حرام ہے، اور اس لئے وہ اس سے رک جائے گی" (انوار الباری)۔

خدا مراتب بلند کرے حافظ ابن کثیر کے، بہت بڑے عالم تھے مگر یہاں چوک گئے، ہو سکتا ہے ان کے زمانے میں حالات ایسے ہی ہوں کہ کسی مسلمان عورت سے خلاف شرع امور کی توقع نہ کی جا سکتی ہو، اور اسی لئے انہوں نے یہ سوچے بغیر کہ زمانہ ایک حالت پر نہیں رہتا، یہ سب لکھدیا، لیکن کیا آج بھی ان کی خوش فہمی پر صاد کیا جا سکتا ہے، آج تو خیر سے تہذیب نوی کی بدولت کیا "مصر و عرب" اور کیا "پاکستان و ہندوستان" سب جگہ ایسی بے شمار "مومنات" پائی جا رہی ہیں جن کے لئے شریعت کی قدروں میں کوئی کشش نہیں، جو کلبوں کی مخلوط تفریحات کو جزو زندگی بنائے ہوئے ہیں، جو بعض حالات میں شراب تک سے اجتناب نہیں کرتیں، جن کے لئے عفت و عصمت کی کوئی بڑی قیمت نہیں، جو چست و نیم عریاں لباسوں میں مرد دوستوں کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے پھرنا معیوب خیال نہیں کرتیں، جن میں کتنی ہی ایسی ہیں جن پر یہ مصرعہ صادق آتا ہے۔

قحبہ چوں پیر شود پیشہ کند دلالی

کیا کوئی صحیح الدماغ کہہ سکتا ہے کہ ان سے بے تکلفی اور ان کے آگے اظہار زینت میں ہماری بہو بیٹیوں اور ماؤں بہنوں کے لئے وہ سارے خطرات موجود نہیں ہیں جو غیر مسلم عورتوں کے سلسلے میں متصور ہو سکتے ہیں، حافظ ابن کثیرؒ آج زندہ ہوتے تو غالباً یہی کہتے کہ لاحول ولا قوۃ میں کس خوش فہمی میں مبتلا تھا، ظاہر ہے کہ قرآن کی کوئی ایسی تفسیر درست نہیں ہو سکتی جو ایک زمانہ میں صحیح ہو اور دوسرے زمانے میں غلط ہو جائے، واحد معقول بات یہی ہے کہ "نسائھن" سے مراد اپنی جانی پہچانی ملنے جلنے والی عورتیں لی جائیں، اور کوئی عورت مسلم ہو یا کافر اس سے زینت چھپانے یا ظاہر کرنے کا جواز اور عدم جواز اس پر منحصر ہو کہ اس کا کیرکٹر کیسا ہے، اس میں کفر و اسلام کی بحث اٹھانا بے محل ہے اور ضرر رساں بھی۔

صحابہ کرامؓ جب بیت المقدس پہنچے، تو وہاں انکی عورتوں کے لئے قابلہ (دائی) کا کام یہودی و نصرانی عورتوں ہی نے انجام دیا، اس پر حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ:

"مجبوری کے سبب ہو گا یا یہ کام گراوٹ کا تھا ان سے لیا جاتا رہا لیکن قابل ستر جسم کو ان سے بہر حال چھپانا ضروری ہے۔"

"ابن کثیر" کی عبارت کا یہ ترجمہ سید صاحب کا کیا ہوا ہے، اس میں ایک علمی غلطی تو یہ ہے کہ ابن کثیر نے لکھا تھا ثم انه لیس فیه کشف عورته ولا بد، اس کا صحیح ترجمہ یوں ہوتا:

"پھر اس میں (یعنی حالت ولادت میں) بس اتنے ہی "ستر" کا کھلنا ہے جو ناگزیر ہے، باقی اعضاء مستورہ نہیں کھلتے۔"

خدا جانے سید صاحب نے یہ ترجمہ کس فقرے کا کر دیا کہ:

"لیکن قابل ستر جسم کو ان سے بہر حال چھپانا ضروری ہے۔"

دوسری غلطی یہ ہے کہ بحث ستر کی نہیں ہو رہی ہے، زینت اور سنگار اور میک اپ کی ہو رہی ہے، "ستر" کھولنا تو عورت کے لئے بھائی اور باپ کے آگے بھی جائز نہیں۔

تیسری غلطی یہ ہے کہ حافظ ابن کثیرؒ نے محمول علی حال الضرورۃ کے الفاظ کہے تھے، سید صاحب نے ضرورۃ کا ترجمہ "مجبوری" کر دیا حالانکہ ضرورت اور مجبوری میں فرق ہے، فرض کیجئے ایک "دایہ" مسلمان ہے مگر زیادہ ماہر فن نہیں دوسری غیر مسلم ہے مگر ماہر فن ہے۔ اب "ضرورت" کا تقاضا تو یقیناً یہ ہے کہ ہم اپنے یہاں غیر مسلمہ کو بلائیں لیکن اسے "مجبوری" نہیں کہیں گے۔

اس باریک فرق کا حاصل بھی سمجھ لیجئے، آج جب کہ ہمارے گرد و پیش میں بے شمار مسلمان عورتیں "دایہ گیری" کا پیشہ کرنے والی موجود ہیں ہمارے لئے یہ بالکل جائز ہے کہ اپنے یہاں کا کوئی کیس ان ہسپتالوں میں لے جائیں جہاں ماہر فن غیر

"مسلم دائیاں" موجود ہوں، یہ جواز ضرورت کے تحت آتا ہے مجبوری کے تحت نہیں، مجبوری کہاں پائی جا رہی ہے جبکہ مسلم دائیاں موجود ہیں، علاوہ ازیں ہمارے کتنے ہی گھرانوں میں میلا کمانے یا جھاڑو لگانے غیر مسلم مہترانیاں آتی ہیں، ہماری بہو بیٹیوں کا ان سے زینت چھپانا اک ضرورت یقیناً ہے مگر مجبوری نہیں، اسی طرح ہمارا اگر کسی ہندو پڑوسی سے میل جول ہے اور اس گھر کی ہندو خواتین شریف ہیں اور ہمارے گھر آتی جاتی ہیں تو ان سے زینت چھپانا بھی ضرورت ہی ہے مجبوری نہیں، پھر کیا سید صاحب یہ رائے رکھتے ہیں کہ جس وقت غیر مسلم مہترانی گھر میں آئے ہماری بہو بیٹیاں اپنے بالوں کے کلپ، اور کانوں کے بندے، اور گلے کے ہار، اتار کے رکھ دیا کریں، اگر رکھتے ہیں تو اسے حماقت ہی کہیں گے تفقہ نہیں کہیں گے، اور اگر نہیں رکھتے تو لفظ مجبوری القط ہو گیا کیونکہ بہر حال مجبوری تو یہاں کچھ ہے نہیں۔

مزید قابل غور بات یہ ہے کہ کیا عورت کے پاس اس حصۂ جسم سے بڑھ کر بھی چھپانے کی کوئی چیز موجود ہے جو حالت ولادت "دایہ" کے سامنے کھلتا ہے؟ اگر نہیں اور ظاہر ہے کہ نہیں تو پھر جب صحابہؓ نے اپنی بہو بیٹیوں کا یہی حصہ غیر مسلم دائیوں کے آگے کھل جانے دیا تو دوسری مسلم عورتوں کے لئے اس پابندی کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ وہ ستر نہیں بلکہ زینت بھی نیک نہاد غیر مسلم عورتوں کے آگے ظاہر نہ ہونے دیں یہ پابندی من گھڑت ہو سکتی ہے قرآن کی عائد کردہ نہیں ہو سکتی۔

محترم سید صاحب مزید رقمطراز ہیں:

"علامہ محدث پانی پتیؒ نے لکھا کہ اونسائھن میں ایک قول عام ہے دوسرا یہ کہ صرف مومن عورتیں مراد ہیں۔"

لیجئے خود سید صاحب کی اس نقل کے مطابق محدث پانی پتیؒ بھی دو قول تسلیم کر رہے ہیں یعنی مفسرین سلف کسی ایک قول پر جمع نہیں، اس کے باوجود سید صاحب کا مودودی پر "تفرد" کا الزام عائد کرنا حیرت ناک سے بھی کچھ زیادہ ہی ہے، شاید اسی

طرح کے تعجب انگیز مواقع کے لئے اللہ نے فرمایا ہے ولھم اعین لا یبصرون بھا،
(اور ان کے آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں)

محدث پانی پتیؒ نے دوسرے قول کے لئے دو دلیلیں دیں، وہ کہتے ہیں:

"لہذا غیر مسلم عورتوں کے سامنے مسلمان عورتوں کی طرح کھل کر آنا جائز نہیں، کیونکہ وہ ہماری عورتوں میں سے نہیں ہیں کہ وہ دین کے لحاظ سے اجنبی ہیں۔"

یہ دلیل اول ہے مگر ہم کہتے ہیں یہ دلیل فی الحقیقت دلیل ہے ہی نہیں، اجنبیت دو طرح کی ہو سکتی ہے ظاہری اور معنوی' جیسے نجاست دو طرح کی ہوتی ہے ظاہری اور معنوی، آیت کا تعلق جسمانی معاملات سے ہے، عصمت کا رہنا یا جانا کھلی بات ہے کہ ایک جسمانی اور ظاہری عمل ہی سے تعلق رکھتا ہے اور زینت کو ظاہر کرنا اور چھپانا بھی فعل و عمل ہی کے قبیل سے ہے، لہذا اس کے سلسلے میں اجنبیت اور شناسائی بھی وہی معتبر ہوگی جو ظاہری ہے نہ کہ معنوی، اس کی مثال ایسی ہی سمجھئے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، انما المشرکون نجس (مشرکین ناپاک ہیں) اس سے مراد نجاست معنوی ہے نہ کہ ظاہری چنانچہ مشرک کے داخلے سے ہماری مسجدیں ناپاک نہیں ہوتیں اور مشرک دھلے ہوئے ہاتھوں سے جس کپڑے یا برتن کو ہاتھ لگادے وہ بھی ناپاک نہیں ہوتا۔

اب اجنبیت کے معاملے کو لیجئے، معناً تو بے شک غیر مسلم ہم مسلمانوں کے لئے اجنبی کہے جاسکتے ہیں ظاہراً اجنبیت اور شناسائی کا مدار تعلقات ہونے نہ ہونے پر ہے، کروڑوں مسلمان ہمارے لئے اجنبی ہیں کیونکہ ان سے ہماری ملاقات اور میل جول نہیں اور کتنے ہی غیر مسلم ہمارے شناسا ہیں کیونکہ ان سے ہمارا ملنا جلنا ہے، لہذا ایک ایسے حکم کے سلسلہ میں جو ظاہر سے تعلق رکھتا ہو اجنبیت ظاہری کے بجائے اجنبیت معنوی کو معیار بنانا ایسا ہی غلط ہے جیسے مشرکوں کے چھودینے سے اشیاء پر نجس ہوجانے کا حکم لگانا، صحیح بات یہ ہے کہ اجنبیت ظاہری کو معیار بنایا جائے جیسا کہ مولانا

مودودی اور علامہ عثمانیؒ وغیرہ نے بنایا ہے۔

دوسری دلیل محدث پانی پتیؒ نے یہ دی کہ :

"دوسرے اس لئے کہ ان پر مذہبی پابندی اس امر کی نہیں کہ وہ ان مسلمان عورتوں کا حال اپنے مردوں سے جاکر نہ کہیں گی اور ہمارے مذہب میں چونکہ اس امر کی سخت ممانعت ہے اسلئے مسلمان عورتیں ایسا نہ کریں گی۔"

اس استدلال میں دو واضح خامیاں ہیں، ایک یہ کہ تمام غیر مسلموں کے بارے میں یہ فرض کرلیا گیا کہ عفت و عصمت کے متعلق ان کے یہاں سرے سے کوئی اخلاقی معیار ہے ہی نہیں، حالانکہ یہ مفروضہ ناواقفیت پر مبنی ہے، نصرانیوں، یہودیوں اور ہندوؤں سب کے یہاں عقائد و نظریات کی سطح پر ایسے معیار موجود ہیں اور اکثریت غیر مسلموں میں ایسی ہی ہے جو "زنا" اور "فحاشی" کو برا ہی سمجھتی ہے، اور یہ سمجھنا ان کی بعض مذہبی تعلیمات ہی کا ثمرہ ہے لہذا یہ تصور کرلینا کہ وہ سب مسلم عورتوں کے حسن و جمال کا ذکر تحریص آمیز انداز میں اپنے مردوں سے لازماً کریں گی سوائے ہوائی مفروضے کے کچھ نہیں۔

دوسرے یہ کہ کسی فعل کا مذہباً حرام ہونا یہ معنی ہرگز نہیں رکھتا کہ اس مذہب کے ماننے والے اس فعل کا ارتکاب نہیں کریں گے، کیا ترک نماز یا نشہ بازی یا گالی گلوچ یا زنا حرام نہیں ہیں؟ پھر کیا مسلمان ان عیوب سے پاک ہیں؟ اندھا بھی دیکھ سکتا ہے کہ مسلمان عورتیں اور مرد دن دہاڑے بے شمار ان افعال کے مرتکب اور ان راستوں پر گامزن ہیں جن کی اسلام میں ممانعت کی گئی ہے، لہذا یہ تصور کرلینا سادہ لوحی کی انتہا کہلائیگا کہ کوئی بھی مسلمان عورت وہ حرکت نہیں کرے گی جو مذہباً ممنوع ہے۔

ابن کثیرؒ ہوں، ابن جریحؒ ہوں، محدث پانی پتیؒ ہوں، علامہ فلاں اور مفسر فلاں ہوں، ان میں سے کوئی صاحب وحی نہیں ہے اور سید صاحب محترم بھی "انوار الباری" میں جگہ جگہ بڑے بڑے اساتذہ اور ائمہ سلف پر نقد و تعریض کر ہی

رہے ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ مولانا مودودی سے اختلاف کرتے ہوئے وہ بعض علمائے سلف کا نام اس انداز میں پیش کرتے ہیں جیسے یہ علماء پیغمبر رہے ہوں کہ ان کا کوئی رائے قائم کر لینا دوسری ہر رائے کا راستہ بند کر دے۔

بہر حال ہماری تصریحات کی روشنی میں ہر ہوشمند زیر بحث مسئلہ میں یقیناً اسی رائے کو معقول ترین قرار دے گا جو مولانا مودودی اور علامہ عثمانیؒ نے قائم کی، یعنی جانی پہچانی خوش کردار عورتوں سے بے تکلفی اور ان کے آگے اظہار زینت جائز ہے خواہ وہ غیر مسلمہ ہی کیوں نہ ہوں اور بد کردار یا اجنبی عورتوں سے تکلف اور پردہ داری ہی واجب ہے خواہ وہ مومنہ ہی کیوں نہ ہوں۔

ہمارا ایک اور استدلال : چلئے ہم کچھ دیر کو مانے ہی لیتے ہیں کہ اکثر علمائے سلف کی رائے کے مطابق نسائھن کا مطلب "مسلمان عورتیں" ہے، مگر کیا اس کی مثالیں موجود نہیں کہ قرآن صریحاً ایک قاعدہ بیان کرتا ہو اور بعض اہل علم اس سے فقط استحباب مراد لیتے ہوں وجوب و لزوم نہیں، ہم یہاں صرف ایک مثال کا ذکر کریں گے۔

اللہ تعالیٰ سورۂ نساء میں ارشاد فرماتا ہے :۔

ومن لم یستطع منکم طولا ان تنکح المحصنت المومنات فمن ما ملکت ایمانکم من فتیتکم المومنت ٥

اور جو کوئی تم میں سے یہ مقدور نہ رکھے کہ نکاح میں لائے آزاد مسلمان عورتوں کو تو وہ تمہاری ان مومن باندیوں میں کسی سے نکاح کر لے جو تم مسلمانوں کے قبضے میں ہوں۔
(آیت ۲۵)

دیکھ لیجئے یہاں ایک قاعدہ تو یہ بیان ہوا کہ "لونڈی" سے نکاح اس وقت کیا جائے جب آزاد عورت سے نکاح کی مقدرت نہ ہو، دوسرا یہ بیان ہوا کہ لونڈی مومنہ ہونی چاہیئے، چنانچہ اکثر سلف کی یہی رائے ہے کہ لونڈی سے نکاح حرام ہے اگر آزاد

عورت سے نکاح کی قدرت موجود ہو اور لونڈی لازماً مومنہ ہی ہونی چاہیئے غیر مومنہ سے نکاح جائز نہیں۔

۵) مگر سید صاحب کو یقیناً علم ہوگا کہ ہمارے امام ابو حنیفہؒ ان دونوں قاعدوں کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں، ان کی رائے ہے کہ آزاد عورت سے نکاح کی مقدرت ہونے کے باوجود باندی سے نکاح کیا تو نکاح میں کوئی حرمت نہیں، صرف بہت معمولی سی کراہت ہے جو نکاح کی صحت پر اثرانداز نہیں ہوتی، علاوہ اس کے وہ کہتے ہیں کہ یہودیہ اور نصرانیہ باندی سے بھی نکاح جائز ہے، "مومنہ" کی شرط محض استحباب اور افضلیت کے لئے ہے۔ لازم وضروری نہیں۔

کیا انصاف کا صریح تقاضا نہیں کہ سید صاحب امام ابو حنیفہؒ پر بھی "تفرد" کا الزام لگائیں اور یاللاسف! کا نعرہ ماریں، دیکھ لیجئے نسائھن والی آیت میں تو لفظاً بہر حال مسلمان ہونے کی شرط مذکور نہیں ہے، لہذا کوئی شخص اگر اس شرط کو ضروری نہ سمجھے تو اس پر مخالفت قرآن کا الزام نہیں لگایا جاسکتا، زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ اس نے بعض ایسے لوگوں کی رائے قبول نہیں کی جو اسی کی طرح غیر معصوم تھے لیکن یہاں تو لفظاً مومنات کی قید موجود ہے اور لفظاً ہی یہ قاعدہ بھی مذکور ہے کہ باندی سے نکاح اس وقت کرو جب آزاد سے نکاح قدرت میں نہ ہو، پھر بھی اگر امام ابو حنیفہؒ ان دونوں قاعدوں کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک ان کا غیر ضروری ہونا ہی معقول ہوگا، کوئی بھی امام دو مختلف رایوں میں سے وہی رائے قبول کرتا ہے جو اس کے خیال میں بہتر اور معقول ہو، اب اگر سید صاحب مفہوم مخالف نکال کر طعنہ زنی کی وہی روش اختیار کریں جو مولانا مودودی کے سلسلے میں کی ہے تو نعوذباللہ انھیں کہنا پڑے گا کہ امام ابو حنیفہؒ نے اکثر سلف ہی کی نہیں خود اللہ کی "رائے" کو غیر بہتر اور نامعقول یا کم معقول قرار دیدیا۔ ونعوذباللہ من ذالک۔

کیا وہ ایسا کہہ سکیں گے؟

خدا سے ڈرنا چاہیئے، مسئولیت میں خدا کے یہاں ابو حنیفہؒ اور مودودی اور ہم

اور آپ سب برابر ہیں انصاف کا جو پیمانہ مودودی کے لئے استعمال کیا جارہا ہے وہی ابو حنیفہؒ کے لئے بھی استعمال ہونا چاہئیے، یہ کیسا انصاف ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کتنے ہی مسائل میں ایسی رائے رکھیں جو بے شمار سلف اور ظاہر آیات کے خلاف ہو تو انکی تصویب و حمایت میں دلائل ڈھونڈے جائیں اور مولانا مودودی اگر اکثر مفسرین کی ایسی رائے سے اختلاف کریں جو محض ایک رائے ہو تو چیخ پڑا جائے کہ یہ تو قیامت ڈھادی، یہ تو "تفرد" اختیار کرلیا۔

یہ سب ہم سید صاحب کی روش کی مناسبت سے کہہ رہے ہیں ورنہ ہم اپنی جگہ بالکل مطمئن ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے کبھی قرآن و حدیث کے خلاف رائے قائم نہیں کی اور اگر کسی جگہ ان کی رائے بظاہر خلاف معلوم ہوتی ہے تو فکر و تحقیق کے بعد یہ خلاف بالکل دور ہو جاتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ اللہ اور رسولؐ کے حکم سے زیادہ قریب وہی رائے ہے جو ابو حنیفہؒ نے تفقہ کے بعد اختیار کی ہے۔

ہمارے نزدیک رازیؒ کی صحیح رائے :

مولانا مودودی نے امام رازیؒ کی رائے کو یہ کہہ کر رد کیا ہے کہ اگر مراد تمام عورتیں ہوتیں تو خالی لفظ "نساء" کا ذکر ہوتا "ھن" کی کیا ضرورت تھی۔

بات منطقی اور نحوی اعتبار سے بالکل معقول ہے لیکن ہمارا خیال ہے کہ مولانا مودودی سے بھی اور بعض اور لوگوں سے بھی امام رازیؒ کا مطلب سمجھنے میں چوک ہوئی ہے، آخر کیا ہماری روزمرہ کی گفتگو میں ایسے بے شمار فقرے نہیں بولے جاتے جن میں الفاظ تو عام اور ہمہ گیر ہوتے ہیں مگر مراد اتنی عام اور ہمہ گیر نہیں ہوتی۔

مثلاً ایک مریض ڈاکٹر سے پوچھتا ہے کیا میں گیہوں کی روٹی اور گوشت کھا سکتا ہوں؟ کیا میں دودھ پی سکتا ہوں؟ ڈاکٹر جواب دیتا ہے۔ ہاں بھئی سب کچھ کھاپی سکتے ہو کوئی مضائقہ نہیں، اب دیکھ لیجئے ڈاکٹر نے "سب کچھ" کی اجازت دی اور

"سب کچھ" منطقی اور نحوی اعتبار سے ایک ایسا لفظ ہے جس کے مصداق سے کوئی شے خارج نہیں، مگر کیا واقعی اس کا مطلب یہ لیا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر نے کتے کا گوشت کھانے اور مٹی کا تیل پینے کی اجازت بھی دیدی ہے ؟

کہا جاتا ہے کہ پولیس نے شہر کا چپہ چپہ چھان مارا مگر مجرم کا پتا نہیں چلا، کیا کوئی بھی آدمی اس کا یہ مطلب لیتا ہے کہ پولیس نے شہر کے ایک ایک گھر کی تلاشی لی اور بستی کی کوئی گز بھر زمین بھی ایسی نہیں بچی جس پر پولیس کے پیر نہ پڑے ہوں۔

کہا جاتا ہے کہ یورپ کے لوگ بے حیا ہیں۔ کیا اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یورپ میں کوئی ایک فرد بھی ایسا نہیں پایا جاتا جس میں حیا باقی رہ گئی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یاایها الانسان ماغرك بربك الكريم (اے انسان! تجھے آخر کس چیز نے اپنے رب کے معاملہ میں دھوکے میں ڈالا ؟ انسان کا لفظ منطقی اعتبار سے ہر ہر انسان پر صادق آتا ہے، لیکن معلوم ہے کہ یہاں خطاب صرف ان لوگوں سے ہے جو خدا کو بھول کر دنیا کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں، ان لوگوں سے نہیں جو نیکی اور تقویٰ اور خدا پرستی کی راہ چل رہے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ سے کہتے ہیں کہ مجھے دکھایئے آپ مُردوں کو کیسے زندہ کریں گے، اللہ کہتا ہے اچھا یوں کرو کہ چار پرندے لے کر انھیں سدھالو، پھر ان کے ٹکڑے ٹکڑے مختلف پہاڑوں پر رکھدو، یہاں قرآن میں فقرہ استعمال ہوا ثم اجعل علی کل جبل منهن جزءً ا منطقی اعتبار سے لفظ کل دنیا کے تمام پہاڑوں کو شامل ہے لیکن ظاہر ہے کہ اللہ کی مراد یہ نہیں تھی بلکہ صرف وہ چند پہاڑ تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ارد گرد واقع تھے۔

"سورۂ زمر میں فرمایا گیا۔ ان الله يغفر الذنوب جميعا۔ (اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف کرتا ہے) آس پاس کہیں کوئی استثناء نہیں لیکن معلوم ہے کہ شرک کفر الحاد زندقہ اس سے خارج ہیں، ان کی ہرگز معافی نہیں۔

حضورؐ نے ایک بار کفار قریش کو بد دعا دی، بخاری میں آیا ہے کہ فاخذتهم سنة حصت کل شیئ (پھر انھیں قحط نے دبوچ لیا ایسا قحط جس نے ہر شے کو تباہ کر کے رکھدیا، لفظ کل استعمال ہوا جو زمین و آسمان، انسان، حیوان، نباتات، جمادات سب کو شامل ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں تو قحط میں تباہ نہ ہوئی تھیں بلکہ مراد بس اتنی ہے کہ زمینیں سوکھ گئیں، کھیتیاں برباد ہو گئیں۔

غرض ایسی بے شمار مثالیں قرآن میں، حدیث میں اور ہماری روزمرہ کی بول چال میں عام ہیں جن میں الفاظ تو عام اور مطلق اور کلی بولے جاتے ہیں، لفظاً کوئی استثناء نہیں کیا جاتا لیکن بے شمار چیزیں اور افراد اس سے عقلاً یا محاورۃً یا عادۃً یا قرینۃً مستثناء ہو جاتے ہیں۔

اب امام رازیؒ کی تفسیر کبیر کھول کر دیکھیے، امام رازیؒ یہاں تو اسی رائے کا ذکر کرتے ہیں جو اکثر سلف کی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نسائهن کہہ کر صرف مسلمان عورتوں کے آگے اظہار زینت کی اجازت دے رہا ہے مگر فرماتے ہیں :

المراد بنسائهن جميع النساء وهذا هوالمذهب وقول السلف محمول على الاستحباب والاولى

نسائهن سے مراد تمام عورتیں ہیں اور یہی صحیح مذہب ہے، سلف کا قول (کہ مراد صرف مسلمان عورتیں ہیں) استحباب اور اولیت پر محمول ہے۔

بس اتنا لکھ کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔

تو بے شک انھوں نے "تمام عورتوں" کا لفظ بولا اور کسی قسم کا استثناء ذکر نہیں کیا لیکن قرائن صاف بتا رہے ہیں کہ استثناء ہے اور ضرور ہے۔ پہلا قرینہ یہ ہے کہ اپنی رائے انھوں نے دوسری رائے کے مقابلے میں ظاہر کی، دوسری رائے میں عورتوں کے مسلمان ہونے کی تخصیص تھی لہذا مقابلہ میں ظاہر کی ہوئی رائے سے اس تخصیص ہی کی نفی ہوتی ہے نہ یہ کہ دنیا کی ہر ہر عورت مراد ہو، آپ نے مثالوں میں دیکھا کہ ایسی تمام چیز آپ سے آپ خارج ہو گئیں جنھیں مستثناء کرنا غیر ضروری سمجھا

گیا۔ یہاں بھی یہی معاملہ ہے آوارہ، بد چلن، خطرناک یا مجہول الحال عورتوں سے مومنہ عورتوں کا بے تکلف ہونا صریحاً اتنا نامعقول ہے کہ وہ محتاج بیان ہی نہیں۔ اس کا استثناء تو خود بخود ہو جائے گا۔

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ لفظ ھن آنکھوں کے سامنے ہے امام رازیؒ جیسا علامہ تو کیا ایک معمولی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ اگر منطقی مفہوم میں جملہ عورتیں مراد ہوتیں تو یہ لفظ اللہ ہرگز استعمال ہی نہ فرماتا، جب استعمال فرمایا تو ظاہر وباہر بات ہے کہ کسی نہ کسی قسم کی تخصیص ضرور ہے جو چیز ظاہر وباہر ہے اس کا ذکر ہی کیا، امام رازیؒ نے اسی بناء پر جمیع النساء کا لفظ بولدیا اور استثناء کا ذکر نہیں کیا۔

تیسرا قرینہ یہ ہے کہ محاوراتی استعمالات خود ایک متعین مفہوم رکھتے ہیں ان کی تشریح ضروری نہیں ہوا کرتی، مثلاً آپ نے زید سے کہا کہ کہیں ایسا نہ ہو فلاں معاملے میں انسپکٹر رام لال ہماری کاٹ کریں زید بولا نہیں بھائی ایسا کیسے ہو سکتا ہے وہ تو اپنے ہی آدمی ہیں، اب دیکھ لیجئے "اپنے ہی آدمی" سے مراد یہاں یہ تو نہیں لی جا سکتی کہ وہ مسلمان بھی ہیں۔ مراد بالکل معلوم و متعین ہے کہ وہ ہمارے خیر خواہ ہیں، دوست ہیں، ہمارے ان سے گہرے مراسم ہیں، حالانکہ زید نے اسلام و کفر کا کوئی ذکر نہیں کیا لیکن محاورہ نے خود بخود اس بحث کو خارج کر دیا۔ اسی طرح قرآن جب "اپنی عورتیں،، بول رہا ہے تو اس کے یہ معنی کیسے لئے جا سکتے ہیں کہ مسلمان عورتیں۔ محاورے نے تو خود بتا دیا کہ کفر و اسلام کا کوئی سوال یہاں نہیں، تمام وہ عورتیں جو اپنے کردار اور اخلاق اور حالات کے اعتبار سے اس کی اہل ہوں کہ مومنہ عورت انھیں "اپنا" کہہ سکیں وہی مراد ہیں خواہ وہ مسلم ہوں یا کافر۔

غور کرنے پر یہی ثابت ہوتا ہے کہ امام رازیؒ کی رائے ٹھیک وہی تھی جو مولانا مودودی اور علامہ عثمانیؒ کی رائے ہے اور جسے علامہ آلوسی نے ارفق مانا ہے۔ اس رائے کو انھوں نے "جمیع النساء" کہہ کر ظاہر کیا اور نیک چلنی وغیرہ کی شرط اس لئے ظاہر کی کہ یہ تو خود ظاہر وباہر ہے۔ عیاں را چہ بیاں۔

حاصل کلام : بحث اگرچہ طویل ہوگئی لیکن ہمارا مقصود ہمیشہ یہ رہا ہے کہ عام سے عام آدمی بھی اچھی طرح سمجھ جائے اور "تفہیم القرآن" توچونکہ عام لوگ بہت پڑھ رہے ہیں اس لئے اور بھی ضروری تھا کہ غلط قسم کے اعتراضات کو شرح وبسط سے رد کر دیا جائے، اب خلاصہ بھی دیکھ لیجئے کہ ہمارے جائزے کا کیا نکلا۔

(۱) سید صاحب کا اعتراض سراسر دھاندلی پر مبنی ہے۔

(۲) انھوں نے علمی خیانت کا بھی ارتکاب کیا ہے۔

(۳) نقل اور عقل دونوں اعتبار سے ان کا اعتراض اتنا بچکانا اور غیر ہوشمندانہ ہے کہ کسی صاحب علم و فہم سے اس کا صدور حیرت ناک ہے۔

اب ان شاء اللہ اگلی صحبت میں ان کے دیگر فرمودات کا جائزہ لیا جائے گا، واقعہ یہ ہے کہ ہم پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں، ہمیں انوار الباری کے جزئی مطالعہ کے نتیجے میں سید صاحب کے علم وفہم سے بڑا حسن ظن پیدا ہوا تھا لیکن یہ قسط پڑھ کر سشدر رہ گئے ہیں کہ کس طرح اس حسن ظن کی متزلزل عمارت کو سنبھالیں، کاش سید صاحب اس چکر میں نہ پڑے ہوتے کہ شبلیؒ اور ابو الکلامؒ اور مودودی سبھی کو ملزموں کے کٹہرے میں کھڑا کر کے خود جج بن جائیں، اس منصب بلند کے لئے صرف بہت سی کتابوں کا ڈھیر لگا لینا کافی نہیں بلکہ بے حد جاگتا ہوا ذہن، بہت چوکنی قوت تمیزی، بڑی ژرف نگاہی، بڑا توازن اور غیر معمولی حفظ واتقان کی خداداد صلاحیتیں درکار ہیں، اس کے علاوہ وہ تقویٰ اور جذبۂ عدل درکار ہے جو علمی و نظری مسائل میں اپنے بدترین دشمن اور عزیز ترین دوست کو ایک ہی سطح پر رکھ کر محاسبہ کرے اور شخصیات کی رعایت یا تعصب سے اس کا ذہن پاک ہو۔

غلطیاں شبلیؒ اور ابو الکلامؒ اور مودودی اور غزالیؒ اور ابو حنیفہؒ سب سے ہو سکتی ہیں مگر ان کی نشاندہی اور اثبات کے لئے تقویٰ اور تبحر اور بیدار مغزی چاہئے اور

تجِ طنز و تحقیر سے پرہیز ضروری ہے، افسوس جتنا پوچ یہ اعتراض ثابت ہوا یہی حال علیٰ فرق مراتب دوسرے اعتراضات کا بھی ہے جیسا کہ ان شاء اللہ ہم منقح کریں گے۔ واللہ المستعان۔ (تجلی دیوبند مئی ۷۳ء)

تفہیم القرآن پر چند اعتراضات

(۲)

سید صاحب حجاب وغیرہ کی بحث کے ذیل میں دفعۃً علامہ شبلی کی ''الفاروق'' سے ایک عبارت اٹھا کر اس پر معترض ہوتے ہیں، یہ عبارت حضرت عمر فاروقؓ کی اس افتادِ طبع اور مزاج کے بارے میں ہے جو انکا اپنی اولاد و ازواج کے معاملہ میں تھا، سید صاحب کا خیال ہے کہ :

''شبلی خلاف تحقیق یہاں بڑے غیر ذمہ دارانہ جملے لکھ گئے۔''

(انوار الباری صفحہ ۱۲۲)

پھر دور تک انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت عمرؓ کا مزاج وہ نہیں تھا جو شبلی نے سمجھا، ہمیں یہاں شبلی کا دفاع نہیں کرنا اس لئے تفصیل میں نہیں جاتے مگر اتنا ضرور کہیں گے کہ شبلی کے الفاظ نہ خلاف تحقیق ہیں نہ غیر ذمہ دارانہ، ہاں بزرگوں کی جو افسانوی نوع کی تصویریں ہم لوگ اپنے ذہنی فریم میں فٹ کرنے کے عادی ہوگئے ہیں اس کے اعتبار سے بے شک شبلی کے الفاظ قدرے سخت ہیں، حضرت عمرؓ کتنے ہی عظیم القدر ہوں مگر کیا اس حقیقت سے بھی انکار ممکن ہے کہ ان کے مزاج میں وہ نرمی اور شگفتگی اور رافت اور گداز کی کیفیت نہیں تھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں تھی، حضرت ابوبکرؓ میں تھی، حضرت عثمانؓ میں تھی، یہ اللہ کی خلقت ہے، کسی بھی صحابی یا نبی کے مزاج و سیرت کے کسی خاص پہلو کا صحت کے ساتھ بیان کر دینا توہین و تحقیر ہرگز نہیں ہے، نہ شبلی نے حضرت عمرؓ کی کیفیت مزاج بیان کر کے ان کی اہانت کا ارادہ کیا ہے۔

آگے سید صاحب شبلی کے ایک ترجمے کی بھی غلطی نکالتے ہیں، حدیث میں حضرت عمرؓ کا یہ قول وارد ہوا ہے، كنا في الجاهلية لانعد النساء شيئا فلما جاء الاسلام و ذكر هن الله رأينالهن بذالك علينا حقا، اس کا ترجمہ شبلی

نے یہ کیا:

"ہم لوگ زمانِ جاہلیت میں عورتوں کو بالکل ہیچ سمجھتے تھے، جب قرآن نازل ہوا اور اس میں عورتوں کا ذکر آیا تو ہم سمجھے کہ وہ بھی کوئی چیز ہیں۔"

سید صاحب فرماتے ہیں کہ:

"وہ بھی کوئی چیز ہیں کسی موجود لفظ کا ترجمہ نہیں ہے اور اس کو علامہ نے اپنی طرف سے لکھدیا۔"

اور سید صاحب کے نزدیک صحیح ترجمہ ہے:

"اور اللہ نے ان کا ذکر کیا تو ہم نے اس کے ذریعے ان کے حق کو سمجھا وجوان کا ہم پر ہے۔"

اور اس ترجمے میں وہ بطور توضیح یہ اضافہ فرماتے ہیں کہ:

"یعنی اسلامی ہدایات کی روشنی میں ہم نے ان کے حق و مرتبے کو پہچان لیا۔"

یہ تفصیل ہم نے اہلِ علم کی دلچسپی کے لئے پیش کردی تاکہ وہ لطف لے سکیں، ہم نے جتنی عربی پڑھی ہے اس کی رو سے تو مولانا شبلیؒ کا ترجمہ غلط نہیں ہے بلکہ "کوئی چیز" کا محاورہ بول کر انہوں نے ترجمے کا حق ادا کردیا، جو اعتراض اس پر سید صاحب نے کیا وہ کسی ایسے شخص کی زبان سے زیب دیتا تھا جس کی مادری زبان اردو نہ ہوتی، اردو محاورات کے جاننے والے تو شاید ہرگز نہ کہیں کہ شبلی کا ترجمہ غلط ہے، ہاں سید صاحب نے جو ترجمہ اور پھر اس کی تشریح پیش کی وہ یقیناً تکلف پر مشتمل ہے، اگر الفاظ ہی کی پیروی کی جائے تو ترجمہ یہ بنتا ہے:

"تب ہم نے سمجھا کہ عورتوں کا بھی ہم پر کچھ حق ہے۔"

اس میں اور سید صاحب کے ترجمے میں اگرچہ لفظاً کوئی خاص فرق نہیں مگر تیور اور بین السطور میں خاصا فرق ہے، تاہم اس موضوع پر تفصیلی بحث ہم مولانا شبلیؒ کے وکلاء پر چھوڑتے ہیں۔

مزے دار بات یہ ہے کہ مولانا شبلیؒ پر اعتراض کرتے کرتے دفعتاً سید

صاحب نے یہ عنوان قائم فرمایا:

"صحابہ کرامؓ معیار حق ہیں یا نہیں؟"

معلوم ہے کہ یہ بے چارہ "معیار حق" کا لفظ جماعت اسلامی والوں کی کھال کھینچنے کے سلسلے میں زیر بحث آتا ہے مگر یہاں سید صاحب نے علامہ شبلیؒ کی طرف رخ کر کے اس ہوائی بندوق کو داغا ہے، ان کا خیال ہے کہ شبلیؒ اکابر صحابہ پر تنقید کے مرتکب ہیں، اور انہوں نے حدیثوں کا غلط سلط ترجمہ کر کے امیر المومنین حضرت عمرؓ تک کو مجروح کر دیا ہے۔

یہ الزام کہاں تک درست ہے یہ تو مولانا شبلی کے وکلاء دیکھیں، ہم اس الزام کو سمجھنے سے بالکل قاصر رہے ہیں، اور اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ مذکورہ عنوان دے کر چند سطروں میں سید صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس کی حیثیت دل کے پھپولے پھوڑنے کی ہے، اس کا علمی معیار اتنا پست ہے کہ کسی اچھے طالب علم سے بھی اس کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ چہ جائیکہ استاد سے۔

ویسے سید صاحب کی آگاہی کے لئے عرض ہے کہ "الفاروق" انیسویں صدی عیسوی کی تصنیف ہے، اور "جماعت اسلامی" کا دستور بیسویں صدی عیسوی میں بنا ہے جس سے "معیار حق" کا لفظ اکھیڑ کر اچھے اچھے عالموں نے وہ ہاتھا پائی کی ہے کہ الاماں والحفیظ چلیے چلیے "جماعت اسلامی" کا دستور بنانے والے مولانا مودودی گمراہ ہی سہی لیکن علامہ شبلیؒ کی طرف جس گمراہی اور توہین صحابہ کو سید صاحب منسوب کر رہے ہیں اسے بھی "دستور جماعت" کے کھاتے میں درج کرنا تو کم و بیش ایسا ہی ہے جیسے بعض بریلوی فنکار فتویٰ دیا کرتے ہیں کہ جس نے دیوبندی کو مسلمان سمجھا وہ کافر ہوا، اور نہ صرف اس کی بیوی اس کے نکاح سے خارج ہو گئی بلکہ اسکے باپ کا بھی نکاح ٹوٹ گیا۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت سید صاحب کی طبیعت مولانا مودودی کی گوشمالی پر بے تحاشا مائل تھی، بے اختیار "معیار حق" کی گولی داغ دی اور بھول گئے کہ

سامنے تو شبلی ہے مودودی نہیں۔

شبلی کے تخطیے سے فارغ ہو کر سید صاحب مولانا ابوالکلام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ جس طرح مولانا شبلیؒ نے مساوات مرد و زن کا نظریہ اپنا کر غلط سلط باتیں کہیں اسی طرح مولانا آزاد بھی عورتوں کی طرفداری میں بے پر کی اڑانے سے باز نہ رہے، اپنی تفسیر "ترجمان القرآن" میں مولانا آزادؒ نے عورت کے حق میں جو کچھ کہا ہے اس کا ایک حصہ نقل کر کے سید صاحب کہتے ہیں "ایسے بے معنی لمبے لمبے دعووں سے آخر کیا فائدہ" (صفحہ ۱۲۸)

ہم سر دست مولانا آزادؒ کے بھی وکیل نہیں لہذا ردو قدح نہیں کریں گے مگر یہ بھی ناانصافی ہو گی اگر ہم اپنا یہ تاثر ظاہر نہ کریں کہ مولانا آزادؒ کے جن نوٹوں کو سید صاحب نے بے معنی اور باطل قرار دیا ہے وہ ہمارے نزدیک حقیقت بیانی اور ژرف نگاہی کا اعلیٰ نمونہ ہیں، اور سید صاحب نے یہ بالکل غلط سمجھ رکھا ہے کہ "سورۂ یوسف" عورتوں کے مکر و فن اور دجل و کید کا اثبات کرنے کو نازل ہوئی تھی۔ استغفر اللہ، قرآن کا اتنا غلط فہم حضرت انور شاہؒ کے تلمیذ ارجمند کے یہاں، **فیاللعجب۔**

حضرت یوسف علیہ السلام جس قدر حسین تھے اور جنس مخالف کے لئے جتنی زبردست کشش اللہ نے ان کے اندر رکھی تھی، اگر اس سے آدھی بھی حسین کوئی جوان عورت سڑک پر نظر آجائے تو پھر دیکھئے کتنے مردوں کی آنکھیں اور چہرے کیا کچھ بولیاں بولتے ہیں، سینوں میں کیا کچھ طوفان اٹھتا ہے پھر "زلیخا" (یا جو بھی اس کا نام رہا ہو) اگر یوسف علیہ السلام جیسے جوان رعنا کو دیکھ کر وارفتہ ہو جاتی ہے تو یہ ایسی کون سی عجوبہ اور غیر معمولی بات تھی کہ اس کی بنا پر جنس عورت ہی مردوں سے زیادہ ہوس کار اور ذلیل مان لی جائے۔

حق یہ ہے کہ "سورۂ یوسف" متعدد اہم تر اسباق پر مشتمل ہے جس میں ایک بڑا سبق خدا سے ڈرنے والوں کے کیریکٹر کی مضبوطی دکھلاتا ہے، ایک حسین ترین پیکر کو سامنے پا کر جنس مخالف کا کوئی فرد جذبات سے مغلوب ہو جائے یہ تو عامۃ الورود بات

ہے، مرد عورتوں سے کہیں زیادہ اس کمزوری کا شکار ہیں، خاص طور پر قابل ذکر اور نادر بات اگر کوئی ہے تو یہ ہے ایک معزز عورت خود اپنا جسم پیش کر رہی ہے اور نوجوان مرد کہہ رہا ہے کہ توبہ توبہ، میں ایسا گناہ کیسے کروں، پھر یہ مرد نہ صرف بھاگ پڑتا ہے بلکہ قید وبند کی تکلیفیں برداشت کرتا ہے مگر اس پر راضی نہیں ہوتا کہ زنا کرے، یہی وہ فولادی کیریکٹر اور اسوۂ حسنہ ہے جو اہل ایمان کی عبرت اور سبق آموزی کے لئے اللہ نے "سورۂ یوسف" میں ضمناً پیش کیا ہے، جو لوگ خواہ وہ سید صاحب ہوں یا مفسرین سلف میں سے بعض، یہ گمان کرتے ہیں کہ اس قصے سے عورتوں کی مکاری اور گراوٹ اور مرد کے مقابلے میں جنس اناث کی کمتری دکھلانا مقصود ہے وہ اپنی عقلوں پر ظلم کرتے ہیں، بھلا کونسی عجیب و غریب اور پراسرار اسکیم بنائی تھی زلیخا نے، محض ایک سیدھا سادھا سا قصہ، حضرت یوسفؑ وہیں رہتے تھے، ایک دن موقعہ پاکر زلیخا نے دروازہ بند کر دیا اور بولی آؤ جلدی سے۔۔۔(ھیت لك. قرآن) حضرت یوسفؑ لاحول پڑھتے بھاگے، اس نے جھپٹ کر پکڑنا چاہا، قمیص کا پچھلا دامن ہاتھ میں آگیا، یوسفؑ نے پروا نہیں کی بھاگے چلے گئے، پچھلا دامن پھٹ گیا، اتفاق سے زلیخا کے شوہر صاحب بھی دروازے ہی پر موجود تھے، اب زلیخا یہ نہ کہتی تو اور کیا کہتی کہ "یوسفؑ نے میری عزت لوٹنی چاہی تھی۔"

اس پوری کارروائی میں کون سی ایسی خاص مکاری یا چال بازی ہے جس کی بنا پر ساری صنفِ لطیف کو مطعون کیا جائے، یا کونسا نادر پن ہے؟ ہوس کی کہانیاں تو یوم اول سے چلی آرہی ہیں اور مردوں کی ہوسناکیاں، خدا کی پناہ، ان کی عیاریوں اور زبردستیوں اور شیطنتوں کا مقابلہ عورت بے چاری کیا کرے گی؟ ہاں! یہ واقعی نادر بات تھی کہ یوسفؑ بھاگ پڑے، کروڑوں میں ایک ہی آدھ مرد ایسا مل سکتا ہے جو ایسے موقعہ پر ازراہ تقویٰ بھاگ پڑے اس طرح یہ داستان دراصل عظمتِ یوسفی کا نقش جمیل و نادر ہے نہ کہ عورت ذات کی کسی غیر معمولی پستی کا نقش کثیف و عجیب۔

مولانا آزادؒ کے بعد "مولانا مودودی" کا عنوان آیا، اب لیجئے ہم بھی لیس

ہو گئے۔

فرمایا جاتا ہے :

"ہم اور آگے بڑھے تو دیکھا کہ مساواتِ مرد و زن کے اصول کو علامہ مودودی بھی اپنائے ہوئے ہیں وہ بھی نہیں چاہتے کہ عورتوں کی کسی سرشت یا عادت کو برا کہا جائے۔" (صفحہ ۱۳۰)

محترم سید صاحب اگر واقعی زمین ہی پر رہتے ہیں تو کس قدر حیرت ناک ہے، یہ بات کہ وہ "مساوات مرد و زن" کے معروف اصطلاحی مفہوم و مراد کو نہیں جانتے، حالانکہ کوئی بھی عاقل بالغ مشکل ہی سے ہوگا جو نہ جانتا ہو کہ یہ نعرہ صرف دو سادہ سے لفظوں کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک خاص ذہن اور طرز فکر اور تہذیب کا نمائندہ ہے، اور پھر یہ بھی غالباً ہر پڑھا لکھا جانتا ہے کہ مولانا شبلیؒ یا مولینا آزادؒ یا مولانا مودودی کوئی بھی اس ذہنیت کا حامی نہیں بلکہ مولانا مودودی کو تو اس ذہنیت کے صفِ اول کے دشمنوں میں شمار کیا جاتا ہے، ان کی شہرۂ آفاق کتاب "پردہ" ہمارے دعوے پر شاہد عدل ہے، اور "تفہیم القرآن" میں یا اور کسی تصنیف میں جہاں بھی انھیں موقع ملا ہے انھوں نے کھل کر ڈٹ کر شدومد کے ساتھ اس تہذیب و تمدن اور اس فکر و ذہن کے بخیے ادھیڑے ہیں جنکی ترجمانی "مرد و زن کی مساوات" کے نعرے سے ہوتی ہے۔

پھر بھی اگر سید صاحب مودودی کو اس "اصول" کے اپنانے والوں میں شمار کرتے ہیں تو یہ کم و بیش ایسا ہی ہے جیسے امام ابو حنیفہؒ یا ابن تیمیہؒ یا عبدالوہاب نجدیؒ کو قبر پرستوں میں شمار کر لیا جائے، یا جیسے کوئی یوں کہے کہ گاندھی جی تشدد کے اور ہٹلر صاحب عدم تشدد کے قائل تھے۔

مولانا مودودی کا قصور کیا ہے، یہ بھی سن لیجئے، وہ "تفہیم القرآن" جلد دوم صفحہ ۱۶ پر ایک نوٹ میں لکھتے ہیں :

"عام طور پر یہ جو مشہور ہو گیا ہے کہ شیطان نے پہلے حضرت "حوا" کو دام

فریب میں گرفتار کیا اور پھر انھیں حضرت آدم کو پھانسنے کے لئے آلۂ کار بنایا، قرآن اس کی تردید کرتا ہے، اس کا بیان یہ ہے کہ شیطان نے دونوں کو دھوکا دیا اور دونوں اس سے دھوکا کھا گئے، بظاہر یہ بہت چھوٹی سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن جن لوگوں کو معلوم ہے کہ حضرت "حوا" کے متعلق اس مشہور روایت نے دنیا میں عورت کے اخلاق' قانونی اور معاشرتی مرتبے کو گرانے میں کتنا زبردست حصہ لیا ہے وہی قرآن کے اس بیان کی حقیقی قدر و قیمت سمجھ سکتے ہیں۔"

یہ ہے وہ عبارت جسے سید صاحب نے نقل کر کے عجیب و غریب باتیں کہی ہیں، ان باتوں کو سمجھنے کے لئے اتنا سن لیجئے کہ "تورات" میں یہ روایت آئی ہے کہ شیطان نے "حوا" کو بہکایا اور "حوا" نے آدم کو، مولانا آزادؒ نے اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا:

"اسی بنا پر یہودیوں اور عیسائیوں میں یہ اعتقاد پیدا ہو گیا کہ عورت کی خلقت میں مرد سے زیادہ برائی اور نافرمانی ہے، اور وہی مرد کو سیدھے راستے سے بھٹکانے والی ہے، لیکن قرآن نے اس قصہ کی کہیں بھی تصدیق نہیں کی، بلکہ ہر جگہ اس معاملہ کو "آدم و حوا" دونوں کی طرف منسوب کیا۔"

ہمارے نزدیک مولانا آزادؒ نے صحیح ترین بات کہی ہے مگر سید صاحب ان سے خفا ہیں کہ لیجئے انھوں نے مرد عورت کو برابر کر دیا، پھر وہ تفہیم کی مذکورہ بالا عبارت نقل کر کے فرماتے ہیں:

"مولانا آزاد نے کچھ احتیاطی الفاظ استعمال کئے تھے کہ قرآن مجید نے اس قصے کی کہیں بھی تصدیق نہیں کی، لیکن علامہ مودودی نے آگے بڑھ کر یہ دعویٰ بھی کر دیا کہ قرآن مجید اس کی تردید کرتا ہے، اور دلیل تردید کی بھی وہی دی ہے جو عدم تصدیق کی ہے، دونوں کے طرز بیان کا معنوی فرق اہل علم سمجھ سکتے ہیں۔"

(انوار الباری جلد دہم، صفحہ ۱۳۰)

ہمیں اپنے اہل علم ہونے کا دعویٰ نہیں لہٰذا اہل علم ہی سے گذارش ہے کہ وہ

مولانا آزادؔ اور مولانا مودودی دونوں کی مذکورہ عبارتیں پڑھ کر منتج فرمائیں کہ کیا واقعی ان میں کوئی معنوی فرق اور تخالف ہے۔

- الف کہتا ہے زید نے صرف بکر کو مارا، جیم اس کی تصدیق نہیں کرتا، بلکہ کہتا ہے زید نے بکر اور طلحہ دونوں کو مارا، تو کیا یہی تصدیق نہ کرنا عین تردید نہیں ہوا؟

بائبل بیان کرتی ہے کہ شیطان نے پہلے سانپ کو بہکایا سانپ نے "حوا" کو اور "حوا" نے آدم کو، غالباً یہ عقیدہ تو سید صاحب بھی نہ رکھتے ہوں گے کہ موجودہ بائبل قرآن کی طرح حرفاً حرفاً منزل من اللہ ہے، اور اس میں کوئی غلط بات داخل نہیں کی گئی ہے، اب ذرا وہ قرآن پر تو نظر ڈالیں وہ کیا کہہ رہا ہے، ہمیں نہیں معلوم "احتیاط" کے معنی سید صاحب کی لغت میں کیا ہیں، کیا وہ احتیاط اسے کہتے ہیں کہ جو کچھ قرآن کہہ رہا ہے اسے پورا پورا بیان نہ کرو، صاف صاف نہ کہو، چبا چبا کے تفسیر کرو، یہ تو ایسا ہی ہوا جیسے بعض مخبوط الحواس کہتے ہیں کہ قرآن بلا سے حضور کو بشر کہتا رہے تم اپنی زبان سے مت کہو۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ "تردید" کی بات بے احتیاطی سے کوئی تعلق نہیں رکھتی بلکہ قرآن نے یقیناً اور قطعاً اسکی تردید کی ہے کہ شیطان نے پہلے "حوا" کو بہکایا ہو، اور حوا نے "آدم" کو۔

"آدم و حوا" کا یہ قصہ قرآن میں تین جگہ آیا ہے سب سے پہلے "سورۂ بقرہ" میں اللہ کہتا ہے:

"شیطان نے آدم و حوا دونوں کو بہکادیا (فازلهما الشیطن عنها۔ آیت۔۳۶)"

"سورہ اعراف میں فرماتا ہے:

"دونوں کے دلوں میں شیطان نے وسوسہ ڈالا۔

(فوسوس لهما الشیطن۔ آیت ۲۰)"

ہر سلیم العقل کے لئے یہی دونوں مقام یہ سمجھنے کیلئے کافی ہیں کہ وہ ساری

روایات غلط ہیں جن میں یہ آتا ہے کہ شیطان نے پہلے حوا کو دھوکے میں ڈالا اور حوا نے آدم کو۔

لیکن تیسرا مقام تو اس سے بھی زیادہ فیصلہ کن ہے، ''سورۂ طٰہٰ'' میں اللہ فرماتا ہے:

ولقد عهدنا علیٰ آدم من قبل فنسی

اور ہم نے تاکید کردی تھی آدم کو اس سے پہلے (کہ اس درخت سے نہ کھائے) پھر وہ بھول گیا۔

یہاں حوا کو اللہ نے نظر انداز ہی کردیا اور فراموشی کا ذمہ دار تنہا آدمؑ کو ٹھیرایا، مزید دیکھئے، فرمایا گیا:

فوسوس الیه الشیطن قال یا آدم هل ادلك علی شجرة الخلد و ملك لا یبلی

پس جی میں ڈالا آدم کے شیطان نے، کہا اے آدم! کیا میں تجھے ایسا درخت بتاؤں کہ اسے کھا کر ہمیشہ زندہ رہے، اور ایسی بادشاہی جو سدا بہار ہو۔ (آیت ۱۲۰)

کیا اس واضح ترین، بے ریب، قطعی کلام ربانی کے بعد بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن مشہور قصے کی تردید نہیں کررہا ہے، کیا مولانا مودودی پر بے احتیاطی کا الزام عائد کرنے والے سید صاحب غور فرمائیں گے کہ وہ کیا کہہ گئے ہیں۔

حق یہ ہے کہ شیطان کے بہکائے میں تو آئے ''آدم اور حوا'' دونوں، جیسا کہ دو مقام پر اللہ نے فرمایا لیکن یہ تیسرا مقام واضح کرتا ہے کہ شیطان کا اصل خطاب اور رخ اور روئے سخن آدم ہی کی طرف تھا، آنکھیں کھول کر پھر سے دیکھئے کہ اللہ کی تصریح کے مطابق شیطان ہی براہ راست آدم کو پٹی پڑھا رہا ہے، نہ کہ بے چاری حوا، حوا تو ضمناً دھوکا کھا گئیں آخر عورت تھیں، عقل و شعور آدمؑ کے مقابلہ میں کم تھا، جب آدم ہی فریب میں آگئے تو وہ کیوں نہ آتیں؟ لیکن آیت آپ کے سامنے ہے اصل فریب خوردہ اور اللہ کی تاکید کو بھول جانے والے حضرت آدمؑ تھے نہ کہ حوا۔

اسی لئے سورۂ بقرہ میں دیکھئے، ذکر آدم کی توبہ کا ہے حوا کی توبہ کا نہیں، اور سورۂ طہٰ میں دیکھئے فرمایا گیا ہے وعصی آدم ربه فغوی (اور آدم نے اپنے رب کی بات نہ مانی پس بے راہ ہو گیا۔ آیت ۱۲۱)

صاف ظاہر ہے کہ اگر واقعہ وہی ہوتا کہ شیطان نے حوا کو اور حوا نے آدم کو بہکایا تو حوا تو دوہری خطاکار ہوتیں فریب خوردگی کی بھی اور فریب دہی کی بھی، حضرت آدم کا جرم صرف فریب خوردگی ہوتا، پھر بھلا معافی مانگنے کی زیادہ ضرورت حوا کو ہوتی یا آدم کو، اور پھر بھلا اللہ یوں کیوں کہتا کہ آدم نے نافرمانی کی۔

سید صاحب کے دماغ پر کم سے کم اس وقت اسرائیلیات کا افسوں اس قدر طاری ہے کہ قرآن انھیں نظر نہیں آرہا ہے چنانچہ وہ مولانا آزادؒ پر طنز کرتے ہیں کہ ان لوگوں کا عجیب حال ہے جہاں ضرورت دیکھتے ہیں صرف قرآن کا حوالہ پیش کر دیتے ہیں احادیث یا آثار صحابہؓ و سلف کو نہیں دیکھتے حالانکہ مولانا آزادؒ تو اہل حدیث تھے پھر بھی۔۔۔۔(صفحہ ۲۸ ملخصاً)

ہم کہتے ہیں کہ اول تو مولانا آزادؒ اتنے کم فہم نہیں تھے کہ حدیث صحیح اور اسرائیلی روایات میں تمیز نہ کر سکتے ہوں، ان کے کسی ذاتی خیال سے اختلاف جائز لیکن ان کے علمی تبحر اور بالغ نظری سے انکار تو مسلمات کا انکار ہوگا، دوسرے یہ خبر کا معاملہ ہے انشا کا نہیں، احکام کے معاملے میں بے شک یہ ضروری ہے کہ قرآن کے ساتھ حدیث پر بھی نظر رکھی جائے، قرآن ایک حکم اجمالاً دیتا ہے حدیث اسکی تفصیل بتاتی ہے، قرآن ایک حکم مطلقاً دیتا ہے حدیث اس کی تحدید کرتی ہے، حدیث سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں حکم منسوخ ہو گیا یا باقی ہے وغیر ذلک، مگر کیا قرآن کی دی ہوئی کسی واضح خبر پر یقین کرنے کیلئے بھی حدیث کا دیکھنا ضروری ہے؟ کیا یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ ایک واقعہ بیان کرے اور ہم اسے اس وقت تک نہ مانیں جب تک حدیث نہ دیکھ لیں، اگر خدانخواستہ سید صاحب ایسا ہی سمجھتے ہیں تو انہیں اپنے ایمان کا جائزہ لینا چاہیئے۔

پھر عورتوں کو مرد کے مقابلے میں زیادہ مکار، کم رتبہ اور گھٹیا ثابت کرنے کے لئے سید صاحب نے جن روایات کا سہارا لیا ہے ان میں سے بعض بے اصل اور ناقابل اعتبار نہ بھی ہوں تب بھی ان کا مطلب وہ ہے ہی نہیں جو سید صاحب زبردستی نکال رہے ہیں، تعجب ہے کہ مولانا آزاد اور مولانا مودودی وغیرہ کی تنقیص و تخفیف کے جوش میں وہ علم و فہم کے تقاضوں سے بالکل ہی لاپرواہو گئے ہیں۔

"تفسیر ابن کثیر" ہمارے سامنے کھلی ہے، اور سید صاحب بھی اسے کھولے بیٹھے ہیں، حافظ ابن کثیر روایات کے معاملے میں اگرچہ امام بخاریؒ و امام مسلمؒ جیسے محتاط نہیں اور کمزور روایات سے بھی کہیں کہیں کام لے ہی جاتے ہیں لیکن اس مسئلے میں انھوں نے بھی "سورۂ بقرہ" کی تفسیر کرتے ہوئے کہہ ہی ڈالا کہ یہاں بہتیرے مفسرین نے جو بہت سے قصے بیان کئے ہیں وہ سب "اسرائیلیات" کے قبیل سے ہیں۔

اب آیئے ایک عبرت ناک نمونہ سید صاحب کے استدلال بالروایت اور حسنِ فہم کا تفصیلاً ملاحظہ فرمالیجئے، وہ "تفہیم" کی عبارت پر وہ ریمارک دینے کے بعد جسے ابھی آپ پڑھ چکے، یوں لکھتے ہیں :

"معلوم نہیں علامہ مودودی بدء الحیض والی اس حدیث کے لئے کیا توجیہ کریں گے، جسکو حافظ ابن حجر نے فتح الباری صفحہ ۲۷۵/۱ میں حضرت ابن مسعود و حضرت عائشہؓ سے بہ سند صحیح نقل کیا کہ بنی اسرائیل کی عورتیں بھی مردوں کے ساتھ مساجد میں نماز باجماعت کے لئے جایا کرتی تھیں، عورتوں نے یہ کیا کہ نماز کے وقت میں مردوں کی طرف تاک جھانک لگانی شروع کردی جس کی سزا میں ان پر اللہ تعالیٰ نے حیض کی عادت مسلط کردی، اور مساجد کی حاضری سے روک دیا گیا کیا اس حدیث صحیح سے بھی عورتوں کی اخلاقی گراوٹ ثابت نہیں ہوتی، اور کیا اس سے بھی انکار کیا جاسکتا ہے کہ بیشتر انبیاء علیھم السلام کو عورتوں کی طرف سے ابتلاء پیش آئے ہیں اور ان کے قصے قرآن مجید اور احادیث صحاح وسیر سے ثابت ہیں۔"۔۔۔ صفحہ ۱۳۰)۔

اس سے درج ذیل امور ظاہر ہوئے:

(۱) سید صاحب کے نزدیک حدیث صحیح سے یہ بات ثابت ہے کہ حیض کی عادت کوئی ایسی جبلت اور فطرت نہیں ہے جو شروع زمانے سے عورتوں میں موجود رہی ہو، بلکہ "بنی اسرائیل" کے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے بطور سزا اسے نافذ فرمایا۔

(۲) سید صاحب کی دانست میں حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک بھی یہی بات صحیح ہے اور اس کی صحت پر ابن حجر نے بقول سید صاحب حدیث صحیح سے استدلال کیا ہے۔

(۳) سید صاحب کے خیال میں اس حدیث سے عورتوں کی ایسی اخلاقی گراوٹ کا پتہ چلتا ہے جس کے باعث ان کو عزوشرف کا وہ مقام نہیں دیا جاسکتا جو مردوں کو حاصل ہے۔

ہر شخص کئی کئی بار سید صاحب کی عبارت پڑھ کر ایمانداری سے بتائے کیا یہ تینوں امور صراحتاً اس میں نہیں پائے جارہے ہیں۔

(۴) ایک چوتھی چیز اس میں یہ بھی پائی جارہی ہے کہ عام قارئین حدیث کا مطلب "قول رسول" ہی سمجھیں گے نہ کہ قول صحابیؓ حالانکہ یہ غلط ہے، یہاں وہ جس بات کو حدیث کہہ رہے ہیں وہ قولِ صحابی ہے نہ قول رسول۔

اب نگاہ حیرت سے دیکھئے کہ حقیقی صورت حال کیا ہے اور سید صاحب نے کیسے عجیب علم ودانش کا مظاہرہ کیا ہے۔

سب سے پہلے وہی بخاری اٹھایئے جس کی شرح سید صاحب لکھ رہے ہیں، جلد اول کتاب الحیض کے پہلے ہی باب کا عنوان ہے کیف کان بدء الحیض، اس میں امام بخاریؒ فرماتے ہیں:

قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھذا شیئ کتبہ اللہ علی بنات آدم و قال بعضھم کان اول مارسل الحیض علی بنی اسرائیل قال ابوعبداللہ حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر

رسول اللہ کا ارشاد ہے کہ حیض وہ چیز ہے جسے اللہ نے آدم کی تمام بیٹیوں کیلئے

مقدر فرمایا ہے اور بعض سلف نے کہا کہ حیض سب سے پہلے بنی اسرائیل پر بھیجا گیا، ابو عبداللہ (یعنی خود امام بخاری) کہتا ہے کہ رسول اللہ کا ارشاد تو ساری عورتوں کو شامل ہے۔

اندازہ کیجئے اللہ کے رسولؐ نے کتنے صاف لفظوں میں بیان فرمایا کہ حیض ایک ایسی شے ہے جو دنیا کی تمام عورتوں کا مقدر ہے، یہ نہیں کہ بنی اسرائیل سے قبل جو اربوں کھربوں عورتیں پیدا ہوچکی تھیں انھیں حیض نہیں آتا تھا، اگر انھیں حیض نہ آتا تو نسلِ انسانی آگے کیسے چلتی، کیونکہ حیض اس عضویاتی عمل کا لازمی حصہ ہے جو رحم میں استقرار حمل کی استعداد پیدا کرتا ہے، حیض کے بغیر حمل کہاں؟ ویسے بھی انسانوں میں تمام ہی جبلتیں اور فطری داعیات آدم و حوا ہی کے زمانے سے موجود ہیں، بھوک، پیاس، جنسی خواہش، محبت و نفرت، خوف و طیش، غم و راحت کے احساسات کونسی چیز ہے جو بعد میں تخلیق کی گئی ہو، یہ تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کہ حیض جیسی جبلی اور طبعی اور فطری شے بنی اسرائیل کی عورتوں سے شروع ہوئی ہو، اور پہلے معدوم ہو، موٹی سی بات ہے کہ مرد اور عورت کے اس حصہ جسم کی ساخت ہی الگ الگ ہے، جس کا تعلق توالد و تناسل سے ہے، ایسا نہیں ہے کہ مشینری تو دونوں کی بالکل ایک ہی ہو اور بس عورت کو اس لئے حیض آتا ہو کہ اس پر عذاب مسلط ہے، عورت کی جسمانی مشینری میں دودھ بنانے، حمل کو سنبھالنے اور نشوونما دینے اور حیض و نفاس کا لہو جاری کرنے کے لئے مرد سے مختلف کل پرزے ہیں اور یہ سارے کل پرزے پہلی خاتون "حوا" میں موجود تھے، جو نسلاً بعد نسل منتقل ہوتے چلے آرہے ہیں۔

مزید یہ کہ اسلام اس تصور سے قطعاً بری الذمہ ہے کہ کسی ایک نسل کی غلط کاری کا عذاب اگلی نسلوں کی طرف بھی منتقل ہو، اگر حیض کو اس روایت کے مطابق بنی اسرائیل کی عورتوں کے جرم نظر بازی کی سزا مان لیا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کے بعد سے قیامت تک تمام "حوا کی بیٹیاں" سزا ہی بھگت رہی ہیں، اس

قسم کا واہی تصور کسی اور قوم میں ہو تو ہو، اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

افسوس ہے اسی طرح کی روایتیں معقولیت پسند لوگوں کو علم الحدیث کی طرف سے بدگمان کرتی ہیں اور ان کا اعتماد و یقین متزلزل ہو جاتا ہے۔

امام بخاریؒ نے جو کچھ کہا اس پر بھی غور کیجئے، اول تو ان کے الفاظ نے یہی وضاحت کردی کہ "بنی اسرائیل" والی روایت قول رسولؐ نہیں ہے بلکہ اقتیوں میں سے بعض کا قول ہے، اور پھر اس قول کی تردید انھوں نے یہ کہہ کر کردی کہ رسول اللہ کا ارشاد گرامی تو اس محدود قول کے برخلاف بہت وسیع ہے جو تمام عورتوں کو شامل ہے۔

لفظ اکثر کی تشریح بعض مستند شارحین مثلاً علامہ عینیؒ نے یہ کی ہے کہ غیر نبی کے مقابلے میں نبی کا ارشاد زیادہ قوی اور زیادہ لائق قبول ہے۔

کرمانی کے بیان کے مطابق بخاری کے بعض نسخوں میں بجائے "اکثر" کے اکبر کا لفظ ہے، اس کا مطلب یہ بیان کیا گیا کہ اعظم اور اجل اور اکد۔ یعنی امام بخاریؒ یہ فرمارہے ہیں کہ بعض صحابہؓ کے قول کے مقابلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث زیادہ عظیم الشان اور جلیل القدر اور بہ اعتبار ثبوت قوی و موکد ہے۔

(بخاری، جلد اول صفحہ ۴۴ علی الہامش)

یہ تو ہوئی بخاری شریف، اب حافظ ابن حجرؒ کی اس شرح کی طرف آیئے جس کا حوالہ دے کر سید صاحب مولینا مودودی سے توجیہ پوچھ رہے ہیں، جرأت کی حد ہے کہ اسی فتح الباری میں اسی جگہ ابن حجر نے جو کچھ کہا ہے اسے سید صاحب نہیں پڑھ پارہے ہیں، دیکھئے جلد اول صفحہ ۲۷۶، یعنی موصوف نے جس صفحہ کا حوالہ دیا تھا اس سے اگلا ہی صفحہ، ابن حجر وہی بنی اسرائیل والی روایت حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت عائشہؓ کے حوالے سے نقل کر کے اپنی رائے ظاہر فرماتے ہیں:

قلت ویمکن ان یجمع بینهما مع القول بالتعمیم بان الذی ارسل علی نساء بنی اسرائیل طول مکثه بهن عقوبة لا ابتداء

میں کہتا ہوں تمام ہی عورتوں کے لئے حیض کو نوشتہ و قسمت ماننے کے باوجود بنی اسرائیل والی روایت کی یہ تاویل ممکن ہے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کی مدت حیض اللہ نے بطور سزا لمبی کردی ہو، نہ یہ کہ حیض شروع ہی بنی اسرائیل کی عورتوں سے ہوا ہو۔

گویا یہ ابن حجر بھی نہیں مانتے کہ حیض کا آغاز بنی اسرائیل کی عورتوں سے ہوا، پھر آگے وہ کہتے ہیں :

و قدروی الطبری وغیرہ عن ابن عباس وغیرہ ان قولہ تعالی فی قصة ابرابیم وامرأته قائمة فضحکت (۱) اے حاضت والقصة متقدمة علی بنی اسرائیل بلاریب وروی الحاکم و ابن‌المنذر باسناد صحیح عن ابن عباس ان ابتداء الحیض کان علی حواء بعد ان اهبطت من الجنة واذا کان ذالك فبنات آدم بناتها۔

طبری وغیرہ نے صحابی رسول ابن عباسؓ وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم کے قصے میں اللہ نے جو قرآن میں یہ فرمایا کہ وامراته قائمة فضحکت اس میں ضحکت سے مراد یہ ہے کہ ان صاحبہ کو حیض آیا، اور یہ قصہ بلاشبہ بنی اسرائیل سے پہلے کا ہے، اور محدث حاکم اور ابن منذر نے صحیح سندوں کے ساتھ ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ حیض کا آغاز حوا سے اس وقت ہوا تھا جب وہ جنت سے نکالدی گئیں تھیں اور جب ایسا ہے تو ظاہر ہے کہ آدم کی بیٹیاں تو حوا ہی کی بیٹیاں ہیں۔

دیکھ رہے ہیں آپ، نہ تو بنی اسرائیل والی روایت اس معنی میں حدیث ہے کہ وہ حضورؐ کا ارشاد ہو بلکہ دو صحابہ کا اپنا قول ہے، اور نہ امام بخاری اسے کوئی وقعت دینے کو تیار ہیں، اور نہ حافظ ابن حجرؒ اسے بغیر تاویل کے تسلیم کرتے ہیں، بلکہ وہ حدیث کی متعدد کتابوں سے صحابی رسول ابن عباس کی وہ روایتیں ایک تلاش کرکے

(۱) سورۂ ہود آیت ۷۱۔

جاتے ہیں جن سے ثابت ہو جائے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں سے آغاز حیض کی بات قطعاً غلط ہے۔

علامہ عینیؒ شارح بخاری جنھیں سید صاحب نہایت جلیل القدر مانتے ہیں ان کی بھی شرح دیکھ لیجئے، وہ اس تاویل سے تو متفق نہیں جو ابن حجر نے پیش کی مگر یہ بہر حال وہ بھی نہیں مانتے کہ حیض کا آغاز بنی اسرائیل سے ہوا ہو، وہ تاویل یہ کرتے ہیں کہ ممکن ہے اللہ نے بنی اسرائیل کی عورتوں کا حیض سزاءً روک دیا ہو اور پھر اسے جاری کیا ہو۔

وہ "فیض الباری" بھی دیکھ لیجئے جو حضرت انور شاہ کاشمیریؒ کے امالی کا گلدستہ ہے اور سید صاحب اپنی "انوار الباری" کو شاہ صاحب ہی کے افادات قرار دے رہے ہیں۔

جلد اول صفحہ ۳۷۵ پر فرمایا گیا:

والبخاری لم یبال بھذاالحدیث واخذمن قولہ ھذا شیئ کتبہ اللہ علی بنات آدم انہ من الابتداء ولیس بدئہ عن بنی اسرائیل۔

اور امام بخاری نے بنی اسرائیل والی روایات کی کوئی پروا نہیں کی اور رسول اللہؐ کے ارشاد ھذا شیئ کتبہ اللہ علی بنات آدم سے یہ مطلب لیا کہ حیض تو شروع سے چلا آرہا ہے، اس کا آغاز بنی اسرائیل سے نہیں ہوا۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل والی آیت کو رد نہ کرنے کی بس ایک ہی صورت ہے یہ کہ اس کی مراد یہ لی جائے کہ "بنی اسرائیل" کی عورتوں پر بطور قہر و عذاب مدت حیض بڑھا دی گئی ہو، ایسا نہیں کہ حیض کی ابتدا ہی ان سے ہوئی ہو۔

ان تفصیلات کی روشنی میں فیصلہ کیجئے کہ سید صاحب کے تمام دعوے کہاں گئے، ہم کہتے ہیں "بنی اسرائیل" والی روایت کی سند اگر صحیح بھی ہو تو کیا سید صاحب اس قاعدہ فن سے واقف نہیں ہیں کہ سند کی صحت متن کی سند کو مستلزم نہیں ہوتی،

اور اگر یہ ہم مان ہی لیں کہ واقعی حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت عائشہؓ کی طرف اس متن کی نسبت درست ہی ہے تو اس کا حاصل اس سے زیادہ کیا نکلے گا کہ یہ دو صحابی کا قول ہے، ظاہر ہے انھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تو اسے سنا نہیں ورنہ اس کا اظہار فرماتے، ادھر ادھر سے سن لیا ہے اور معلوم ہے کہ اسرائیلی روایات بہت کافی پھیلی ہوئی تھیں، پھر کیا مانع ہے یہ تسلیم کرنے میں کہ انھوں نے ایک غلط روایت پر اعتبار کر کے اسے دہرا دیا۔

اگر آپ یہ تسلیم نہیں کرتے بلکہ اصرار کرتے ہیں کہ یہ دونوں بزرگ صحابی غلطیاں نہیں دہرا سکتے، تو پھر ٹھیک ہے یوں کہہ دیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلط فرمایا (خاکش بدہن) یہ تو بہر حال آپ کو ماننا پڑے گا کہ دونوں باتیں درست نہیں ہو سکتیں، حیض یا تو زمانۂ "حوا" سے موجود ہے یا بنی اسرائیل سے شروع ہوا، پہلی بات آقا بتا رہے ہیں، دوسری بات ایک صحابیہ اور ایک صحابی بتا رہے ہیں، آپ دونوں کو صحیح نہیں مان سکتے، ایک کو مانئے دوسری کو جھٹلائیے، ایمان کا تقاضا اگر یہی ہے کہ صحابہؓ کی بات مت جھٹلاؤ چاہے رسول اللہؐ کی تکذیب ہو جائے تو یہ ایمان آپ کو مبارک، ہم اس سے بریت کا اعلان کرتے ہیں۔

ہو سکتا ہے سید صاحب جواب یہ دیں کہ آغاز حیض کو تو میں بھی شروع عالم سے مانتا ہوں اور یہ نہیں سمجھتا کہ اس کی ابتداء بنی اسرائیل سے ہوئی ہو، لیکن روایت میں نے یہ دکھلانے کے لئے نقل کی ہے کہ بنی اسرائیل کی عورتیں مسجد میں تاک جھانک کرتی تھیں۔

ہم جواب دیں گے کہ اول تو آپ کا فرض تھا کہ ایسا کوئی فقرہ اس جگہ لکھ دیں جس سے آپ کا خیال واضح ہو جائے، بصورت موجودہ ہر قاری یہ سمجھنے پر مجبور ہے کہ آپ اپنی منقولہ روایت کے مطابق حیض کا آغاز بنی اسرائیل سے مانتے ہیں، آخر کوئی شخص کیسے یہ تصور کر سکتا ہے کہ جس روایت کو آپ بڑے طمطراق سے "سند صحیح" کی وضاحت کے ساتھ پیش کر رہے ہیں اس کا ایک جزو تو آپ کے نزدیک جوں کا

قول درست ہے اور ایک جزو درست نہیں ہے بلکہ اس کی کوئی تاویل آپ نے ذہن میں بٹھا رکھی ہے۔

دوسرے یہ کہاں کی معقولیت ہے کہ ایک ایسی روایت کو جو قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور قانون فطرت کا استہزاء کر رہی ہو رد تو کیجئے نہیں بلکہ خواہ مخواہ کی تاویلیں گھڑ لیجئے اور پھر اس کے ایک جزو کو بطور حجت لائیے، حضرت انور شاہ صاحبؒ، حافظ ابن حجر، علامہ عینی وغیرہ بلاشبہ اساطین میں ہیں لیکن جن تاویلوں کا وہ امکان نکالتے ہیں کیا ان کے لئے کوئی ایک لفظ کوئی ہلکا سا اشارہ بھی روایت میں موجود ہے۔۔۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ یہ تاویلیں ان کی اپنی اختراع ہیں، انکی حیثیت توجیہ القول بما لا یرضی به القائل سے زیادہ نہیں، یہ حجت ہرگز کسی کے لئے نہیں۔

اس سلسلے میں عجیب عجیب روایتیں بعض ایسے بزرگوں نے جمع فرما رکھی ہیں جو اگرچہ بہت بڑے عالم تھے مگر روایات کے قبول میں محتاط نہیں تھے، مثلاً یہ روایت کہ بنی اسرائیل کی عورتوں نے لکڑی کے اونچے اونچے پائدان بنوا لئے تھے، نماز میں ان پر کھڑے ہو کر وہ اگلی صف کے ان مردوں کو گھورا کرتی تھیں جن سے ان کی آشنائی ہوتی تھی، یا جن سے وہ آشنائی پیدا کرنا چاہتی تھیں، خیر سے یہ روایت بھی عبداللہ ابن مسعودؓ کی طرف منسوب کر دی گئی ہے، سوال کیا جا سکتا ہے کہ بنی اسرائیل کے مرد آخر اتنے ریشہ خطمی کیوں بن گئے تھے کہ عورتیں باقاعدہ بڑھئیوں سے پائدان یا ذب وغیرہ بنوا بنوا کر مسجدوں میں لا رہی ہیں، ان پر چڑھ چڑھ کر دوران نماز میں اچک رہی ہیں تاک جھانک کر رہی ہیں مگر دو چانٹے رسید نہیں کرتے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟

اگر یہ روایت صحیح ہو تو قصور وار پھر بھی مرد ہی ثابت ہوئے، مردوں کو اللہ نے خلقتاً طاقت ور بنایا ہے، فہم و شعور بھی زیادہ دیا ہے، عورتوں کی سربراہی اور بالادستی بھی فطرتاً انھیں حاصل ہے، وہ اگر مغفل بنکر عورتوں کو غیر ضروری ڈھیل نہ دیئے

ہوئے ہوتے تو عورتوں کی کیا مجال تھی کہ باقاعدہ بڑھئیوں سے اونچے اونچے پائیدان بنواتیں پھر انھیں ہر نماز میں ساتھ لاتیں اور ان پر کھڑے ہو کر تماش بینی کرتیں، مردوں کی لٹیا ڈوب گئی تب عورتیں اتنی ڈھیٹ اور آزاد بن سکیں، کوئی کچھ کہے ہم تو کہیں گے کہ مولانا آزاد کی یہ عبارت آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے :

"فی الحقیقت سب سے بڑا کید تو مرد ہی کا کید ہے جو پہلے اسے (عورت کو) کا مجوئیوں کا آلہ بناتا ہے اور جب بن جاتی ہے تو خود پاک بنتا ہے اور ساری ناپاکیوں کا بوجھ اس معصوم کے سر ڈال دیتا ہے، دنیا میں کوئی عورت بری نہ ہوتی اگر مرد اسے برا بننے پر مجبور نہ کرتا۔ عورت کی برائی کتنی ہی سخت اور مکروہ صورت میں نمایاں ہوتی ہو لیکن اگر جستجو کرو گے تو تہ میں ہمیشہ مرد ہی کا ہاتھ دکھائی دے گا اور اگر اس کا ہاتھ نظر نہ آئے تو ان برائیوں کا ہاتھ ضرور نظر آئے گا جو کسی نہ کسی شکل میں اس کی پیدا کی ہوئی ہیں۔" (ترجمان القرآن جلد ۲، صفحہ ۲۹۶)

غالباً اسی لئے شجر ممنوعہ کھانے کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نشانۂ ملامت، "حوا" کو نہیں "آدم" کو بناتا ہے۔ کھانے کا جرم دونوں نے کیا، شیطان کے بہکائے میں دونوں آئے لیکن وہ آیات آپ کے سامنے ہیں جن میں نافرمانی اور غفلت کا الزام اللہ تعالیٰ تنہا آدم ہی پر عائد کر رہا ہے، سزا حوا کو بھی دی گئی کہ بہر حال ارتکاب جرم ان سے بھی ہوا تھا، لیکن بڑے اور اصل مجرم آدمؑ تھے، اللہ نے ان کو ہی توبہ و استغفار کے کلمات کا الہام کیا (فتلقی آدم من ربه کلمت فتاب علیه۔ بقرہ) حوا کو نہیں کیا، حوا کا جرم ضمنی اور تبعی تھا، آدمؑ کو معافی ملی تو انہیں بھی ملی، وہ برابر کی مجرم ہوتیں تو استغفار کے کلمات اللہ ان پر بھی القا کرتا۔

پھر چلئے ہم یہ بھی مانے لیتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی عورتیں اچھی خاصی آوارہ ہو گئی تھیں اور تمام روایتیں درست ہی ہیں، لیکن محترم سید صاحب غور فرمائیں یہ آوارگی قوم لوط کی "آوارگی" سے تو بازی نہیں لے گئی، قوم لوط نے اغلام بازی کی، غیر فطری گناہ جو بدترین گناہ ہونے کے علاوہ طبع سلیم کے بھی منافی تھا، کیا سید

صاحب انصاف فرمائیں گے کہ اگر عورتوں کی محض تماش بینی اور نظربازی اور تاک جھانک انھیں "اخلاقی گراوٹ" کا خصوصی مجرم بنا سکتی ہے تو قوم لوط کے مردوں کی اخلاقی گراوٹ کا پارہ کہاں تک نیچے پہنچا؟

اللہ کے بندو! مردوں کی ہوسناکیوں اور بدکاریوں اور شقاوتوں کی داستانوں سے تو حال و ماضی کی تاریخ لبالب ہے، اور قرآن ہی کتنی ہی قوموں پر عذاب الٰہی کی خبریں سناتا ہے جن کے مردوں نے زمین کو ظلم و فساد سے بھر دیا، بکری بیچاری جنگل میں کیا فساد پھیلا سکتی ہے اگر بھیڑیئے ہی اس کی پشت پناہی اور ہمت افزائی نہ کریں، عورت میں وہ بل بوتا تو ہے ہی نہیں کہ مردوں کے ایما اور اذن اور اعانت کے بغیر کوئی بڑا انقلاب لا سکے، کوئی بڑا فتنہ کھڑا کر سکے، جن واقعات میں آپ عورت کو فساد عظیم کا باعث دیکھتے ہیں ان کا بھی حقیقت پسندانہ تجزیہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ عورت کی حیثیت محض چارے کی ہے جسے چالاک مرد مچھلیاں پکڑنے کے لئے استعمال کرتا ہے، مصر وغیرہ نے جن یہودی عورتوں سے فریب کھا کر اپنا بیڑا غرق کیا، سید صاحب کیا نہیں جانتے کہ یہ عورتیں اسرائیلی فنکاروں ہی کی کٹھ پتلیاں تھیں، مرد ہی انھیں تربیت دے کر اور سکھا پڑھا کر عرب ملکوں میں روانہ کرتے تھے اور کرتے ہیں، اور پھر جن مسلمانوں نے ان سے فریب کھایا بڑے قصوروار تو وہ ہیں، عورت کو اللہ نے بے حد پرکشش بنایا ہے، حسن دیا ہے، ادائیں دی ہیں، کیا اس میں عورت کا قصور ہے؟ مرد اگر فرط نفسانیت میں اندھے بن جائیں اور نہ دیکھیں کہ جس عورت سے پینگیں بڑھا رہے ہیں وہ کون ہے کیا ہے تو بڑا مجرم کون ہوا؟

بے شک بعض انبیاء کو عورتوں کی طرف سے ابتلا پیش آیا ہے، بے شک بہت سی عورتیں آوارہ مزاج ہوتی ہیں، بے شک بنی اسرائیل کی عورتوں کا عیاشی پر مائل ہو جانا ممکن ہو سکتا ہے، لیکن کیا بے شمار مردوں کی طرف سے انبیاء کو ابتلاء پیش نہیں آیا؟ کیا وہ مرد ہی نہیں تھے جنھوں نے بعض انبیاء کو آروں سے چیرا اور نیزوں سے قتل کیا، کیا وہ مرد ہی نہیں تھے جنھوں نے سب سے بڑے پیغمبرؐ کے پتھر مارے، لہولہان

کردیا، کیا آپ کے دانت شہید کرنے والی عورتیں تھیں؟

نیک بختو! کچھ تو انصاف کرو، اگر صرف جنسی بے راہ روی یہ معنی رکھتی ہے کہ اس سے کسی جنس کے خلقی اور طبعی فضل و شرف میں بٹہ لگ گیا تو پھر مردوں کے حصے میں فضل و شرف کا کونسا حبہ باقی رہے گا؟ جب کہ عورت کے مقابلے میں ان کی جنسی بے راہروی کروڑوں گنا بڑھ کر ہے، فضل و شرف کا یہ معیار تو مردوں کو عورتوں سے کہیں ارذل اور پست بنادیتا ہے۔

اور سید صاحب! ہم نے چلئے یہ بھی مان لیا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو تاک جھانک کی پاداش میں حیض کی سزا دی گئی لیکن کیا قوم لوط سزا کو نہیں پہنچی؟ کیا متعدد اور قومیں مردوں کی بداعمالیوں کی بنا پر معذب نہیں ہوئیں؟ پھر یہ کیا بات ہے کہ فقط ایک واقعے کی بنا پر آپ عورت ذات کو تو مستقلاً مرد سے گھٹیا اور اخلاقی گراوٹ کا منبع قرار دے رہے ہیں، جب کہ حیض والی سزا کوئی بہت بڑی اور بھیانک سزا بھی نہیں کہی جاسکتی ہے، مگر بے شمار سخت سے سخت واقعات کے باوجود مرد ذات کو آپ برتر اور اخلاق کا مجسمہ اور عورت سے اشرف منوانا چاہتے ہیں، حالانکہ ان کے جرائم اغلام بازی اور قتل و غارت اور شرک جیسے ہولناک جرائم تھے اور عذاب بھی ان پر تحس نحس کرنے والے نازل کیئے گئے، کبھی بندر بنایا گیا، کبھی ہلاک کردیا گیا، عقل دنگ ہے کہ یہ کیسا انصاف اور کیسی معقولیت ہے؟!

قرآن میں آیا ہے الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض وبما انفقوا من اموالھم (نساء آیت ۳۴) (مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس واسطے کہ بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک پر اور اس واسطے کہ خرچ کیئے انہوں نے اپنے مال۔ ترجمہ شیخ الہندؒ)

اس آیت کی تفسیر میں "تفہیم القرآن" میں یہ لکھا گیا:

"یہاں فضیلت بمعنی شرف اور کرامت اور عزت نہیں ہے جیسا کہ ایک عام اردو خواں آدمی اس لفظ کا مطلب لے گا بلکہ یہاں یہ لفظ اس معنی میں ہے کہ ان

میں سے ایک صنف یعنی مرد کو اللہ نے طبعاً بعض ایسی خصوصیات اور قوتیں عطا کی ہیں جو دوسری صنف (یعنی عورت) کو نہیں دیں، یا اس سے کم دی ہیں، اس بنا پر خاندانی نظام میں مرد ہی قوام ہونے کی اہلیت رکھتا ہے اور عورت فطرۃً ایسی بنائی گئی ہے کہ اسے خاندانی زندگی میں مرد کی حفاظت و خبر گیری کے تحت رہنا چاہئے۔"
(جلد ۱ صفحہ ۳۴۹)

یہ بھی سمجھ لیجئے کہ مولانا آزادؒ یا مولانا مودودی جو اس طرح کی تنبیہات کررہے ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ غیر مسلم قوموں میں پہلے بھی ایسے نام نہاد مفکر رہے ہیں اور آج بھی ہیں جو عورت کو خلقۃً ذلیل اور گھٹیا جنس تصور کرتے ہیں، کوئی کہتا ہے عورت برائی کی جڑ اور فتنہ و شر کی ماں ہے، کوئی کہتا ہے تمام مصائب کا سرچشمہ عورت ہی ہے، کوئی کہتا ہے وہ ملعون ہے، وغیر ذلک۔

یہ دونوں بزرگ ان بیہودہ افکار کا قلع قمع کرکے صحیح اسلامی تصور پیش کرنا چاہتے ہیں اور مسلمانوں کو اس خطرے سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں کہ کہیں وہ کسی آیت کا مفہوم ایسا نہ سمجھ لیں جو ان واہی افکار سے مطابقت رکھتا ہو۔

بس یہ ہے قصور ان دونوں کا، اب سید صاحب کی خوش کلامی سنئے:

"بڑی حیرت ہے کہ مولانا آزادؒ اور علامہ مودودی نے آیت قرآنی الرجال قوامون علی النساء کی تفسیر میں بھی ایسا طریقہ اختیار کیا ہے جس سے ان کے مزعومہ نظریۂ مساوات مرد و زن پر کوئی زد نہ پڑسکے اور وہ مردوں کے لئے عورتوں پر حاکیت و افضلیت کا مرتبہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔" (صفحہ ۱۳۰ و ۱۳۱)

ہمیں اس موقع پر بے اختیار وہ بریلوی فن کار یاد آئے جو کسی ایسے موقع پر جب کہ ہم جیسا کوئی دیوبندی یہ کہہ رہا ہو کہ رسول اللہؐ یقیناً بشر تھے، اور عالم الغیب نہیں تھے، اور اولیاء اللہ کائنات میں متصرف نہیں ہیں، اور قبروں پر سجدہ حرام ہے، فوراً یہ چیخ پڑتے ہیں کہ دیکھو وہابی کیا بک رہا ہے؟

وہابی!۔۔۔۔۔ ایک ننھا سا لفظ، مگر بڑے بڑے دفتروں پر بھاری، اسی

طرح سید صاحب "مساوات مرد و زن" کی بدنام ترین اصطلاح استعمال کر کے مولانا آزادؒ اور مولانا مودودی کو کنوں سے کاٹ دینا چاہتے ہیں۔ کاش وہ یہ بھی نشاندہی فرما دیتے کہ یہ نعرہ آخر انھوں نے کہاں سے کھودا، ہمیں تو ان دونوں کی تصانیف میں کہیں نظر آیا نہیں۔

قارئین! "تفہیم القرآن" کی منقولہ بالا عبارت پھر پڑھئے، کیا اس میں یہ کہا گیا ہے کہ مرد عورت پر "قوام اور حاکم" نہیں ہیں، کیا اس میں یہ کہا گیا ہے کہ مرد کو عورت پر فضیلت ہے ہی نہیں؟ کیا اس میں ایسے کسی فکر کا ذرا سا شائبہ بھی موجود ہے جو "مساواتِ مرد و زن" کے مشہور نعرے سے جوڑ رکھتا ہو۔

اگر نہیں اور یقیناً نہیں، تو کیا جان رہ جاتی ہے سید صاحب کے اعتراض میں؟ کتنا سنگین ہے یہ الزام کہ مولانا مودودی مرد کا وہ رتبہ نہیں مانتے جو قرآن منوانا چاہتا ہے، حالانکہ مودودی اس رتبے کو مان کر ہی یہ وضاحت کر رہا ہے کہ لفظ "فضیلت" سے مراد یہاں کیا ہے؟ پھر یہ بھی آپ نے "آدم و حوا" کی بحث میں "تفہیم القرآن" کے نوٹ سے سمجھ لیا کہ مولینا مودودی کے پیش نظر ان واہیات مفروضوں کی تردید ہے جو بعض غیر مسلموں نے عورت کے قانونی اخلاقی اور معاشرتی مرتبے کو گھٹانے کے لئے قائم کر رکھے تھے اور کر رہے ہیں۔ مولانا مودودی نہیں چاہتے کہ قرآن میں مرد کی فضیلت کا ذکر دیکھ کر کم علم اور کم فہم مسلمان اس نوع کی فضیلت تصور کر لیں جس نوع کی یہ مفروضے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

ویسے بھی لفظ فضل قرآن میں کم سے کم ستر بار تو استعمال ہوا ہی ہے اور جملہ مقامات پر اس کا ایک ہی مفہوم نہیں ہے، کہیں اس سے اللہ کی رحمتِ عامہ مراد ہے کہیں رحمت خاصہ، کہیں اس کا مطلب مال و دولت ہے، کہیں انسانوں کا ایک دوسرے کے مقابلے میں امتیاز، لہٰذا ایک بیدار مغز مفسر کے لئے تو ضروری ہی تھا کہ جہاں جو مراد ہے اسے کھول کر بتادے، مثلاً ایک تو فضیلت وہ ہے جو اللہ نے تمام نوع انسانی کو باقی مخلوقات ارضی پر دی، یہ نوعی فضیلت ہے یعنی انسان کا ہر فرد خواہ وہ

عورت ہو یا مرد تمام حیوانات و نباتات و جمادات اور حشرات الارض سے افضل ہے، اس فضیلت کو اللہ نے سورہ بنی اسرائیل میں بایں الفاظ بیان فرمایا: ولقد کرمنا بنی آدم (ہم نے اولاد آدم کو افضلیت دی)

دوسری فضیلت وہ ہے جو بعض رسولوں کو بعض رسولوں پر ہے تلك الرسل فضلنا بعضهم علی بعض ظاہر ہے کہ یہ فضیلت نوعی نہیں نوع کے اعتبار سے تو تمام رسول یکساں ہیں، بلکہ وصفی ہے اور اس کا تعلق اوصاف وہبیہ سے ہے یعنی وہ اوصاف جو خداداد ہیں کسبی نہیں ہیں، اس میں اور پہلی فضیلت میں جو فرق ہے محتاج بیان نہیں، اسی طرح ولا تتمنوا ما فضل اللہ بعضکم علی بعض میں بھی وہی فضل مراد ہے جو خداداد ہو، جیسے حسن صورت، اعلیٰ ذہانت، ڈیل ڈول، جسمانی طاقت، حسب و نسب وغیرہ۔

تیسری فضیلت وہ ہے جو بعض انسانوں کو بعض انسانوں پر کسب و عمل کی وجہ سے ہے فضل اللہ المجاہدین باموالهم و انفسهم علی القاعدین درجة (اللہ نے بیٹھ رہنے والوں کے مقابلے میں ان لوگوں کو ایک درجہ فضیلت عطا کی، جو لڑے اللہ کی راہ میں جان و مال سے، النساء ۹۵) لڑنا اور مجاہدہ کرنا اعمال ہی کے قبیل سے ہے، لہذا فضیلت کی یہ قسم پہلی دونوں قسموں سے الگ ہوئی۔

خلاصہ یہ کہ حقیقت پسندانہ تجزیہ و تحلیل کے بعد ثابت ہو جاتا ہے کہ فضیلت قرآن میں کئی مفاہیم کیلئے آئی ہے، ایسا نہیں کہ ہر مقام پر ایک ہی مصداق و مفہوم ہو۔

اور یہ کچھ اسی لفظ کے لئے خاص نہیں۔ بہتیرے الفاظ ہیں جو قرآن میں الگ الگ معنوں میں استعمال ہوئے ہیں، لفظ کافر جہاں بے شمار جگہ مومن کے مقابلے میں استعمال ہوا ہیں "کسان" کے لئے بھی استعمال ہوا۔

ابھی آپ نے کرمنا کا لفظ پڑھا۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے ولقد کرمنا بنی آدم وجعلنا هم فی البر و البحر و رزقنا هم من

الطیبت وفضلنا هم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا۔ (اور ہم نے عزت دی ہے آدمؑ کی اولاد کو، اور سواری دی انکو جنگل اور دریا میں، اور روزی دی ہم نے ان کو ستھری چیزوں سے، اور بڑھادیاان کو بہتوں سے جن کو پیدا کیا ہم نے بڑائی دے کر۔ ترجمہ شیخ الہندؒ)

یہاں کرمنا میں جس فضیلت و شرف کا بیان ہے وہ وہ ہے جو ہر مرد اور عورت کو چاہے وہ صالح ہوں یا گناہگار، خوبصورت ہوں یا بد صورت، فقیر ہوں یا امیر، کم عمر ہوں یا سن رسیدہ، دوسری تمام مخلوقات ارضی پر عطا کی گئی ہے، جانور، سمندر، پہاڑ، درخت، کیڑے مکوڑے، سونے چاندی کی کانیں، کوئی نہیں جو شرف و فضیلت میں انسان کے ایک ننھے بچے یا بچی کی برابری کر سکے۔

لیکن یہی لفظ کرامت جب دوسری آیت میں استعمال ہوتا ہے ان اکرمکم عنداللہ اتقکم تو یہاں بالکل دوسری ہی نوع کی فضیلت و عزت مراد ہوتی ہے، خود قرآن نے سرکش کافروں کے بارے میں واضح فرمایا کہ وہ تو جانوروں سے بھی گئے گذرے ہیں، تو ظاہر ہے کہ تقویٰ اور پرہیزگاری کی بناء پر جو فضیلت و عزت حاصل ہوتی ہے وہ، وہ نہیں جس کا ذکر پہلی آیت میں ہوا، یہاں ایک وفادار کتا اس ہٹے کٹے دولت مند انسان سے زیادہ افضل واشرف ہے جو خدا کی نافرمانیوں میں لگا ہوا ہو اور اسی حال میں مر جائے۔

رشد کا لفظ متعدد آیات میں بمعنی ہدایت، بھلائی، حق استعمال ہوا جیسے قدتبین الرشد من الغی اور وان تر وا سبیل الرشد مگر یہی لفظ سورۂ نساء میں بمعنی ہوشیاری استعمال ہوا فان انستم منهم رشداً فادفعوا الیهم اموالهم حتی کہ فسق بھی اس رشد کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔

قرآن میں فرمایا گیا، اللہ کی مدد کرو، اللہ کو قرض دو، صاف ظاہر ہے ان مقامات پر قرض اور مدد کا وہ مطلب نہیں ہو سکتا جو دوسرے عام مقامات پر ہوتا ہے۔

پھر کیا قصور کیا ہے مولانا مودودی نے اگر الرجال..... والی آیت کی تفسیر

میں لفظ فضیلت کا وہ صحیح مفہوم بیان کر دیا جو اس جگہ مراد ہے اور جس کے علاوہ کوئی مفہوم یہاں مراد ہو ہی نہیں سکتا، علامہ عثمانیؒ، مولانا اشرف علیؒ، علامہ آلوسیؒ، ابن جریرؒ، ابن کثیرؒ سبھی یہاں فضیلت سے مراد وہی فضیلت لیتے ہیں جس کی تفصیل ہم "دوسری فضیلت" کی حیثیت سے بیان کر آئے۔ یعنی بعض اوصافِ خداداد کی بنا پر برتری، اور کوئی مستند مفسر نہیں جس نے یہاں پہلی یا تیسری قسم کی فضیلت مراد لی ہو، یہی مولانا مودودی کر رہے ہیں، ان کی عبارت پھر پڑھئے، وہ "مساواتِ مرد و زن" کا نعرہ نہیں مار رہے ہیں، اسے تو محاورے میں "کان بجنا" کہتے ہیں جس کا شکار سید صاحب ہوئے، یہ نعرہ لگانے والے تو صاف کہتے ہیں کہ کیسا قوام اور کیسا بالادست، عورت مرد بالکل یکساں ہیں، ان کا ترکہ میں بھی یکساں حصہ ہے، ان میں کوئی خادم و مخدوم نہیں وغیرہ، اس کے برخلاف مولانا مودودی ثابت کر رہے ہیں کہ مرد کا قوام اور محافظ اور بالادست ہونا تو عین قانون طبعی کے مطابق ہے اور عورت خلقۃً پیدا ہی کی گئی ہے ایسی کہ مرد کی حفاظت اور خبر گیری کے تحت رہے، کیا اسی کے معنی ہیں "مساواتِ مرد و زن" اور کیا واقعی سید صاحب ہوش کے عالم میں تھے جب انھوں نے مودودی کے بارے میں یہ الفاظ لکھے کہ:

"وہ مردوں کے لئے عورتوں پر حاکمیت و افضلیت کا مرتبہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔"

مزید لطیفہ یہ کہ انھوں نے ایک حاشیہ بھی دیا جو یہ ہے:

"اس پر حیرت نہ کیجئے کہ ایک عالم کس طرح ایسی بات لکھ سکتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے فضیلت بول کر بھی فضیلت و شرف کا ارادہ نہیں کیا بلکہ ایسے معنی مراد لئے ہیں جن سے فضیلت کی نفی ہو سکتی ہے۔" (صفحہ ۱۳۱)

اہل علم ہنسیں یا روئیں یہ حاشیہ بہر حال موجود ہے، ایک بار پھر تفہیم کا نوٹ پڑھئے کیا اس میں واقعی یہ کہا گیا ہے کہ "خدا تعالیٰ نے فضیلت بول کر بھی فضیلت و شرف کا ارادہ نہیں کیا۔"

ہم سمجھتے تھے کہ حضورؐ کی بشریت اور علم وغیرہ کے سلسلے میں غالی قسم کے بریلوی حضرات جو علم کلام استعمال کرتے ہیں اس سے بڑھ کر واہی اور بوگس علم کلام دوسرا نہیں ہو سکتا مگر سید صاحب کے علم کلام نے ہماری خوش فہمی کا پردہ چاک کر دیا اور ہمیں دل پر پتھر رکھ کر ماننا پڑا کہ :

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

آگے وللرجال علیھن درجۃ پر حاشیہ دیکر سید صاحب نوٹ لکھتے ہیں :

"اس پر کوئی وضاحتی نوٹ نہ مولانا آزادؒ نے اپنی تفسیر میں دیا نہ مولانا مودودی نے۔ دونوں خاموشی سے گذر گئے کہ "در گفتن نمی آید"۔ (صفحہ ۱۳۲)

ہم بڑے دکھ کے ساتھ سید صاحب سے عرض کریں گے کہ مولانا! بے شک آپ بہت بڑے عالم فاضل ہیں لیکن یہ دونوں بزرگ بھی بہر حال اتنے گئے گذرے تو نہیں ہیں کہ ان سے ٹھٹول کیا جائے اور ان کے حسن نیت پر بھی طعن ہو، آپ نے غالباً اپنے طنز کے مضمرات پر غور نہیں کیا، آپ کی دانست میں یہ دونوں حضرات قرآن وحدیث کے خلاف "مساواتِ مرد وزن" کا فاسد نظریہ قائم کئے ہوئے ہیں اور جب تفسیر کے دوران مذکورہ آیت ان کے سامنے آئی تو دفعتاً وہ چونکے کہ اس سے تو ہمارے نظریہ کی تردید ہو گئی، اب جائے اس کے کہ وہ اپنے فاسد نظریہ سے دستبردار ہو جاتے پوری ڈھٹائی کے ساتھ اس پر جمے رہے اور آیت پر تفسیری نوٹ بھی نہیں لکھا کہ اس سے ان کے نظریہ پر زد پڑتی تھی۔

یہی تو مطلب ہوا "در گفتن نمی آید" کا؟

مجمع الفضائل! خدا سے ڈریئے' علم و خرد کے زعم میں ایسے اساتذہ اور مشاہیر پر دانستہ حق پوشی کا الزام لگانا اور طنز وطعن کرنا اہل علم کو زیبا نہیں ہے، خدا اس پر پکڑ بھی کر سکتا ہے، اعتراضات شوق سے کیجئے مگر دائرۂ ادب میں رہ کر اور وقار و متانت کا لحاظ رکھ کر۔

للرجال علیهن درجة کا ترجمہ مولانا مودودی نے یہ کیا ہے:

"البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔"

یہ ایک سادہ و صاف سا جملہ ہے جو بغیر کسی تفسیر کے بھی ہر شخص کی سمجھ میں آسکتا ہے، دنیا میں ایسی کوئی تفسیر نہیں ہے جس میں قرآن کے ہر ہر فقرے پر لازماً تفسیری نوٹ دیا گیا ہو، پھر اگر مولانا آزاد اور مولانا مودودی نے اس فقرے پر مستقل نوٹ نہیں دیا تو اسے بدنیتی اور کتمان حق کی ارادی کوشش قرار دینا کیا معنی؟

کیا یہ جملہ بجائے خود یہ ظاہر نہیں کر رہا کہ مولینا مودودی نام نہاد "مساوات مرد وزن" کے قائل نہیں ہیں، مساوات کہاں رہی جب مردوں کے لئے ایک فاضل درجہ مان لیا گیا، سید صاحب غور فرمائیں تو اس پر وضاحتی نوٹ نہ دینا ہی بجائے خود اس بات کی خاموش شہادت ہے کہ مساوات مرد و زن کا کوئی تخیل مترجم کے ذہن میں نہیں، اگر ہوتا تو اس تخیل کو مسترد کرنے والا یہ فقرہ اسے ضرور کرکتا اور وہ ادبدا کر اس پر ایسا کوئی نوٹ لکھتا جس سے اس کے تخیل کی حمایت و حفاظت ہو سکتی، نہ لکھنا اور خاموشی سے گذر جانا نفسیاتی دلیل ہے مساوات کے تخیل و تصور سے بے تعلق ہونے کی۔

سید صاحب یہاں علامہ عثمانیؒ کے تفسیری فقرے نقل کرتے ہیں جس میں ایک فقرہ یہ ہے:

"کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت اور فوقیت ہے۔"

فضیلت اور فوقیت کے الفاظ کو نمایاں کر کے ان پر انھوں نے خط بھی کھینچ دیا ہے، گویا وہ قارئین کو یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ فضیلت کے قائل علامہ عثمانیؒ بھی ہیں مگر یہ آزادؒ اور مودودی قائل ہو کر نہیں دیتے۔

اس دلچسپ علم کلام پر ہمیں کسٹوڈین کا ایک مقدمہ یاد آیا جس میں زید کہہ رہا تھا کہ صاحب میں تو آپ کے سامنے زندہ کھڑا ہوں پھر آپ نے کیسے کہدیا کہ زید کا انتقال ہو گیا، کسٹوڈین آفیسر فرما رہے تھے کاغذات میں تمھارا انتقال درج ہے پھر ہم

کیسے مان لیں کہ تم زندہ ہو؟

کثیر المناقب سید صاحب! کتنی بار عرض کیا جائے کہ مولانا مودودی فضیلت کا انکار نہیں کر رہے ہیں، ان کا ترجمہ یہ ہے:

"مرد عورتوں پر "قوام" ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے" (تفہیم ج ۱ صفحہ ۳۴۹)

کیا مولانا عثمانیؒ ہی کی طرح انھوں نے "فضیلت" کا اقرار نہیں کیا؟ اگر اس بدیہی اقرار کے بعد وہ تفسیری نوٹ میں یہ وضاحت کر دیتے ہیں کہ فضیلت سے یہاں کیا مراد ہے تو اس سے فضیلت کا انکار کیسے لازم آگیا، سید صاحب اور دیگر حضرات علامہ عثمانیؒ کا وہ نوٹ پڑھیں جو انھوں نے الرجال قوامون علی النساء (سورہ نساء آیت ۳۴) پر دیا ہے (نوٹ نمبر ۶۴) اس میں "فضیلت" کا جو مطلب انھوں نے بتایا ہے ٹھیک وہی ہے جو مولانا مودودی نے منقولہ نوٹ میں بتایا، الفاظ کا فرق تو ہونا ہی تھا مگر معنی و مدعا میں مطلق فرق نہیں۔

<u>عجیب و غریب</u>:- یہاں تک لکھ چکے تھے کہ معاً ہمیں خیال آیا ذرا "انوار الباری" کی وہ جلد تو دیکھ لیں جس میں خود سید صاحب نے بخاری کی حدیث بدء الحیض کی شرح کی ہوگی، مکتبہ سے منگائی اور دیکھی، ششدر رہ گئے کہ:

یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے

یعنی یہاں چونکہ آزادؔ اور مودودی کی کھال کھینچنے کا موڈ سید صاحب کو نہیں تھا اس لئے کم و بیش وہی سب کچھ لکھ گئے جو ہم پچھلے اوراق میں اس بحث میں لکھ آئے ہیں۔

یہاں وہ مانتے ہیں کہ بنی اسرائیل والی روایت قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں قول صحابی ہے، یہ بھی مانتے ہیں کہ قول رسول کے مطابق حیض آغازِ عالم ہی سے تمام عورتوں کو آرہا ہے، یہ بھی مانتے ہیں کہ ابن حجر اور عینی اور مولینا گنگوہی اور

مولانا انور شاہ رحمہم اللہ سبھی کے نزدیک قولِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ کن ہے، اور بنی اسرائیل والی روایت کی تاویل کی جائے گی۔

اب کیا یہ کچھ کم حیرت کی بات ہے کہ مولانا آزادؒ اور مولانا مودودی پر اعتراض کرتے وقت انھوں نے اپناہی لکھا بھلا ڈالا اور وہ کچھ سپردِ قلم کیا جسے تمام کا تمام ہم نقل کر آئے ہیں، ایک بار پھر پلٹ کر پڑھ لیجئے تاکہ تضاد و تخالف کا احساس فرما سکیں۔

اور بدء الحیض کی بحث کے ذیل میں ایک اور بھی کافی دلچسپ چیز ملی ہے جس کا تذکرہ خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

اب ہمارے سامنے "انوارالباری" جلد ہشتم (قسط دہم) ہے، ایک حدیث آئی ہے جس میں حضورؐ نے حیض کو "نقص دین" فرمایا ہے، اسی حدیث کا ذکر مولانا گنگوہیؒ کے حوالے سے سید صاحب صفحہ ۱۱ پر کرتے ہیں، پھر تقریباً ایک صفحے تک وہ شدومد کے ساتھ یہ ثابت کرتے ہیں کہ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حیض کو "نقص دین" فرمایا مگر یہ ظاہری و سطحی اعتبار سے ہے فی الحقیقت حیض کوئی نقص نہیں ہے اور عورتیں "ناقصات الدین" ہرگز نہیں ہیں، ان کے متعدد فرمودات ملاحظہ ہوں:

(۱) "حیض" رحمت ہے۔ کیونکہ اس سے ارحام میں قبول حمل کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

(۲) "حیض" کی صحیح صورت عورت کے عضو رحم کیلئے صحت مندی کی دلیل ہے۔

(۳) عورتوں پر جو فرائض عائد ہیں ان کی ادائیگی پر انہیں "کامل الدین،، کہا جائے گا "ناقصات الدین" نہیں خواہ وہ دوسروں کے لحاظ سے اعمال میں قاصر ہی رہی ہوں۔

(۴) حدیث کی رو سے وہ عورتیں جو شوہروں کی تابعداری اور خدمت کرتی ہیں،

مجاہدین اور کامل الایمان مردوں کے برابر ہو جائیں گی۔

اسی جگہ سید صاحب نے یہ فقرہ بھی لکھا۔۔ "تو دیکھا جائے کہ وہ دینی نقص کہاں گیا؟" اس فقرے کے تیور دیکھ لیجئے اور یہ ملحوظ رکھئے کہ خود سید صاحب کی ذکر فرمودہ حدیث کے مطابق حیض کو نقص دین نبی کریمؐ نے کہا تھا کسی اور نے نہیں، اور سید صاحب کے اس تعریضی فقرے کا روئے سخن حضورؐ ہی کی طرف ہے، کیا اب ہم بھی کہیں یاللاسف۔

(۵) جس امر کو نقصانِ دین اوپر کی حدیث میں کہا گیا ہے وہ ظاہری لحاظ سے کمی ضرور ہے مگر در حقیقت حالت عذر و مجبوری کی کمی و نقص اعمال کوئی نقص دینی نہیں ہے"۔

یہ ہیں سید صاحب کے کچھ فرمودات۔

اب ہم یہ نہیں کہتے کہ انھوں نے قول رسولؐ کی جو توجیہ کی وہ غلط ہے، ہم یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ یہی وہ بزرگ ہیں جو مولانا مودودی پر صرف اس لئے بگڑ رہے تھے کہ انھوں نے لفظ "فضیلت" کی شرح کیوں کر دی، اس شرح سے انھوں نے بطور خود انکار فضیلت نکالا اور مودودی کی طرف یہ فقرہ منسوب کر دیا کہ۔۔۔ "خدا نے فضیلت کا لفظ بول کر فضیلت کا ارادہ نہیں کیا۔" حالانکہ ایسا فقرہ "تفہیم" میں موجود نہیں تھا۔

اب خود ان بزرگ کا کیا اسوہ ہے، "نقص" ہر حال میں کمی اور خامی ہی کو کہتے ہیں، وہ ہمیشہ کمال کے مقابلے میں بولا جاتا ہے، کسی لغت میں اس کے ایسے معنی نہیں مل سکتے جو "کمال" کے مرادف ہوں، پھر لفظ "دین" کی طرف اسکی اضافت ہو گئی تو یہ بھی بظاہر متعین ہو گیا کہ دین کی خامی اور کمی اور نامکمل پن مراد ہے، پھر یہ قول کس کا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا، سید صاحب کھل کر اور ڈٹ کر ثابت کر رہے ہیں کہ رسول اللہ نے نقص دین بول کر نقص دین کا ارادہ نہیں کیا، عورت حیض کی بنا پر ہرگز "ناقص الدین" نہیں، حیض ہرگز نقص دین نہیں، وغیرہ وغیرہ۔

حدیث رسولؐ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ایسی دوبدو گفتگو اور ایسی صریح تردید اور ایسا دوٹوک لب و لہجہ!۔ مگر ملزم مولانا آزادؒ اور مولانا مودودی ہی رہے، سید صاحب کی تہذیب و شائستگی اور حسنِ کلام اور صحت عقائد اور علم و فضل پر کوئی حرف نہیں آیا!

اے انصاف! اگر تو آسمان کے نیچے کہیں موجود ہے تو قریب آ اور سینہ پیٹ کہ اربابِ فضل تجھ سے کس درجہ خفا اور بیزار ہیں!

سید صاحب کے مزید اعتراضات کا جائزہ ان شاء اللہ دوسری صحبتوں میں لیا جائے گا آج کی مجلس ختم کرنے سے قبل ہم اجازت چاہیں گے کہ ایک اشکال ہم بھی پیش کردیں، اشکال کا لفظ ہم نے اس لئے بولا کہ سید صاحب درجۂ استاد میں ہیں اور ہم ایک نالائق طالب علم، ہماری تو سندِ فضیلت بھی بکس میں رکھے رکھے "زنگ" کھا گئی ہے، ہمارا کیا رتبہ کہ سید صاحب پر معترض ہوسکیں، بس ایک طالبعلمانہ بلکہ شاگردانہ الجھن ہے جس کی گرہ کشائی ہم محترم سید صاحب سے چاہتے ہیں، تجلی کے صفحات حاضر ہیں، اگر ان کا ناخن علم و تحقیق الجھن کی گرہیں کھول سکے۔

<u>ہمارا اشکال</u> : پچھلے صفحات میں ہم تفصیل سے بتا آئے ہیں کہ "آدم و حوا" کے شجر ممنوعہ کھانے کا واقعہ قرآن میں تین جگہ بیان ہوا ہے، ورق الٹ کر پھر سے دیکھ لیجئے، پہلے دو مقامات سے ظاہر ہے کہ شیطان کا اصل نشانہ حضرت آدمؑ تھے اور حوا کی حیثیت ثانوی تھی، شیطان جانتا تھا کہ "آدمؑ" پھانسے میں آگئے تو "حوا" خود بخود ان کے پیچھے چل نکلیں گی، چنانچہ اللہ جل شانہ کی توضیح کے مطابق شیطان براہ راست آدم سے مخاطب ہوا۔۔۔۔قال یا آدم ھل ادلك۔۔۔۔۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ شیطان حضرت آدمؑ سے مخاطب نہیں ہوا تھا بلکہ اس نے "حوا" کو بہکایا تھا اور "حوا" نے "آدم" کو پٹی پڑھائی تھی تو کیا یہ صریح طور پر قرآن کو جھٹلانا نہیں ہوگا؟ "سورۂ بقرہ" اور "سورۂ اعراف" میں اللہ تعالیٰ نے یکساں

طور پر فرمایا ہے کہ فازلهما اور فوسوس لهما الشیطن۔ ہم پوچھتے ہیں اگر زید عارفہ کو بہکائے اور عارفہ جاکر اپنے شوہر کو بہکائے تو کیا ہم اس صورت واقعہ کو کبھی اس انداز میں بھی بیان کرتے ہیں کہ زید نے عارفہ اور اس کے شوہر دونوں کو بہکایا؟ کبھی نہیں، زیادہ سے زیادہ جو ہم کہتے ہیں یہ کہتے ہیں کہ زید نے عارفہ کے ذریعہ اس کے شوہر کو بہکایا، گویا ذریعہ اور واسطے کا ذکر ضرور کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے یہ دونوں مقامات اس شہرت یافتہ روایت کی تردید میں بالکل کافی ہیں جو یہ بتاتی ہے کہ شیطان نے حوا کو یا سانپ کو بہکایا، پھر سانپ نے حوا کو، حوا نے آدم کو، تاہم کوئی کھینچ تان کر کے ایسی وساطت کا امکان پیدا کر ہی لے تو سورۂ طٰہٰ والی آیت تو فوراً اس کی زبان پکڑے گی اور امکان وساطت کے مفروضہ کا دروازہ بند کردے گی، یہاں تو شیطان اور آدمؑ کا مکالمہ بیان ہو رہا ہے، یہ الگ بات ہے کہ شیطان اس وقت کسی نظر آنے والی شکل میں حضرت آدمؑ کے سامنے کھڑا تھا یا دور ہی سے وسوسہ اندازی کر رہا تھا، یہ بہر حال طے ہے کہ براہ راست وہ آدم کو پٹی پڑھا رہا تھا۔

لیکن محترم سید صاحب! آپ مولانا آزادؒ کے خیالات کا رد کرتے ہوئے جو تقریر "انوار الباری" جلد دہم (قسط دوازدہم) میں صفحہ ۱۲۸ سے ۱۲۹ تک فرما رہے ہیں اس میں آپ نے بطور استدلال "مرقات شرح مشکوٰۃ" سے یہ روایت بھی نقل فرمائی ہے:

> "حضرت حوا نے حضرت آدم علیہ السلام کو ترغیب دے دے کر شجر ممنوعہ کھانے پر آمادہ کیا، اگر وہ ایسا نہ کرتیں تو کوئی عورت اپنے شوہر کو غلط کام کیلئے آمادہ نہ کرتی۔"

ہم پوچھتے ہیں یہ کیا ماجرا ہے کہ مولانا شبلیؒ، مولانا آزادؒ اور مولانا مودودی کے سلسلے میں تو آپ کی ذکاوتِ احساس اور چوکنے پن کا یہ عالم ہے کہ بقول شاعر:

فرشِ مخمل پہ مرے پاؤں چھلے جاتے ہیں

ان بزرگوں کے بعض ارشادات کا تجزیہ آپ ایٹمی ریسرچ کے انداز میں

کرتے ہیں اور گیہوں کے انبار سے رائی کے چند دانے ڈھونڈ کر لاتے ہیں کہ دیکھئے ان لوگوں نے کیا چار سو بیسی مچار کھی ہے، گیہوں کے ڈھیر میں یہ دانے ملا رکھے ہیں۔

لیکن ملا علی قاری کی "مرقات" میں ایک ایسی روایت دیکھ کر جو قرآن سے جدل اور منازعت اور ہاتھاپائی کر رہی ہے آپ کی ذکاوتِ حس اور قوت نقدو تجزیہ اور غیرتِ دینی اور حمیت حق کے جذبات میں کوئی ہیجان پیدا نہیں ہوتا، ملا علی قاری سے ذرا نہیں کہتے کہ یہ آپ کیسی "قرآن دشمن" اور خدا کی تکذیب کرنے والی روایت پیش فرما رہے ہیں، اس کے بر خلاف آپ تو اس روایت کو بطور دلیل وبرہان اٹھالائے ہیں، اور آگے کچھ ایسے فقرے لکھ مارے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن کی "سورۂ طٰہٰ" کبھی آپ کے مطالعہ میں آئی ہی نہیں۔

محترم بزرگ! اس اشکال کا حل عطا کیجئے۔

خیر سے ایک لطیفہ بھی یہاں ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت آدمؑ بہکائے میں آکر شجر ممنوعہ نہ کھاتے تو جنت ہی سے کیوں نکالے جاتے اور نہ نکالے جاتے تو صفحۂ ارض پر انسان کا وجود ہی کہاں ہوتا جو عورتوں اور شوہروں کے مسائل پیدا ہوتے، روایت بجائے آدمؑ کے حوا کو اصل خطاکار اور دوہری گناہگار قرار دینے کے لئے یہ ہیرا پھیری کر رہی ہے، وہ یہ باور کرانا چاہتی ہے کہ آدم بھلا شیطان کے جھانسے میں آنے والے کہاں تھے، وہ تو حوا نے بہلا پھسلا کر انہیں شیشے میں اتارا، تو حضور! حوا اگر نہ بہکاتیں تو آپ "انوار الباری" لکھنے کے لئے اور ہم اس پر سر دھننے کیلئے کہاں سے آجاتے، تعجب ہے اس عقل و دانش پر جو روایت کی اس داخلی لغویت کا ادراک نہ کر سکی۔

پھر ایک اور تماشا، کیا بیویاں ہی شوہروں کو غلط کام کرنے پر آمادہ کرتی ہیں اور شوہر کبھی بیویوں کو غلط راہ پر نہیں لگاتے؟ کون صحیح الدماغ ایسی بات کہے گا، بہتیرے شوہر تو اپنی شیطانی اسکیموں میں عورت غریب کو اس طرح کٹ پتلی بناتے ہیں کہ الامان والحفیظ، یہ جو بار بار آپ یہ فرمائے جا رہے ہیں کہ عورتوں کے وسیلے سے

مردوں کو ہموار کرلیا جاتا ہے تو یہ بھی اصل قصور عورتوں کا کہاں ہوا، عورتوں کو ذریعہ بنانے والے تو مرد ہی ٹھیرے، کچھو اپچارہ خود بڑھ کر کانٹے میں نہیں بندھ جاتا شکاری اسے پیند ھتا ہے، اسی طرح یہودی عورتوں نے اگر مصری مردوں کو جال میں پھانسایا جہاں بھی کوئی اسکیم عورتوں کے توسط سے روبہ کار لائی گئی وہاں اسکیم ساز اور اصل شکاری تو مرد ہی تھے نہ کہ عورتیں۔

اور پھر اس روایت کے مطابق اگر بیویوں کا شوہر کو بہکانا ثمرہ ہے اس بات کا کہ حوا نے آدمؑ کو بہکایا تھا تو مرد جو عورتوں کو بہکاتے ہیں یہ کس بات کا ثمرہ ہے جبکہ حضرت آدمؑ نے تو کسی کو نہیں بہکایا؟ منطق اگر آپ نے پڑھی ہو تو ہم نہیں سمجھتے کہ کس طرح ایسی واہی روایت کو آپ کے معدے نے قبول کرلیا، حوا کی طرف آدمؑ کو بہکانے کی نسبت کئے بغیر اگر یہ ممکن نہ تھا کہ عورتیں شوہروں کو بہکاتیں تو پھر آدمؑ کی طرف بھی کسی کو بہکانے کی نسبت ضرور کیجئے ورنہ یہ کیسے ممکن ہوا کہ مرد عورتوں کو بہکائے چلے جارہے ہیں۔

بہر حال یہ تو اس روایت کے داخلی اور منطقی عیوب تھے، سب سے بڑا اشکال ہمیں وہی ہے کہ یہ قرآن کے بیان محکم سے ٹکرا رہی ہے اور خالقِ کائنات کی تکذیب کر رہی ہے، محترم سید صاحب کے خزانۂ علم واستدلال میں اگر اس اشکال کا کوئی حل ہے تو بسم اللہ، تجلی اپنے صفحات ہدیۂ خدمت کرتا ہے۔

چند نکات: معلوم ہے کہ شیطان سجدہ نہ کرنے کے جرم میں جنت سے نکال دیا گیا، ابھی آدم و حوا جنت ہی میں ہیں، سوال پیدا ہوتا ہے کہ شیطان نے پھر کیسے انھیں بہکانے کا موقعہ پالیا؟۔

اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں اور علمائے سلف نے دونوں ہی دیئے بھی ہیں کہ:

(۱) شیطان اگرچہ نکال دیا گیا تھا مگر یہ حکم جاری نہیں کیا گیا تھا کہ وہ اب کبھی بھی

جنت میں داخل ہو ہی نہیں سکتا، قرآن اس معاملے میں خاموش ہے لہذا عین ممکن ہے کہ شیطان گاہے گاہے اندر گھس آتا ہو۔

(۲) شیطان کو اللہ نے خاص قسم کی قوتیں دی ہیں، اسے یہ بھی قوت ہے کہ دور رہ کر کسی کے قلب میں وسوسہ ڈالے لہذا ضروری نہیں کہ بہکانے کے لئے اسے جنت ہی میں آنا ضروری ہو۔

ہم پہلی رائے کو زیادہ قوی سمجھتے ہیں جس کے دلائل یہ ہیں:

اول یہ کہ پہلی دو آیتوں میں یہ کہا گیا ہے کہ شیطان نے ان دونوں کو ورغلایا اور ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا، یہ بات اس وقت بھی کہی جا سکتی ہے جب کہ شیطان نے غائبانہ طور پر وسوسہ ڈالا ہو، اور اس وقت بھی کہی جا سکتی ہے جب آمنے سامنے گفتگو کر کے ورغلایا ہو، اس کی مثالیں ہمارے روز مرہ میں عام ہیں، زید طرح طرح کی ظاہر فریب باتیں کر کے طلحہ کو برائی کے راستے پر لے جاتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ طلحہ کو زید نے ورغلایا، گویا پہلی دونوں آیتیں ثابت نہیں کر رہی ہیں کہ شیطان نے دور رہ کر ورغلایا بلکہ رودررو باتیں بنا کر ورغلایا ہو تب بھی یہ آیتیں اپنی جگہ بے غبار رہتی ہیں۔

البتہ کوئی شخص دور رہ کر زید تک غلط خیالات پہنچائے یا کسی اور کے ذریعہ اسے ورغلائے تو ایسی صورت میں یہ نہیں کہا جاتا کہ فلاں شخص نے زید سے یہ کہا، مخلوق کے مابین جب مکالمے کا ذکر ہو اور یہ کہا جائے کہ فلاں نے فلاں سے کہا تو مراد ہوتی ہے آمنے سامنے کہنا، آیت نمبر ۳ میں مکالمہ ہی مذکور ہے، اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ شیطان نے آدم سے کہا، اس انداز بیان کا مطلب یہ نکالنا کہ شیطان نے جنت سے باہر رہ کر آدم کے دل میں وسوسہ ڈالا، ذرا دور کی بات ہے، خلاف محاورہ ہے، آج جب کہ ٹیلیفون اور ٹرانسمیٹر چل گئے ہیں، تب بھی ہم یوں بولتے ہیں کہ الف نے جیم سے ٹیلیفون پر ایسا کہا، گویا درمیانی واسطے کی صراحت کر دیتے ہیں، اگر صراحت نہ ہو تو یہی سمجھا جاتا ہے کہ بالمشافہ کہا، خلاصہ یہ کہ شیطان کے جنت میں داخل ہو کر آمنے سامنے بہکانے کی صورت میں تو تینوں آیاتِ قرآنیہ بغیر تاویل کے ہم آہنگ ہو جاتی

ہیں، لیکن دوررہ کر بغیر مکالمے کے وسوسہ ڈالنے کی صورت میں تیسری آیت کی ایسی تاویل کرنی پڑتی ہے جو عام انداز گفتگو اور روزمرہ کے خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ ایک جگہ تو اللہ نے اپنا حکم ان الفاظ میں بیان کیا کہ :

اھبطامنھا جمیعاً (طہ)   تم دونوں ایک ساتھ جنت سے نکل جاؤ۔

گویا صیغہ تثنیہ لیکن دو جگہ اھبطوا جمع کا صیغہ استعمال فرمایا، جمع کا استعمال مجازاً دو پر بھی ہو تو جاتا ہے لیکن جب اطلاق حقیقی میں کوئی مانع نہیں تو کیوں نہ یہ سمجھا جائے کہ شیطان بھی اس وقت یہیں موجود تھا اور اس حکم کا وہ بھی مخاطب ہے، فرض کیجئے نوکر کو آپ نے گھر سے نکال دیا، وہ کبھی کبھار اندھیرے اجالے پھر گھر میں آگھستا ہے، آپ نظر انداز کر جاتے ہیں، کیونکہ آپ کی اسکیم میں یہ بات شامل ہے کہ یہ نوکر آپ کے گھر میں بسنے والے دو افراد کو ورغلائے، اب یہ ورغلا دیتا ہے تو آپ ڈانٹتے ہیں کہ نالائقو! نکلو یہاں سے، اس صورت میں یہ نوکر بھی یقیناً آپ کا مخاطب ٹھیرتا ہے، حالانکہ آپ اسے اھبط کہہ کر دھتکار چکے ہیں لیکن اب پھر چونکہ یہ آمرا ہے اس لئے جمع کا صیغہ استعمال فرماتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ فرمایا گیا :

اھبطوا بعضکم لبعض عدو

نکلو یہاں سے تم ایک دوسرے کے دشمن ہو

اب اگر یہ سمجھا جائے کہ شیطان اس وقت یہاں موجود نہیں ہے تو بظاہر مطلب یہ نکلے گا کہ اے آدم و حوا تم ایک دوسرے کے دشمن ہو، کیا یہ مطلب قابل قبول ہے؟ "آدم و حوا" کا ایک دوسرے کا مونس و غمگسار ہونا تو قرآن سے ثابت ہے اور اگر مراد مرد اور عورت کی صنفیں لی جائیں تب بھی بات نہیں بنتی، اللہ نے تو یہ بتایا ہے کہ عورت مرد کو ہم نے ایک دوسرے کی تسکین بنایا پھر یہ کیا بات ہوئی کہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو، اولیٰ یہی معلوم ہوتا ہے کہ شیطان اور نوع انسان دو فریق ہوں، وہی ایک دوسرے کے دشمن ہیں، شیطان کی دشمنی تو ظاہر ہے ہی مگر انسان بھی

اپنی فطرت اور منصبی مقتضیات کے لحاظ سے شیطان کا حریف ہی ہے، یہ الگ بات ہے کہ نفس کے چکر میں پڑ کر شیطان سے دوستی گانٹھ لیتا ہو، کم سے کم اس وقت جب کہ جنت سے نکلنے کا حکم مل رہا تھا یہ بات بالکل صاف تھی کہ شیطان آدمی کا دشمن اور آدمی شیطان کا دشمن، حضرت آدم و حوا کو کس قدر غصہ آرہا ہو گا کہ اس ملعون نے ہمیں سبز باغ دکھلا کر خدا کا معتوب بنایا اور جنت سے نکلوایا۔

چوتھے یہ کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے:

> "اے "آدم و حوا" کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے نہیں روکا تھا، کیا میں نے یہ نہیں بتادیا تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے۔" (سورۂ اعراف)

یہ فقرہ اسی صورت میں خوب موزوں ہو سکتا ہے جب کہ آدم و حوا شیطان کے رو در رو بہکانے سے بہکے ہوں، اگر شیطان نے دور ہی رہتے ہوئے اس طرح غائبانہ وسوسہ ڈالا ہوتا جس طرح ہم انسانوں کے اندر ڈالتا ہے تو یہ بات بہر حال محتاج ثبوت رہتی کہ یہ وسوسہ شیطان کا ڈالا ہوا ہے یا خود نفس آدم کا، کیا قرآن ہی میں نہیں فرمایا گیا کہ ان النفس لا مارۃ بالسوء۔ سورۂ یوسف (بے شک نفس سکھلاتا ہے برائی) شیطان کا کوئی اثر انسان پر ہو ہی نہیں سکتا تھا اگر خود نفس انسانی میں گناہ کی طرف جانے کا رجحان اور استعداد اور مادہ نہ رکھدیا گیا ہوتا، مجال ہے کسی فرشتے کو شیطان بہکاسکے، فرشتوں میں گناہ کا مادہ ہی نہیں۔

تو ہمارا منشا یہ ہے کہ اگر شیطان نے باہر سے باہر غائبانہ وسوسہ ڈالا ہوتا تو جس طرح ہم انسان قطعیت کے ساتھ ہمیشہ یہ نہیں فیصلہ کر سکتے کہ فلاں برائی کا اصل محرک شیطان بنا یا خود ہمارا نفس، اسی طرح آدم و حوا کے لئے آپ سے آپ یہ جان لینا بعید از قیاس تھا کہ یہ شیطان کی کارگذاری ہے، اس صورت میں اللہ کا ایسا ایک فقرہ فرمانا جس سے یہ ظاہر ہو رہا ہو کہ "آدم و حوا" شیطان کی کارگذاری کو اچھی طرح جانتے ہوئے ہیں کچھ دور کی بات معلوم ہوتی ہے، اس صورت میں تو ایسا کوئی اشارہ آیت میں ضرور نظر آتا جس کے ذریعہ "آدم و حوا" کو یہ بتایا جاتا کہ تم نے جو یہ حرکت

کی ہے یہ دراصل شیطان کے بہکانے سے کی ہے۔ وہ دور رہ کر بھی دلوں میں وسوسے ڈالدیتا ہے۔

یہ چار قرینے ہیں جن کی بنا پر ہمارا خیال یہ ہے کہ شیطان نے جنت میں گھس کر آدم کو آمنے سامنے ہی بہکایا، تاہم کوئی اسے نہ مانے تو ہمیں اصرار بھی نہیں البتہ یہ بہر حال طے ہے کہ چاہے ورغلانا آمنے سامنے ہو یا دور سے ہو شیطان کا مخاطب اور شکار اور اصل نشانہ حضرت آدمؑ تھے نہ کہ حوا اور آیات قرآنیہ کے لازمی مضمرات قطعی طور پر اس اس اسرائیلی روایت کی تردید کر رہے ہیں جسے سید صاحب اس لئے لے کے بیٹھے ہیں کہ پچھلے بعض بزرگوں نے اسے اہمیت دے لی ہے۔

کیا سید صاحب اس اشکال کا حل پیش فرمائیں گے؟ قیاس تو چاہتا ہے کہ جو فاضل مکرم شبلی اور آزاد اور مودودی جیسے اساتذہ کو قلم کی نوک پر رکھ سکتے ہوں انھیں بھلا ہم جیسوں کی الجھن دور کرنے میں کیا دشواری پیش آئے گی جبکہ ہماری حیثیت ان بزرگوں کے شاگردوں کے شاگرد جیسی بھی نہیں، خدا جانتا ہے یہ مصنوعی اظہار عجز نہیں، ہم اپنے کو حقیقتہً اس گداگر سے زیادہ نہیں سمجھتے جو اربابِ علم و فضل کے دستر خوانوں سے ریزے چن کر اپنا کام چلاتا ہے ورنہ کہاں علم و فضل اور کہاں ہم!۔

(تجلی دیوبند، جون ۷۳ء)

دوسرا باب

مسئلۂ پیدائش حواؑ

ماہنامہ "دار العلوم دیوبند" نومبر ۵۵ء میں مولانا ابو القاسم صاحب دلاوری کا ایک مضمون شائع ہوا تھا:

"کھلی چٹھی بنام جناب ماہر القادری مدیر "فاران"

جن حضرات کے پاس یہ پرچہ ہو وہ براہ کرم اس مضمون کو سامنے رکھ لیں، اس مضمون میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) وارثان علوم نبوت (یعنی مودودی کے مخالف علماء) جو کچھ فرماتے ہیں بے کم وکاست درست ہے، صفحہ ۳۶ کالم ا سطر ۶ و ۷۔

(۲) یہود ونصاریٰ اور اہل اسلام اس حقیقت پر متفق ہیں کہ ام البشر حضرت "حوا" جناب آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کی گئیں تھیں، یہ امر "تورات، قرآن اور احادیث صحیحہ" سے ثابت ہے، لیکن مودودی صاحب کو ملل عالم کی اس مسلمہ حقیقت سے بھی انکار ہے، صفحہ ۳۶ کالم نمبر ا سطر نمبر ۲۰ تا ۲۵۔

(۳) حق تعالیٰ نے وخلق منها زوجها فرما کر مجملاً نہیں بلکہ صراحتاً بتادیا کہ حضرت "حوا" جناب صفی اللہ کے جسد مبارک سے متولد ہوئی تھیں، صفحہ ۳۷ کالم نمبر ۲ سطر نمبر ۱۲ تا ۱۴۔

(۴) اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ حضرت "حوا" کی پسلی سے پیدا شدہ نہ ماننے میں مودودی صاحب کی مطلق العنانی اور نص میں ان کی تحریف کاری الحاد و زندقہ ہے یا نہیں، صفحہ نمبر ۳۸ کالم نمبر ا (اس کے آگے کئی لائنوں میں مزید زور اس بات پر دیا گیا ہے کہ مودودی صاحب کا "حوا" کو حضرت آدم کی پسلی سے پیدا شدہ نہ ماننا "تحریف فی القرآن" اور "الحاد اور زندیقی" ہے) اسی طرح کی کفریات ان کے قلم سے اکثر ٹپکتی

رہتی ہیں۔)

ان گلفشانیوں کے بعد دلاوری صاحب نے ٹھیک درباری انداز میں مولانا مدنی کی قصیدہ خوانی فرمائی، اور مودودی صاحب کو مزید گالیاں عطا فرمائی ہیں، اس طرح کی ذلیل باتوں پر ہم کچھ نہیں کہنا چاہتے، کیونکہ جن لوگوں کا طرۂ امتیاز ہی گالی بازی اور نعرہ سازی ہوا نھیں کوئی شریف آدمی کہاں تک جواب دے۔

اب فروری ۵۶ء کے "دارالعلوم" میں ازہر شاہ صاحب کا مضمون "حضرت حوا کی پیدائش کا واقعہ" اسی سابقہ مضمون کی تائید میں شایع ہوا ہے جس میں انھوں نے دلاوری صاحب کے فرمودات کو بالکل برحق ٹھیراتے ہوئے فرمایاہے کہ قرآن و حدیث سے کسی شک و شبہ کے بغیر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت "حوا" حضرت آدم کی پسلی سے پیدا کی گئیں، گویا مودودی صاحب کا اس سے انکار نص صریح سے انکار ہے، اور نص صریح کے منکر کو کافر کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے؟

ان ہر دو حضرات نے جو کچھ دلائل دیئے ہیں، ان کی حقیقت کھولنے سے پہلے ہم اتنا آپ کو بتادیں کہ ان لوگوں کی مثال اس طفلک ناداں جیسی ہے جس نے ستاروں کی اونچائی دیکھ کر کہا تھا کہ ان سے آگے کچھ نہیں ہو سکتا، اور جب اقبال نے سمجھایا کہ عزیزم!

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہے

تو اس طفلک ناداں نے کہا کہ تم کافر ہو!

ان عقل مندوں کو اتنا ہوش نہیں کہ جس چار دیواری میں یہ رہتے ہیں اس کے باہر بھی دنیا بستی ہے، ان کا طریقہ یہ ہے کہ جن چند کتابوں کو انھوں نے پڑھ لیا بس سمجھے کہ اب کوئی کتاب دنیا میں باقی نہیں، اور جو مفہوم انھوں نے سمجھ لیا اس مفہوم کے سوا تمام مفہومات غلط اور باطل ہیں، ذرا دیکھئے یہ دین و مذہب کے ٹھیکیدار کیسے برملا ملحد و زندیق کہہ رہے ہیں، علامہ شہیر مولانا ابوالکلام آزاد کو، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیکریٹری جمعیۃ العلماء کو، علامہ شیخ محمد عبدہ کو، جناب محمد

رشید رضا کو، شارح بخاری امام قسطلانی کو، شارح بخاری امام بدرالدین عینی کو اور نہ جانے کس کس کو، پورا پتہ آپ کو آگے چلے گا جب ہم ان کے دلائل کو کھنگالیں گے اور اپنے دلائل پیش کریں گے، اس سے پہلے آپ یہ ملاحظہ فرمالیں کہ ازہر شاہ صاحب نے اپنے اس چار صفحے کے مختصر مضمون میں کن کن عالمانہ فن کاریوں کا ثبوت دیا ہے۔

خیانت فی الحدیث :

"دارالعلوم" فروری ۵۶ء صفحہ ۳۵ کالم نمبر ۲ پر ازہر شاہ نے اپنے مضمون میں "بخاری و مسلم" کی حدیث پیش فرمائی ہے، حیرت ہو گی آپکو یہ سن کر کہ اسمیں ایک مستقل لفظ "آدم" آپ نے اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے تاکہ اپنے غلط دعوؤں کا ثبوت مضبوط کر لیں، جس کا جی چاہے "بخاری و مسلم" اٹھا کر دیکھ لے، حدیث یوں ملے گی خلقت من ضلع۔۔ یوں نہیں ملیگی خلقت من ضلع آدم، شاہ صاحب یہ کہہ کر نہیں چھوٹ سکتے کہ یہ کاتب کا قصور ہے، کیونکہ ترجمہ میں بھی "آدم" موجود ملتا ہے، گویا بطور خیانت یا بطور جہالت شاہ صاحب حدیث شیخین کی تصحیح فرما گئے ہیں، عیاذاباللہ۔۔۔ ہر جاہل و عالم مسلمان خوب جانتا ہے کہ حدیث و قرآن میں ایک لفظ یا نقطے تک کا اضافہ کس قدر بد دینی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فمن كذب على متعمداً فليتبوء مقعده من النار (یعنی جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ تراشا وہ اپنا ٹھکانا آگ میں بنالے)۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو سونے کے وقت کی دعا بتائی، اور کہا کہ اچھا بتاؤ میں نے کیا کہا، صحابی نے دعا کے یہ الفاظ دہرائے۔ آمنت بكتابك الذي انزلت و نبيك الذي ارسلت (اے اللہ میں ایمان لایا اس کتاب پر جو تو نے نازل فرمائی اور اس نبی پر جسے تو نے بھیجا)۔

اس میں صحابی سے صرف اس قدر چوک ہوئی تھی کہ انھوں نے نبيك کے لفظ کو رسولك کے لفظ سے بدل دیا تھا، ظاہر ہے کہ اس سے معنی میں کوئی فرق نہیں پڑا، نہ اضافہ یا کمی ہوئی، لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔۔۔۔۔ نہیں میں

نے یہ نہیں کہا! وہی کہو جو میں نے کہا، گویا حدیث میں کسی لفظ کو اس کے ہم معنی لفظ سے بدلنا بھی تحریف کے زمرہ میں شامل سمجھا گیا۔

لیکن ہمارے ازہر شاہ صاحب کا یہ حال ہے کہ ایک مستقل لفظ کا اضافہ فرماتے ہیں اور یہ لفظ بھی وہ ہے کہ اگر یہ واقعۃً حدیث میں موجود ہوتا تو ساری بحث ہی ختم تھی، عوام بے چارے کیا جانیں کہ اصل حقیقت کیا ہے؟ وہ جب دیکھیں گے کہ "بخاری و مسلم" کی حدیث میں صاف طور پر آدم کی پسلی سے "حوا" کی پیدائش کا ذکر ہے تو مودودی کو کافر سمجھنے میں کیا شک کریں گے؟

خیانت فی الحوالہ : صفحہ ۳۶ تا ۳۷ پر ایک عبارت نقل کی گئی ہے اور "تفسیر بیضاوی" صفحہ ۱۳۵ کا حوالہ دیا گیا ہے، ذرا ناظرین کرام مجتبائی کی "تفسیر بیضاوی" جز نمبر ۲ صفحہ ۲ یا مصری مطبع عثمانیہ کی جلد اول صفحہ ۲۵۵ اٹھا کر دیکھیں کہ "اے خلقت حوامن ضلع آدم" کا پورا جملہ اس میں موجود ہی نہیں ہے، پھر صفحہ ۱۳۵ بھی دیکھیں کہ اس میں پیدائش کا کوئی ذکر ہے یا نہیں اور ازہر شاہ صاحب سے پوچھیں کہ کون سے مطبع کی "تفسیر بیضاوی" ایسی ہو سکتی ہے جس میں صفحہ ۱۳۵ پر "سورۂ نسا" آتی ہو۔

خیانت فی الترجمہ : صفحہ ۳۷ کالم نمبر ۲ پر "جلالین شریف" کی یہ عبارت نقل کی گئی ہے (مع ترجمہ)

خلق منها زوجها حوا بالمدمن من ضلع من اضلاعه اليسرى
حوا آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئی ہیں۔

شاہ صاحب سے پوچھئے کہ "بالمدمن" کا ترجمہ کہاں گیا، صفحہ ۴۸ کالم نمبر ۱ پر روح المعانی کی عبارت نقل کرتے ہوئے کماروی ذالك ابن عمرؓ کا ترجمہ کیا گیا ہے، "ابن عمر اور اکثر مفسرین سے یہی منقول ہے"۔۔۔ بتایا جائے "اکثر

مفسرین،، کس لفظ کا ترجمہ ہے؟

اصل اختلاف : اس سے پہلے کہ ناظرین آگے کی بحث دیکھیں، یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ پیدائش "حوا" کے بارے میں اصل اختلاف کیا ہے؟ یہ بے شک ہم مانتے ہیں کہ زیادہ تر مفسرین "حوا" کی پیدائش آدم ہی کی پسلی سے مانتے ہیں، لیکن ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ یہ عقیدہ "نص" نہیں اور جو شخص اس کے خلاف عقیدہ رکھے اسے مفسرین "ملحد اور زندیق" نہیں کہتے، بلکہ وہ خود اس کے خلاف عقیدے کو جائز و مباح تسلیم کرتے ہیں، علاوہ ازیں بہت سے قابل ذکر علماء اس کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں، تنہا مودودی ہی اس کے گنہگار نہیں۔

اس کے بر عکس دلاوری صاحبان (۱) کا دعویٰ یہ ہے کہ جو شخص "حوا" کو آدم کی پسلی سے پیدا شدہ نہ مانے وہ "ملحد و زندیق" ہے، ان کے نزدیک "حوا" کا آدم کی پسلی سے پیدا ہونا قرآن و سنت سے بلاشک و شبہ ثابت ہے اور اس میں اختلاف کرنا کج بحثی، ہٹ دھرمی، الحاد، اعتزال اور ضد ہے۔

اب ذرا پہلے خود ازہر شاہ کے مضمون سے ہی انکی تردید دیکھئے، صفحہ نمبر ۷ ۳ امام رازی کی عبارت نقل کرتے ہیں :

ثم قال القاضی الامام والقول الاول لے قول تخلیق حوامن ضلع آدم اقوی (تفسیر کبیر)

اور قاضی نے بھی قول اول ہی کو اقوی ترین رائے بیان کی ہے۔

اول تو یہ غور فرمایئے "اقویٰ" کا ترجمہ "اقوی ترین" کیا گیا ہے حالانکہ صحیح ترجمہ "قوی تر" ہے، دوسرے یہ ملاحظہ فرمایئے کہ کسی قول کو "قوی تر" کب بولتے ہیں، ظاہر ہے کہ اگر دو قولوں میں ایک قول "الحاد و زندقہ" پر مبنی ہو تو اس کے مقابلہ

(۱) "دلاوری صاحبان" ہم نے طنزاً نہیں کہا بلکہ چونکہ دلاوری اور ازہر شاہ کی اپنی اہمیت کچھ نہیں بلکہ وہ ایک جماعت اور کیمپ کے ترجمان اور نمائندے ہیں، اس لیے یہ الفاظ مناسب معلوم ہوئے (ع)

کے قول کو کبھی "اقویٰ" نہیں کہا جاتا، کسی قول کو اقویٰ اور راجح اسی وقت بولتے ہیں جب مقابلہ کا دوسرا قول کم قوی اور مرجوح ہو، چنانچہ کبھی آپ نے نہ سنا ہوگا کہ کسی منکر زکوٰۃ کے مقابلہ میں یہ کہا گیا ہو کہ "زکوٰۃ کی فرضیت کا قول اقویٰ ہے" اقویٰ اور راجح، ہمیشہ ایسے مواقع پر استعمال ہوتا ہے جب دوسرا قول قطعاً باطل نہ ہو، بلکہ ممکن و مباح کے درجہ میں ہو، امام رازی کے اپنے قول وهو الذي عليه الاكثرون اور دیگر اقوال کثیرہ سے بدلہیۃ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں اجماع نہیں، بلکہ کچھ تعداد ایسی ہمیشہ موجود رہی ہے جو "پیدائش حوا" کے مشہور عقیدے کو نہیں مانتی، قابل غور ہے کہ اگر بقول دلاوری صاحبان یہ عقیدہ "نص صریح" ہوتا تو اس کے خلاف قول کرنے والوں کو ہمارے اسلاف گمراہ اور کافر کیوں نہ کہتے، تمام مفسرین اس پر متفق کیوں نہ ہوتے دراں حالیکہ معاملہ اس کے قطعاً برعکس ہے جیسا کہ ہم آگے ظاہر کریں گے۔

صفحہ ۳۷ کالم نمبر ۲ کی آخری سطر یہ ہے:

"مجاہد کا بھی یہی خیال ہے اور ابن عباس بھی اسی کو راجح کہتے ہیں۔"
(تفسیر مظہری)

انصاف کیجئے یہ عبارت کیا خود اس کے لئے کافی نہیں کہ "پیدائش حوا" کا مذکورہ عقیدہ نص نہیں، بلکہ محض اس درجہ کا ہے کہ اسے "راجح" کہا جا سکتا ہے اور اس کے منکر کو گالی نہیں دی جا سکتی۔

اب ذرا مولانا مودودی کی وہ عبارت بھی سامنے رکھ لیں جس پر ساری چاند ماری ہے:

> "اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا۔۔۔۔ اس کی تفصیلی کیفیت ہمارے علم میں نہیں ہے، عام طور پر جو بات اہل تفسیر بیان کرتے ہیں اور جو "بائبل" میں بھی بیان کی گئی ہے کہ آدم کی پسلی سے حوا کو پیدا کیا گیا، لیکن کتاب اللہ اس کے بارے میں خاموش ہے، اور جو حدیث اس کی تائید میں پیش کی جاتی ہے اس کا مفہوم وہ نہیں

ہے جو لوگوں نے سمجھا ہے، لہذا بہتر یہ ہے کہ بات کو اسی طرح رہنے دیا جائے جس طرح اللہ نے اسے مجمل رکھا ہے اور اس کی تفصیلی کیفیت متعین کرنے میں وقت ضائع نہ کیا جائے۔ (تفہیم القرآن ج۱ صفحہ ۳۱۹، ۳۲۰)

حق یہ ہے کہ مولانا مودودی نے اس جگہ قابل اعتراض حد تک اختصار سے کام لیا ہے، انھیں سمجھنا چاہیے تھا کہ کثیر مفسرین جس عقیدے کے قائل ہیں اور احادیث کا ظاہری متن بادی النظر میں جس عقیدے کی تصدیق کرتا ہے اس کے خلاف قول کرنے میں مضبوط دلائل کی پیش کش ضروری تھی۔

لیکن ان کی اس غلطی کے ساتھ یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ تجدید دین اور احیائے ملت کا جو عملی کام وہ کر رہے ہیں اس کی رو سے اس طرح کی غیر ضروری باتوں میں پڑنا بالکل فضول ہے، اور یہ جو دلاوری صاحب ان پر "خواہشات نفسانی" (صفحہ نمبر ۳۸ کالم نمبر ۱) کا الزام رکھ رہے ہیں تو یہ محض شوق گالی بازی کے سوا کچھ نہیں، خدا بہتر جانتا ہے کہ مودودی کی کونسی خواہش نفس عقیدۂ مذکورہ کے انکار سے پوری ہوتی ہے۔

خیر اب آپ "دار العلوم" فروری ۵۶ء کے صفحہ ۳۶ کالم نمبر ۱ پر نظر ڈالیں، بقول ازہر صاحب کسی مودودی اخبار نے دلاوری صاحب کے مضمون کا جواب شائع کیا تھا، اسی کے متعلق کہتے ہیں:

"اس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ مفسرین نے عام طور پر اس رجحان کا اظہار کیا ہے کہ حدیث نبوی میں حضرت "حوا" کے، حضرت آدم کی پسلی سے پیدا ہونے کا ذکر بطور بیان واقعہ نہیں، بلکہ محض تشبیہ کے طور پر ہے، اس ضمن میں انھوں نے صرف علامہ قرطبی کا ایک قول نقل کیا ہے اور "قرطبی" کے الفاظ سے یہ مفہوم پیدا کرنے کی کوشش کی ہے گویا وہ اس خیال کی تائید کرتے ہیں۔"

اس عبارت سے کیا ازہر صاحب نے ناظرین کو یہ بتانے کی کوشش نہیں کی کہ قرطبی فی الحقیقت وہ قول نہیں کرتے جسے مضمون نگار ظاہر کر رہا ہے، بلکہ مضمون

نگار زبردستی ان پر یہ عقیدہ چپکا رہا ہے، میں آپ کے سامنے وضاحت سے قرطبی کا قول پیش کرتا، لیکن میرے بجائے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی زبانی سنئے:

مولانا حفظ الرحمٰن کیا فرماتے ہیں؟: واضح رہے کہ حضرت موصوف اس "جمعیۃ العلماء" کے جنرل سیکریٹری ہیں جس کی صدارت کا فخر مولانا مدنی کو حاصل ہے، (۱) ان کی مشہور کتاب "قصص القرآن" دسیوں سال سے شائع شدہ ہے، ذرا حصہ اول طبع چہارم کا صفحہ نمبر ۲۸ کھول کر ذیل کی عبارت پر نظر ڈالئے:

"حوا کی پیدائش کس طرح ہوئی؟ قرآن عزیز میں اس کے متعلق صرف اسی قدر مذکور ہے، وخلق منها زوجها اور اس (نفس) سے اس کے جوڑے کو پیدا کیا، یہ نظم قرآنی "حوا" کی پیدائش کی حقیقت کی تفصیل نہیں بتاتی، اس لئے دونوں احتمال ہو سکتے ہیں، اول یہ کہ "حوا" حضرت آدم کی پسلی سے پیدا ہوئی ہوں، جیسا کہ مشہور ہے، اور "بائبل" میں بھی اسی طرح مذکور ہے دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کو اس طرح پیدا کیا کہ مرد کے ساتھ اسی کی جنس سے ایک دوسری مخلوق بھی بنائی جس کو عورت کہا جاتا ہے اور جو مرد کی رفیقۂ حیات بنتی ہے۔

آیت کی تفسیر میں محققین کی رائے اس دوسری تفسیر کی جانب مائل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن عزیز صرف حضرت "حوا" کی تخلیق کا ذکر نہیں کر رہا ہے، بلکہ "عورت" کی تخلیق کے متعلق اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے کہ وہ بھی مرد ہی کی جنس سے ہے اور اسی طرح مخلوق ہوئی ہے البتہ "بخاری و مسلم" کی روایتوں میں یہ ضرور آتا ہے کہ عورت "پسلی" سے پیدا ہوئی ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

استوصوا بالنساء فان المرأة خلقت من ضلع (الحدیث)

عورتوں کے ساتھ نرمی اور خیر خواہی سے پیش آؤ، اسلئے کہ عورت "پسلی"

---

(۱) اور مولانا موصوف مدرسہ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی ہیں۔

سے پیدا کی گئی ہے۔

اس کا مطلب ابن اسحاق نے تو یہ روایت کیا ہے کہ "حوا" آدم کی بائیں "پسلی" سے پیدا کی گئیں، مگر "ابن اسحاق" سے زیادہ محقق اور نقاد علامہ قرطبیؒ نے اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ دراصل عورت کو "پسلی" سے تشبیہ دی گئی ہے......

لیجئے مولانا حفظ الرحمٰن تو ملحد و زندیق ہونے... اور یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ قرطبی کے الفاظ سے بقول ازہر صاحب بیچارے مضمون نگار نے زبردستی تشبیہ کے معنی لینے کی کوشش کی ہے، یا واقعی قرطبی یہی معنی بیان کرتے ہیں؟

مولانا ابوالکلام آزاد کیا فرماتے ہیں؟: اب ذرا مولانا ابوالکلام کا الحاد و زندقہ بھی ملاحظہ فرمالیں، اپنی تفسیر "ترجمان القرآن" جلد اول صفحہ ۳۲۸ تفسیر "سورۂ نساء" میں اسی آیت زیر بحث کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں:

> "اے افراد انسانی! اپنے پروردگار (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرو، وہ پروردگار جس نے تمھیں اکیلی جان سے پیدا کیا، (یعنی باپ سے پیدا کیا) اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا (یعنی جس طرح مرد کی نسل سے لڑکا پیدا ہوتا ہے اسی طرح لڑکی بھی پیدا ہوتی ہے) پھر ان دونوں کی نسل سے مردوں اور عورتوں کی بڑی تعداد دنیا میں پھیلادی۔"

حاشیہ پر مولانا نے تفسیر مشہور یعنی پیدائش حوا از آدم کا بھی ذکر کیا ہے، لیکن فرمایا ہے کہ ہم اپنی اسی تفسیر کو راجح سمجھتے ہیں، اور اسکی دلیل بعینہ وہی دی ہے جو "تفسیر المنار" میں دی گئی ہے، اور جسے آپ عنقریب ملاحظہ فرمائیں گے۔

دو مصری عالم کیا فرماتے ہیں؟: "تفسیر المنار" مصر کے مشہور عالم سید محمد رشید رضا کی تالیف ہے جس میں انھوں نے علامہ شہیر شیخ محمد عبدہ کے تفسیری نوٹ پیش کئے ہیں، یہ تفسیر "سورۂ یونس" تک رہ گئی، پھر بھی گیارہ جلدوں پر مشتمل

ہے، جلد نمبر ۴ صفحہ ۳۲۲ سے ۳۳۲ تک اسی آیۃ زیر بحث کی تفسیر و تحقیق ہے، ذرا صفحہ ۳۲۳ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

و القرینة علی انه لیس المراد هنا بالنفس الواحدة آدم قوله" و بث منهما رجالاً کثیرا ونساء" بالتنکیر و کان المناسب علی هذا الوجه ان یقول" وبث منهما جمیع الرجال والنساء"۔

اور اس بات کا قرینہ کہ یہاں (خلقکم من نفس واحدة میں نفس واحد کی مراد "آدم" نہیں ہے، یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا "اور پھیلا دیئے ہم نے زوجین سے کثیر مرد اور عورتیں۔" حالانکہ اگر مراد آدم و حوا ہوتے تو مناسب تھا کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتے کہ "پھیلا دیئے ہم نے ان سے تمام مرد اور عورتیں۔"

جائے غور ہے، وخلق منهازوجها کے متصل بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وبث منهمارجالاً کثیر ا ونساء۔ اگر نفس واحدہ سے مراد آدم اور زوج سے مراد حوا ہوتی تو "کثیر" کی بجائے "تمام" مرد اور عورتوں کا ذکر کرنا چاہیئے تھا، کیونکہ محض کثیر نہیں بلکہ سبھی انسان جملہ مرد عورت انھیں کی اولاد ہیں۔(۱)

صفحه نمبر۳۲۳ قال الاستاذالامام لیس المراد بالنفس الواحدة آدم بالنص ولا بالظاہر۔

کہا استاذ الامام نے، یہاں نفس واحدہ سے آدم مراد نہیں ہے نہ بالنص نہ بالظاہر۔

صفحه ۳۳۱ لیس المراد بالتثنیة فی قوله"منهما" آدم و حواء بل کل زوجین۔

اللہ کے قول "منهما" سے مراد آدم وحوا نہیں ہیں بلکہ ہر انسانی جوڑا ہے۔

یعنی شیخ محمد عبدہ کے نزدیک آیت زیر بحث کا مطلب وہی ہے جو مولانا ابوالکلام آزاد نے بیان کیا، یا جس کے مولانا حفظ الرحمٰن قائل ہیں، اس طرح دلاوری

(۱) یہی دلیل مولانا آزاد نے دی ہے ۱۲

صاحبان کی طرف سے انھیں ملحد و زندیق نمبر تین لکھ دیجئے، محمد رشید رضا خود بھی چونکہ اسی کے قائل ہیں، لہذا ملحد و زندیق نمبر چار وہ ہوئے۔ اللھم زد فزد۔

علامہ کازرونی کا ارشاد : ذرا تفسیر انوار التنزیل (از قاضی ناصر الدین بیضاوی) کے حاشیہ پر علامہ کازرونی کا یہ قول بھی ملاحظہ کرتے چلئے۔

وظنی ان ماذکروہ قاصر عن التوضیح للمراد والمعنی واللّٰہ اعلم (انوار التزیل مصری جلد نمبر ۲ صفحہ ۶۳)

میرا خیال ہے کہ جو کچھ ذکر کیا گیا (یعنی حوا کا آدم کی پسلی سے پیدا ہونا) وہ توضیح مراد کیلئے کافی نہیں ہے اور صحیح بات اللہ ہی کو معلوم ہے۔

اب ذرا مناسب ہو گا کہ تفسیروں کی بحث سے پہلے آپ "بخاری و مسلم" اور "مشکوٰۃ" کو دیکھتے چلیں، قرآن کی زیر بحث آیت میں "آدم و حوا" کا پیوند یہیں سے مضبوط ہوا ہے۔

بخاری کی حدیث : بخاری کتاب النکاح میں باب ہے باب المداراۃ مع النساء (باب عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کے بیان میں) حدیث یہ بیان ہوئی ہے :

المرأۃ کالضلع ان اقمتھا کسرتھا وان استمتعت بھا استمتعت بھا وفیھا عوج۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) "عورت مانند پسلی" کے ہے، اگر تو اسے سیدھا کرنا چاہے گا تو توڑ دے گا اور اگر فائدہ اٹھانا چاہے گا تو اٹھا لے گا اور اسمیں (عورت میں) کجی (ٹیڑھ) ہے۔

اس کے بعد باب ہے باب الوصاۃ بالنساء (باب عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کے بیان میں) اس میں جو حدیث بیان ہوئی ہے، اس میں پہلے تو پڑوسی کے ساتھ اچھے سلوک کی تعلیم ہے، پھر کہا گیا ہے :

واستوصوا بالنساء خیرا فانھن خلقن من ضلع وان اعوج

۱۱ شيئ فی الضلع اعلاه فان ذهبت تقیمه کسرته وان ترکته لم یزل اعوج۔

اور عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، پس وہ عورتیں پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور سب سے زیادہ ٹیڑھا پسلی کے اوپر کا حصہ ہوتا ہے، پس اگر تو اسے سیدھا کرنا چاہے گا تو توڑ دے گا اور اگر چھوڑ دے گا تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہیگی۔

یہ ہے وہ حدیث جس کے ظاہر الفاظ سے دلاوری صاحبان چار ملحد بنا چکے ہیں اور ابھی دیکھئے کتنے بنائیں گے۔

میں سب سے پہلے تو اہل علم سے یہ پوچھتا ہوں کہ کیا "بخاری" کے "ترجمۃ الباب" کی کوئی اہمیت آپ کی نظر میں نہیں ہے، کیا اگر واقعی "بخاری" نے بھی اس حدیث کا مطلب وہی سمجھا تھا جو اکثر لوگ سمجھ رہے ہیں تو حوا کی پسلی سے پیدا ہونے کا واقعہ اپنی ندرت اور انفرادیت کے باعث کیا اس لائق نہ تھا کہ "بخاری" اس کے بیان میں مستقل باب قائم کرتے، جب کہ انھوں نے بعض ابواب صرف ایک یا دو حدیث کے لئے بھی قائم کئے ہیں، جیسا کہ خود باب المداراۃ مع النساء ہے، یہ نہ کرتے تو کیا کتاب بدء الخلق (کتاب آغاز پیدائش کے بیان میں) میں بھی اس کا بیان موزوں نہ تھا، جب کہ انسان خالق اکبر کی صنعت کا شاہکار اور اشرف المخلوقات ہے، اور اس لائق ہے کہ اس کے پہلے ماں باپ کی نادر و فرد خلقت کا تذکرہ اہتمام سے کیا جائے، لیکن آپ "بخاری" جلد اول صفحہ ۴۵۳ (اصح المطابع) اٹھا کر دیکھیں اس میں کوئی ذکر "حوا" کی پسلی سے پیدائش کا نہ ملے گا، پھر اسی جلد کا صفحہ ۴۶۸ دیکھیں "کتاب الانبیاء" میں باب خلق آدم و ذریته میں یہ حدیث واحد کے صیغوں میں ملتی ہے، لیکن "بخاری" نے اسکا اپنا مستقل باب قائم نہیں کیا، ورنہ تاریخ انسانی کا یہ فرد واقعہ لازماً اس لائق تھا کہ "بخاری" خلق حوا یا اس کا ہم معنی کوئی باب قائم کر کے حدیث مذکورہ بیان کرتے۔

اور تو اور جو "بخاری" "کتاب التفسیر" میں بعض بعض آیتوں کے ضمن میں کئی

کئی حدیثیں پیش فرماتے ہیں، وہ زیر بحث آیت کو ایک سرے سے نظر انداز کر کے وان خفتم ان لا تقسطوافی الیتامی سے "سورۂ نساء" کی تفسیر شروع کرتے ہیں، حالانکہ اگر ان کے خیال میں بھی "پیدائش حوا" آدم کی پسلی سے تھی، اور حدیث مذکورہ کو وہ بجائے تشبیہ کے اصل واقعہ پر محمول کرتے تھے، تو لازماً انھیں و خلقکم من نفس واحدۃ و خلق منہازوجھا کی تفسیر میں پیش کرنا تھا، نہ کرنا بتاتا ہے کہ وہ خود اس حدیث کو تاریخی بیان پر محمول نہیں کرتے تھے، بلکہ محض تشبیہ سمجھتے تھے، اور اسی لئے انھوں نے اسے کتاب النکاح میں جگہ دی۔

کوئی اگر کہے کہ چونکہ اس حدیث میں پڑوسی اور عورت کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے اس لئے "بخاری" نے اسے کتاب النکاح میں لیا، اور چونکہ پسلی سے پیدا ہونا حوا کو آدم کی ذریت بنادیتا ہے، اس لئے باب خلق آدم و ذریتہ میں لیا، ہم کہیں گے کہ اگر واقعی یہ حدیث محض استعارہ نہیں بلکہ بقول دلاوری صاحبان قرآن کی آیت کی تفسیر ہے تو آخر "بخاری" نے اسے خلقکم من نفس واحدۃ کی تفسیر میں کیوں نہ بیان کیا، یا اس کے لئے مستقل باب کیوں نہ قائم کیا، جب کہ حدیث کے مکرر لانے کو وہ اپنا معمول بنائے ہوئے ہیں، کیا مشکل تھا کہ آیۂ مذکورہ کے ذیل میں وہ حدیث کا یہ ٹکڑا انھن خلقن من ضلع یا خلقت من ضلع بیان فرما دیتے۔

ابی بکر ہیثمی نے "مجمع الزوائد" کی دس جلدوں میں اگرچہ سب کچھ رطب ویابس جمع کر دیا ہے، لیکن "سورۃ نساء" کی تفسیر وہ بھی ان الذین یاکلون سے شروع کرتے ہیں اور زیر بحث آیت اور حدیث کو نظر انداز کر جاتے ہیں!

ذرا "بخاری" کی پہلی حدیث یعنی المراۃ کا الضلع (۱) کی تقدیم کو نظر میں رکھئے، پھر سوچئے کہ دوسری حدیث میں "بخاری" نے الفاظ کیا نقل کئے ہیں، فانھن خلقن من ضلع (وہ عورتیں پسلی سے پیدا کی گئی ہیں) اگر واقعی من ضلع کا

(۱) عورت مانند پسلی کے ہے ۱۲

مطلب یہی ہے کہ عورت پسلی سے پیدا ہوئی تو یہاں قول رسول میں صرف ایک عورت حوا کا ذکر نہیں بلکہ جمع کی ضمیر اور جمع کا صیغہ ہے تو کیا سب عورتیں پسلی سے پیدا ہو رہی ہیں ؟

اگر منصفانہ غور کیا جائے تو بخاری کی حدیث کا مطلب تب ہی درست ہو سکتا ہے جب اسے محض تشبیہ پر محمول کیا جائے، گویا جس جبلی کجی اور فطری ٹیڑھ کا بیان کیا جارہا ہے وہ سب ہی عورتوں میں علے العموم موجود ہے، ورنہ اگر بجائے "تشبیہ" کے پیدائش ہی مراد لی جائے تو پھر سب عورتوں کے بارے میں یہ کہنا کہ "پسلی" سے پیدا ہو رہی ہیں کیسی دلچسپ بات ہو گی!

عقل و واقعات کی روشنی میں دیکھئے، ظاہر ہے کہ پسلی کا ٹیڑھا ہونا فی الحقیقت نقص نہیں ہے، ایک مشین میں ٹیڑھے سیدھے گول مخروطی سب ہی طرح کے پرزے ہوتے ہیں، ہر پرزے کی ساخت اس کی ضرورت کے مطابق ہوتی ہے اور اپنی ساخت ہی کے اعتبار سے وہ صحیح کام انجام دیتا ہے، انسان ہی کے جسم میں سب طرح کے پرزے ہیں اور انکی ساخت یا شکل پر ان کی اچھائی اور برائی موقوف نہیں۔

دوسری طرف حدیث میں عورت کی جس کجی کا ذکر ہے ظاہر ہے کہ وہ جسمانی اور صورتی کجی نہیں، بلکہ "جبلی اور فطری" ہے، اس لئے پسلی کی ظاہری کجی سے عورت کی جبلی کجی کو تشبیہ دینا تو صحیح ہو سکتا ہے، لیکن عورت کی کجی پر پسلی کے ٹیڑھے ہونے کو بطور دلیل اور بطور امر واقعہ پیش کرنا بحث طلب ہے، جب کہ پسلی کی کجی فی الواقع کوئی عیب نہیں ہے۔

اور پہلو سے دیکھئے، سب انسان "رحم مادر" سے پیدا ہوتے ہیں، "رحم" کی ساخت اور ظاہری شکل ہر ماں میں ایک ہی جیسی ہوتی ہے، اس کے باوجود کچھ لوگ سنگدل ہوتے ہیں، کچھ نرم دل، کچھ احمق ہوتے ہیں، کچھ دانش مند، کچھ سلیم الطبع ہوتے ہیں، کچھ بد مزاج، ایک ہی ساخت کے "مولد" سے بے شمار جبلی اختلافات رکھنے والوں کی پیدائش ہوتی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ جبلت اور فطرت کا تعلق "

رحم" اور "شکم" کی ساخت سے کچھ نہیں، بلکہ اللہ جل شانہ ہر انسان کے خمیر میں طرح طرح کی خصوصیات ودیعت کرتے ہیں، لہذا عورت کی جبلت میں کجی اور ٹیڑھا پن رکھنے کے لئے اسے ایک ایسے عضو سے پیدا کرنا جو باعتبار ساخت ٹیڑھا ہو یعنی پسلی سے، کچھ معقول منطق نہیں معلوم ہوتی۔

اور پہلو سے دیکھیے، درخت کے ایک ناہموار اور ٹیڑھے میڑھے تنے سے آپ چیر کر عمدہ مسطح اور ہموار تختے نکالتے ہیں، کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ چونکہ یہ تختے تنے سے نکالے گئے ہیں اور تنا تھوڑا بہت ٹیڑھا ضرور ہوتا ہے اس لئے ان میں بھی لازماً ٹیڑھ باقی رہے گی۔

عجیب تاویل: ازہر شاہ نے "فتح البیان" کی عبارت نقل فرمائی ہے جس میں اس شبہ کا ازالہ کیا گیا ہے کہ جب "حوا" آدم کی اولاد ہوئیں تو ان سے "مباشرت" کیسے جائز ہوئی، صاحب "فتح البیان" کا کہنا یہ ہے کہ:

> "اس صورت میں حوا کا آدم کی بیٹی ہونا یا بہن ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ ان کی تخلیق نسل انسان کے متعارف طریقہ توالد کے خلاف تھی۔"

یہ دلیل ہم نے بعض ان تفاسیر میں بھی پڑھی ہے جن کا ہم آگے ذکر کریں گے، ہمیں حیرت ہے کہ اس طرح کی طفلانہ باتیں محض روایت کے چکر میں بڑے بڑے اہل علم لکھ جاتے ہیں، ان سے میں پوچھتا ہوں کہ آپ جو "حوا" کے آدم کی بیٹی یا بہن نہ ہونے کا ثبوت پیش فرما رہے ہیں تو "آدم و حوا" کے بعد آپ سلسلۂ عالم کیسے چلائیں گے، کیا آدم و حوا ہی کے ایک بیٹے اور ایک بیٹی نے ---- یعنی دو حقیقی بھائی بہنوں نے مباشرت کر کے اگلی نسل کا سلسلہ شروع نہیں کیا ہوگا؟ کیا آگے بھی آپ پسلی وغیرہ سے پیدا ہونے کا کوئی سلسلہ مانتے ہیں، یا اور کوئی صورت مزید خلق وولادت کی ممکن ہے؟ زیادہ سے زیادہ جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ یہی کہ بقول حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ وبعض دیگر صحابہ طریقہ یہ تھا کہ حضرت حوا کے پیٹ سے "توام" پیدا ہونے

والے لڑکے اور لڑکی کی شادی اگلی بار پیدا ہونے والے بچوں سے کر دی جاتی تھی، اول تو عقلاً یہی روایت قابل نظر ہے، پھر اسے درست مان لیں تب بھی کیا فرق پڑتا ہے، "قابیل" نے جس حسین عورت کی خاطر اپنے بھائی "ہابیل" کو قتل کیا، کیا وہ خود قابیل کی بہن نہ تھی؟ ہابیل اس سے حسب دستور شادی کر لیتا تب بھی وہ بہن تھی، نہ کرسکا تب بھی!

حقیقت یہ ہے کہ حرام و حلال کا مدار محض اجازت الٰہی پر ہے، پروردگار نے بھائی بہن کا نکاح حرام کر دیا حرام ہو گیا نہ کرتے حرام نہ ہوتا، لہذا اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ حوا، آدم کی بہن یا بیٹی تھیں تو ان کی مباشرت کے لئے خواہ مخواہ تاویلیں نکالنا لاحاصل ہے، لیکن جو لوگ پسلی سے پیدا ہونے کو درست نہیں سمجھتے وہ تو سرے سے یہ مانتے ہی نہیں کہ حوا، آدم کے بدن کا جز ہیں، بلکہ وہ تو یہی سمجھتے ہیں کہ جس طرح آدم کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا گیا اسی طرح "حوا" کو بھی پیدا کیا گیا، اب آپ کہیں کہ وخلق منها زوجها کا لازماً مطلب یہ ہے کہ زوج یعنی حوا نفس واحدہ یعنی آدم کے بدن سے ہی پیدا ہوئی ہیں تو ذرا مندرجہ ذیل آیتوں کو دیکھئے:

والله جعل لکم من انفسکم ازواجا

اور اللہ نے تمھارے لئے تمھارے نفسوں میں سے جوڑ پیدا کر دیا۔

کیا اس کا مطلب آپ یہ لیں گے کہ شوہروں کے بدن سے بیویاں پیدا کی گئیں؟

لقد جائکم رسول من انفسکم

تحقیق آیا تمھارے پاس تمھارے ہی نفسوں میں سے رسول۔

کیا اس کے معنے یہ بیان فرمائیں گے کہ رسول مخاطبین کے بدنوں سے نکلا ہے؟

الله الذی خلقکم من ضعف

وہ اللہ جس نے تمھیں ضعف سے پیدا کیا۔

کیا "ضعف" کو آپ کوئی جسم تسلیم کرینگے جس سے انسان نکلا؟

اذ بعث فیهم رسولاً منهم

جب کہ بھیجا ان میں رسول انھیں میں سے۔
کیا یہاں بھی سلسلۂ ولادت بیان فرمائیں گے ؟
خلقن من ضلع (پسلی سے پیدا کی گئیں) بالکل ایسا ہے جیسے خلق الانسان من عجل (انسان عجل ـــ جلد بازی سے پیدا کیا گیا (انبیاء۔ پارہ ۱۷) یا جیسے اللہ الذی خلقکم من ضعف (روم۔ پارہ ۲۱)
آیئے ذرا "بخاری" کی کچھ شرحیں بھی دیکھیں۔

فتح الباری: "فتح الباری" شرح بخاری جلد نمبر ۹ صفحہ نمبر ۲۰۷ (مصری) پر حافظ ابن حجر عسقلانی (ہمثی نہیں) "حدیثِ وصات" کے بارے میں فرماتے ہیں:

هذا لا يخالف الحديث الماضى تشبه المرأة بالضلع بل يستفاد من هذا نكتة التشبيه

یہ حدیث اس گذشتہ حدیث کے مخالف نہیں ہے جس میں عورت کو پسلی سے تشبیہ دی گئی ہے بلکہ نکتہ تشبیہ کو ہی اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔
ہم یہ نہیں کہتے کہ حافظ ابن حجر پسلی سے پیدائش کے منکر ہیں، بلکہ یہ دکھانا مقصود ہے کہ "حدیث بخاری" کو "تشبیہ" پر محمول کرنے والے ان کے نزدیک بھی زندیق و ملحد نہیں ہیں، اور وہ خود اس حدیث کی شرح میں تشبیہ کا سہارا لینے پر مجبور ہوئے ہیں، چنانچہ آگے وان اعوج شئ فى الضلع اعلاه کے بارے میں فرماتے ہیں:

و يحتمل ان يكون ضرب ذالك مثلا لا على المراة لان اعلاها راسها و فيه لسانها وهو الذى يحصل منه الاذى ص ۲۰۷
اور احتمال رکھتی ہے یہ عبارت حدیث کہ بطور مثال کے بولی گئی ہو عورت کے بالائی حصے کے واسطے کیونکہ بالائی حصہ اسکا سر ہے اور سر میں زبان ہوتی ہے اور زبان وہ چیز ہے کہ اس سے تکلیف پہنچتی ہے۔

اس سے زیادہ صراحت "فتح الباری" ہی میں "کتاب الانبیاء" صفحہ ۲۶۲ جلد نمبر ۶ پر دیکھئے، ابن حجر اسی امکان واحتمال کا ذکر فرماتے ہیں جس پر یہاں بحث ہو رہی ہے۔ الفاظ یہ ہیں :

او الاشارة الی انها لاتقبل التقویم کما ان الضلع لایقبله

یا (حدیث میں) اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ عورت تقویم (سیدھے کئے جانے کو) اسی طرح قبول نہیں کرتی جس طرح پسلی تقویم قبول نہیں کرتی۔

گویا وہی خیال جسے دلاوری صاحبان نے الحاد و زندقہ قرار دیا ہے، حافظ ابن حجر کے نزدیک نہ صرف ممکن بلکہ قابلِ ذکر اور بالاتر از گمراہی ہے۔

ارشاد الساری : امام قسطلانی کی "ارشاد الساری شرح بخاری" جلد نمبر ۸ صفحہ ۸۷ (مصری) ملاحظہ ہو :

(خلقن من ضلع) کے بارے میں فرماتے ہیں :

والضلع استعیر للمعوج ای خلقن من اصل معوج وقیل اراد به ان اول النساء حواء خلقت من ضلع آدم

اور "ضلع" بطور استعارے کے ایسی چیز کیلئے استعمال کیا گیا ہے جس میں کجی ہو، یعنی عورتیں ایسی تخلیق ہیں کہ اس میں پیدائشی طور پر کجی ہے اور گویا کہ وہ ایک ٹیڑھی اصل سے پیدا شدہ ہیں، اور کہا گیا ہے کہ اسکا یہ مطلب ہے کہ سب سے پہلی عورت "حوا" آدم کی پسلی سے پیدا کی گئی۔

امام قسطلانی کی اپنی رائے بالکل ظاہر ہے، وہ پسلی سے پیدا ہونے کو محض استعارہ سمجھتے ہیں امر واقعہ نہیں، وقیل کہنے سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ان کے نزدیک پسلی سے پیدائش کو امر واقعی سمجھنا مرجوح اور ضعیف ہے۔

اس طرح کے استعارے کی مثالیں آپ کو خود اردو زبان میں کتنی ہی مل جائیں گی، آپ مثلاً کسی سنگدل اور بے رحم آدمی کے متعلق کہتے ہیں ـــ "وہ بالکل پتھر

ہے!" جس طرح ضلع (پسلی) کی صفت ظاہری "ٹیڑھے پن" سے عورت کی جبلی کجی کو تشبیہ دی گئی، ٹھیک اسی طرح آپ نے پتھر کی ظاہری صفت سختی اور صلابت سے اس شخص کی جبلی سختی اور صلابت کو تشبیہ دی، یا مثلاً ایک نازک مزاج اور زودرنج شخص کے لئے آپ کہتے ہیں۔۔۔۔ وہ بالکل چھوئی موئی ہے! یہاں بھی ٹھیک پسلی والا ہی استعارہ ہے۔

یا مثلاً آپ زید کی حماقت کا مختصر تعارف ان لفظوں میں کراتے ہیں۔۔۔۔ زید تو بالکل گدھے کا بچہ ہے! کیا "بچہ" کا مطلب یہاں کوئی یہ لے سکتا ہے کہ زید کی ولادت گدھے سے ہوئی ہے؟ کسی بد سیرت آدمی کو آپ بلا تکلف "ابلیس زادہ" کہہ ڈالتے ہیں کیا کوئی بعید تصور بھی اس میں سلسلۂ توالد وتناسل کا ہوتا ہے؟۔

عمدۃ القاری: علامہ بدرالدین عینی کی "عمدۃ القاری" شرح بخاری دیکھئے، جلد نمبر ۹ صفحہ ۴۶۳ (مصری) پر فرماتے ہیں:

فانهن خلقن من ضلع واستعير الضلع للعوج اے خلقن خلقاً فيه اعوجاج فكا نهن خلقن من اصل معوج فلا يتهياء الانتفاع بهن الابمدا راتهن والصبر على اعوجاجهن۔

(حدیث انهن خلقن من ضلع میں) پسلی سے کجی کے لئے استعارہ کیا گیا ہے، یعنی عورتوں کی خلقت ہی ایسی ہے کہ اس میں کجی ہے، پس گویا کہ وہ ایک ٹیڑھی اصل سے پیدا ہیں، پس ان سے فائدہ اٹھانے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ حسن سلوک اختیار کیا جائے اور ان کی کجی پر صبر سے کام لیا جائے۔

فرمایئے عینی کس نمبر کے زندیق ہوئے؟ غالباً پانچ نمبر۔۔۔۔ کیونکہ چوتھا قسطلانی کا ہے۔

اب چھٹے نمبر پر میں ایسا نام پیش کروں گا جس سے ناظرین کانپ جائیں گے، اور دلاوری صاحب ان کو اگر ذرا بھی خوف آخرت ہوگا تو شرم سے پانی پانی ہو جائیں

گے۔

ملاحظہ ہو علامہ عینی کی شرح بخاری ("عمدۃ القاری") جلد نمبر ۷ صفحہ نمبر ۳۱۵ کتاب الانبیاء مطبوعہ مصر، فرماتے ہیں :

قال الربیع ابن انس خلقت حواء من طینة آدم واحتج بقوله تعالی هوالذی خلقکم من طین۔

کہا ربیع ابن انس نے پیدا کی گئی حوا آدم کی مٹی سے اور استدلال کیا اللہ تعالیٰ کے قول هوالذی خلقکم من طین سے (وہ اللہ جس نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا)۔

ابھی آپ پوری طرح بات نہیں سمجھے ہوں گے، دیکھئے ذرا مکرر غور سے "عینی" کی عبارت پڑھ کر دیکھیں کہ جو قول "پیدائش حوا" کے بارے میں مودودی نے کیا تھا وہی ربیع ابن انس بھی کر رہے ہیں، یا نہیں؟ اگر کر رہے ہیں تو دلاوری صاحبان کے نزدیک وہ بھی یعنی ربیع ابن انس بھی ملحد و زندیق ٹھیرے۔ ونعوذ باللّٰه من ذالك۔

اب سنئے! ربیع ابن انس کون ہیں؟ جلیل القدر تابعی، خیر القرون ہی کے ایک قرن میں پیدا ہونے والے محترم بزرگ، حافظ ابن حجر عسقلانی (ہیثمی نہیں!) کی زبانی ان کا تعارف سنئے، حافظ موصوف اپنی مشہور کتاب "تھذیب التھذیب" میں جلد نمبر ۳ صفحہ نمبر ۲۳۸ (مطبوعہ حیدر آباد، بخط مصری) فرماتے ہیں :

ربیع ابن انس البکری روی عن انس بن مالك وابی العالیه والحسن البصری وغیرهم..... وعنه ابو جعفر الرازی والاعمش وسلیمان التیمی وابن المبارك وغیرهم قال العجلی البصری هوصدوق وقال النسائی لیس به باس قال ابن سعدمات فی خلافة ابی جعفر المنصور ذکره ابن حبان فی الثقات۔

ربیع ابن انس البکری روایت کرتے ہیں انس بن مالک اور ابوالعالیہ اور

حسن بصری وغیرھم سے اور خود ربیع ابن انس سے ابو جعفر الرازی اور اعمشؒ اور سلیمان التیمی اور ابن مبارک وغیرھم روایت کرتے ہیں کہا عجلی البصری نے ربیع ابن انس بہت سچے ہیں اور کہا نسائی نے ربیع ابن انس سے روایت لینے میں کوئی خوف و مضائقہ نہیں ہے، کہا "ابن سعد" نے انکی موت ابو جعفر المنصور کے دور خلافت میں ہوئی، ابن حبان نے ربیع بن انس کا ذکر ثقات (بالکل قابل اعتماد) لوگوں میں کیا ہے۔

ناظرین یہ بھی جان لیں کہ محدثین کے یہاں سلسلۂ روایت میں کسی شخص کو بغیر مکمل اعتماد و اطمینان کے "ثقہ" نہیں کہا جاتا اور ان کے نزدیک جو شخص "ثقہ" ہو سمجھ لیجئے کہ سچائی، زہد و تقویٰ، معتدل مزاجی، احتیاط اور دین داری میں اس کا پایہ کافی بلند ہے۔

اب اندازہ فرمایئے کہ دلاوری صاحبان کا وہ تیر جو مودودی صاحب کو شکار کرنے کے لیے چلایا گیا تھا اس بلند مرتبہ "تابعی" تک کا سینہ چھید گیا ہے، جس کی "ثقاہت" پر محدثین گواہی دیتے ہیں، کیا یہ بات ایک مومن کو کپکپا دینے کے لئے کافی نہیں؟

کیا اس کے بعد بھی مودودی کے دشمن یہ نہیں سوچیں گے کہ ایک ناک کی خاطر وہ کتنی ناکیں کاٹے لے رہے ہیں؟

فیض الباری: ازہر شاہ صاحب کے والد محترم علامہ انور شاہ صاحبؒ کا حال "فیض الباری" شرح بخاری میں دیکھئے، وہ کتاب النکاح میں ایک سرے سے اس بحث کو لیتے ہی نہیں کہ عورتیں پسلی سے پیدا ہوئی ہیں، بلکہ دونوں حدیثوں کے ضمن میں صرف مندرجہ ذیل بہترین اصول بیان کر کے بات ختم کر دیتے ہیں، (حدیث مدارات ووصات)

ویستنبط منه ان نظاماً اذا حتوی علی خلل و کان فی

اصلاحه خشية النقض راساً ناسب ترك التعرض عنه والا ستمتاع به فان تعذر فترکه اولی (فیض الباری جلد ۴ صفحہ ۳۰۱ مصری)

اس حدیث سے یہ نکلتا ہے کہ اگر کوئی نظام کسی نقص و خلل پر استوار کیا گیا ہو اور اس خلل کو دور کرنے میں ایک سرے سے نظام ہی کی شکست و ریخت کا اندیشہ ہو تو مناسب یہ ہے کہ اس کو دور کیے بغیر ہی اس سے ممکنہ فائدہ اٹھایا جائے پس اگر فائدہ اٹھانا ممکن نہ ہو تو ترک بہتر ہے۔

خیال فرمایئے اگر علامہ انور شاہ صاحبؒ واقعۂ حدیث بخاری کو تخلیق حوا کے بے مثال و منفرد واقعۂ مشہورہ پر محمول فرماتے تو کیا اس کا ذکر تک پسند نہ کرتے، جو اصول آپ نے مستنبط فرمایا ہے وہ بجائے خود یہ سمجھا رہا ہے کہ حضرت حدیث زیر بحث کو تشبیہ و استعارے پر ہی محمول فرماتے تھے۔

<u>تیسیر القاری</u>: مولانا نورالحق محدث دہلوی اپنی فارسی شرح بخاری "تیسیر القاری" (مطبوعہ مطبع علوی لکھنؤ) میں جلد پنجم صفحہ ۸۶ پر لکھتے ہیں:

فانهن خلقن من ضلع پس بہ تحقیق ایں زناں پیدا کردہ انداز کجی، یعنی سرشت ایشاں ایں چنیں ست و مخلوق بہ کجی شدو دفع آں متصور نیست۔

پس بہ تحقیق یہ عورتیں کجی سے پیدا کی ہوئی ہیں، یعنی ان کی فطرت و جبلت اس طرح کی ہے اور ٹیڑھے پن سے بنی ہے اور مٹنا اس ٹیڑھے پن کا ممکن نہیں ہے۔

فرمایئے کیا مولانا نورالحق محدث دہلوی ملحد و زندیق نمبر ۶ نہیں ٹھیرے؟

<u>مسلم کی حدیث</u>: آیئے ذرا مسلم کو بھی دیکھیں، یہ بھی اس حدیث کو کتاب النکاح ہی میں رکھتے ہیں۔ عنوان ان کا بھی "بدء الخلق" یا "خلقت حوا" وغیرہ نہیں، بلکہ باب الوصية بالنساء ہے۔ الفاظ حدیث یہ ہیں:

ان المرأة خلقت من ضلع

تحقیق عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔

یہاں بے شک صیغۂ واحد ہے، لیکن کیا اہل علم و زبان نہیں جانتے کہ اس طرح کے مواقع پر ہمیشہ جنس مراد ہوتی ہے، جیسے کہا جاتا ہے "عورت ناقص العقل ہے"۔ جنس عورت مراد ہوتی ہے نہ کہ کوئی خاص عورت یا مثلاً کہتے ہیں "گورے کو کالے پر، عربی کو عجمی پر، کوئی فضیلت نہیں" ہر گورا اور ہر عربی مراد ہوتا ہے نہ کہ کوئی خاص شخص، ایسی کتنی ہی مثالیں آپ روزمرہ کی بول چال اور تحریر میں دیکھ لیں، اگر واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد المرأۃ سے "حوا" ہوتی تو ان المرأۃ کی جگہ ان حوا کا موقع تھا، آخر غور تو کیجئے "انبیاء گذشتہ کے خاص واقعات، عالم غیب کی خاص خبریں، حوض، پل صراط، کوثر اور اس طرح کی دسیوں چیزوں کا حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا تو اہمیت اور استقلال کے ساتھ، لیکن "حوا" کی پیدائش اگر پسلی سے ہی ہوئی تھی تو کیا یہ واحد و نادر واقعہ اس لائق نہ تھا کہ حضور بالکل ضمنی طور پر بیان کرنے کے عوض مستقلاً بیان فرماتے "مسلم" کی پیش نظر حدیث میں آگے جو تفصیل ہے وہ کلیتاً عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں ہے اور "بخاری" کی حدیث میں پہلے یہ ہے:

من كان يومن بالله و اليوم الاخر فلا يوذی جاره واستوصوا بالنساء خيرا.

جو شخص اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ ہمسایہ کو تکلیف نہ پہنچائے اور حسن سلوک کرے عورتوں کے ساتھ ....

اس کے بعد فانهن خلقن من ضلع ہے اور اس کے بعد مزید ایسی عبارت ہے جو پسلی سے پیدا ہونے کی ندرت کے قطعاً مطابق نہیں بلکہ عورتوں کی جبلت کے بارے میں ہے، تو آخر یہ کیا معاملہ ہے کہ حضور خبر پیدائش کو قطعاً ذیلی اور ضمنی بنا رہے ہیں؟ بخاری کی باب المداراۃ والی حدیث خود اس بات کا ثبوت ہے کہ المراۃ سے مراد "حوا" نہیں بلکہ جنس عورت ہے، یہی جنس مسلم کی حدیث میں ہے۔

اکمال المعلم: اکمال المعلم شرح مسلم ملاحظہ فرمایئے، امام ابی عبداللہ جلد نمبر ۴ صفحہ ۱۰۰ پر حدیث مذکور کی شرح میں فرماتے ہیں :

ویحتمل انه تمثیل اے مثل ضلع فهی کا لضلع ویشهدله قوله لن تستقیم لك علی طریقة الخ

اور احتمال ہے کہ یہ محض تمثیل ہو یعنی عورت مانند پسلی کے ہے اور اس احتمال کی دلیل روایت "مسلم" کے یہ الفاظ ہیں "لن تستقیم لك علی طریقة الخ

واضح رہے کہ "یحتمل" سے یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ اردو محاورے کے مطابق عربی میں اسے محض امکان اور بعید احتمال کے لئے بولا جاتا ہے بلکہ عربی میں اس کا استعمال بارہا اغلب وراجح کے لئے بھی ہوتا ہے جس کی مثال حافظ ابن حجر کا یہ قول ہے :

ویحتمل ان یکون المراد بکسره الطلاق (فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۰۷)

اور احتمال ہے کہ " بکسره " سے مراد طلاق ہو۔

مسلم کی روایت میں صراحۃً موجود ہے کہ وکسرها الطلاق (یعنی اگر تو عورت کی کجی کو سیدھا کرنا چاہے گا تو اسے توڑ دے گا، اس توڑنے کا مطلب "طلاق" ہے) اسی طرح "کسرھا" کی مراد صراحۃً اور یقیناً طلاق ہی ہوئی مگر حافظ ابن حجر نے اس کے بیان میں بھی "یحتمل" کا لفظ استعمال کیا ہے۔

شرح اکمال المعلم: علامہ سنوسی شرح "اکمال المعلم" میں جلد نمبر ۴ صفحہ ۹۹ پر یہی ابی عبداللہ والی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

اختلف متی خلقت من ضلع آدم قیل قبل دخول الجنة وقیل فی الجنة

اس میں اختلاف ہے کہ "حوا" کب پسلی سے پیدا ہوئیں، آدم کے دخول

جنت سے پہلے یا جنت میں ؟

گویا سنیوسی نے امام ابی عبداللہ کے بیان کردہ احتمال کو تسلیم کرنے کے بعد مذکورہ الفاظ ان لوگوں کے اظہار مدعا میں لکھے ہیں جو پیدائش کو "پسلی" سے مانتے ہیں' افسوس علامہ شبیر احمد عثمانیؒ "فتح الملہم" میں اس مقام تک نہ پہنچ سکے، ورنہ انکی تصریحات اس موضوع پر بڑی معرکہ آرا ہوتیں۔

مرقاۃ المفاتیح : آیئے مشکوٰۃ کو بھی دیکھتے چلیں اگرچہ اس کی کوئی ذاتی اور مستقل حیثیت نہیں کیونکہ اس کے مؤلف تو محض ناقل ہیں، لیکن مزید تنقیح کے لئے ہلکی سی نظر ڈال لیجئے۔

ملا علی قاری اپنی شرح مشکوٰۃ "مرقاۃ المفاتیح" میں جلد نمبر ۳ صفحہ ۲۶۰ (مصری) پر لکھتے ہیں :

(فانهن خلقن من ضلع) بكسر الضادو فتح اللام واحد الاضلاع وهو عظم معوج استعير للمعوج صورة او معنى اى خلقن خلقا فيه اعوجاج فكا نهن خلقن من اصل معوج۔

(ضلع) ضاد کے زیر اور لام کے زبر کے ساتھ، اضلاع کا واحد، وہ ایک ٹیڑھی ہڈی ہے، استعارہ کیا گیا ہے صوری یا معنوی کجی کے لئے یعنی عورتوں کی جبلت ہی میں کجی ہے پس گویا کہ وہ ٹیڑھی اصل سے پیدا کی گئی ہیں۔

فرمایئے کیا ملا علی قاری بھی محض استعارہ و تشبیہ کا قول نہیں کر رہے ؟ پھر ان کا نمبر کیا ہوا۔۔۔۔۔۔ یعنی زندیق و ملحد نمبر ؟

آگے چلئے، حدیث "مسلم" کے سلسلہ میں فرماتے ہیں۔ (یہی صفحہ)

عن ابى هريرة (قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان المراة) اے اصلها و جنسهااو امها (خلقت من ضلع) اے من اضلاع آدم اومن عوج ونظيره قوله تعالى خلق الانسان من عجل۔

ان المراۃ یعنی عورت کی اصل اور جنس یاماں، پیدا کی گئی "پسلی" سے یعنی آدم کی پسلیوں میں سے ایک "پسلی" سے یا پیدا کی گئی کجی سے اور کجی سے پیدا کی جانے کی نظیر اللہ کا یہ قول ہے خلق الانسان من عجل۔

ملاحظہ فرمایئے، روایت مسلم کی المراۃ کی مقدم تشریح ملا علی قاری اصل اور جنس سے کر رہے ہیں اور ماں یعنی "حوا" کی تشریح "یا" کہہ کر موخر کر رہے ہیں، بعدہ ضلع کو عوج کے معنی میں لے کر یعنی پسلی کو کجی کے معنی میں لے کر کتاب اللہ سے دلیل بھی اسی کے مطابق لا رہے ہیں۔

کہئے کیا یہی ہے وہ "نص اور مسلمہ حقیقت" جس پر دلاوری صاحبان کی موشگافیاں مبنی ہیں؟

تفسیر ابن جریر: آیئے ذرا قدیم تفسیروں کو بھی دیکھیں لیکن اس سے پہلے یہ ایک بار آپ اور یاد کر لیں کہ ہمارا اختلاف کیا ہے؟ ہم یہ نہیں ثابت کرنا چاہ رہے کہ "حوا" کو آدم کی پسلی سے پیدا ماننا غلط یا زندقہ ہے، ہم تو صرف اتنا بتانا چاہ رہے ہیں کہ حوا کی پسلی سے پیدائش قرآن کی نص یا حدیث کا عقیدۂ صریحہ نہیں، اور اس سے انکار یا اس میں تذبذب کے لئے اتنی معقول و کثیر وجوہات موجود ہیں کہ دلاوری صاحبان کا فتویٰ الحاد و زندقہ محض ان کی جہالت اور کور چشمی کے سوا کچھ نہیں۔

ازہر شاہ دارالعلوم فروری ۵۶ء صفحہ ۷ کالم نمبر ۲ پر فرماتے ہیں:

"سدی، سعید، مجاہد، قتادہ بھی کہتے ہیں کہ حوا کی تخلیق آدم کی ضلع سے ہوئی۔ دیکھئے تفسیر ابن جریر طبری۔"

ازہر شاہ یہ تو بتا گئے، لیکن یہ نہ بتایا کہ ابن جریر نے "پسلی" سے پیدا ہونے کی روایتوں سے پہلے الفاظ کیا کہے ہیں، ابن جریر لکھتے ہیں:

قال اهل التاویل امزاتها حوا، اس کے بعد انھوں نے روایات مذکورہ

بیان کی ہیں، کیا "قال اهل التاویل" کے الفاظ اس حقیقت کے گواہ نہیں کہ "عورت" سے مراد "حوا" لینا محض "تاویل" ہے "نص" نہیں، مجاہد و قتادہ وغیرہ کی روایتوں سے کوئی حکم منصوص ثابت نہیں ہوتا، ذرا یہ لطف سن لیجئے کہ:

ان حوا خلقت من ضلع آدم الاقصر الایسر وھو نائم

حوا آدم کی بائیں چھوٹی پسلی سے پیدا کی گئیں جبکہ آدم سوئے ہوئے تھے۔

یہ روایت ابن عباسؓ کی طرف منسوب ہے، جیسا کہ ابن حجر نے بھی "فتح الباری" میں لکھا ہے، اب تفسیر ابن عباس کو اٹھا کے دیکھیں، ابن عباس آیہ خلقکم کی تفسیر میں نفس واحدہ سے "آدم" اور زوجھا سے مراد اگرچہ "حوا" ہی لیتے ہیں لیکن پسلی سے پیدا ہونے کا کوئی ذکر نہیں کرتے، حالانکہ اگر "بخاری و مسلم" میں وارد حدیثیں واقعتہً ان کے نزدیک تاریخی واقعے اور تکوینی امر کی حامل تھیں تو آیۂ مذکورہ کی تفسیر سے بہتر کون سی جگہ تھی "پسلی" سے پیدا ہونے کا ذکر کرنے کی؟

روح المعانی: شہاب الدین آلوسی اپنی تفسیر "روح المعانی" جز نمبر ۳ صفحہ ۱۶۱ پر لکھتے ہیں:

وانکر ابو مسلم خلقتھا من الضلع لانه سبحانه قادر علی خلقھا من التراب فای فائدة فی خلقھا من ذالك

ابو مسلم نے "حوا" کے پسلی سے پیدا ہونیکا انکار کیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے مٹی سے پیدا کرنے پر قادر ہے تو کیا فائدہ "پسلی" سے پیدا کرنے میں؟

ازہر صاحب کہتے ہیں کہ ابو مسلم اصفہانی معتزلی ہیں، چلئے مان لیا، لیکن کیا صاحب "روح المعانی" نے بھی انھیں ان کے انکار پر ملحد و زندیق ٹھیرایا؟ کیا کوئی بات محض اس لئے غلط ہونی لازمی ہے کہ وہ کسی معتزلی نے کہدی ہے؟

ذرا توجہ فرمایئے، نفس واحدہ سے "اکیلی جان" اور "زوج" سے جنس عورت مراد لینا تو ایک طرف رہا، اس سے بھی عجیب و مختلف تفسیریں موجود ہیں، ملاحظہ ہو

بحر المحیط (لابن حیان اندلسی) جز نمبر ۳ صفحہ ۱۵۵۔

ومن غريب التفسيرانه عنى بالنفس الروح المذكورة فيما قيل انه قال عليه الصلوة والسلام ان الله خلق الارواح قبل الاجسام بكذاوكذا سنة وعنى بزوجه البدن وعنى بالخلق التركيب.

ایک کمیاب تفسیر یہ بھی ہے کہ "نفس واحدۃ" سے وہ روح مراد لی جائے جس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں ہے کہ اللہ نے روحوں کو جسموں سے اتنے اتنے پہلے پیدا کیا، اور "زوج" سے مراد بدن لیا جائے، اور "خلق" سے مراد روح وبدن کی ترکیب۔

"ابن حیان" نے اس نادر تفسیر کرنے والوں کو بھی ملحد و زندیق نہیں کہا، بلکہ صرف اتنا کہا:

هذا مخالف لكلام المتقدمين

یہ سلف کے کلام کے خلاف ہے۔

بحر المحیط: اور خود ابن حیان کی جو رائے ہے وہ بھی دیکھیے:

يحتمل ان يكون ذلك على جهة التمثيل لاضطراب اخلاقهن وكونهن لايثبتن على حالة واحدة لے صعبات الرأس فهي كالضلع العوجاء كماجاء خلق الانسان من عجل ويويد هذا التاويل قوله ان المرأة فاتي بالجنس ولم يقل ان حواء (بحرالمحيط جز ۳ ص ۱۵۳)

احتمال ہے کہ (حدیث میں پسلی سے پیدائش کا ذکر) بطور تمثیل کے ہو بسبب عورتوں کے غیر قائم اخلاق کے اور بسبب ان کے ایک حالت پر قائم نہ رہنے کے یعنی قوی المزاج نہ ہونے کے، پس وہ مانند "پسلی" کے ہیں کجی میں جیسا کہ اللہ کا قول خلق الانسان من عجل اور اسی کی تائید (روایات مسلم کے الفاظ ان المرأة) سے ہوتی ہے، کیونکہ یہ لفظ بطور جنس استعمال ہوا ہے اور یہ نہیں کہا گیا کہ ان حواء (خلقت من ضلع)

جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں یحتمل کے معنی محض امکان کے ہیں، خود یہاں بھی ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ ابن خیان روایت مسلم کے تمثیلی ہونے پر دلائل قائم فرما رہے ہیں، گویا اغلب اور راجح واقویٰ ان کے نزدیک تمثیل ہی ہے نہ کہ واقعۂ پسلی سے پیدائش۔

درمنثور: ازہر شاہ نے "درمنثور" کا بھی حوالہ دیا ہے، لیکن ذرا "درمنثور" میں بیان شدہ ذیل کی روایات پر بھی نظر ڈالئے:

واخرج عبد ابن حميد وابن المنذر عن ابن عمروقال خلقت حواء من خلف ادم الايسر و خلقت امراة ابليس من خلفه الايسر واخرج ابن ابی حاتم عن الضحاك و خلق منها زوجها قال خلق حوا من آدم من ضلع الخلف وهوا سفل الاضلاع (درمنثورجز نمبر۲ صفحه ۱۱۶ مصری)

تخریج کی عبد بن حمید اور ابن المنذر نے ابن عمرو سے کہ انھوں نے کہا "حوا" آدم کے خلف (؟) سے بائیں طرف سے پیدا کی گئی ہیں اور ابلیس کی عورت (؟) ابلیس کے خلف الایسر (؟) سے اور تخریج کی ابن ابی حاتم نے "ضحاک" سے، کہ انھوں نے کہا "حوا" آدم کی ضلع الخلف سے پیدا کی گئیں جو سب سے نچلی پسلی ہے۔

ذرا اندازہ کیجئے بات "پسلی" سے بڑھ کر "خلف" تک پہنچ گئی "خلف" سے کیا مراد ہے اسے "رواۃ جانیں" ہم تو صرف اتنا کہیں گے کہ جس طرح ظہور مہدی کے سلسلہ میں روایات "عترت رسول" سے بڑھ کر، اولادِ فاطمہ تک پہنچ جاتی ہیں، اسی طرح "پسلی" کے معاملہ میں بھی تعینات بڑھ رہے ہیں، اور ابلیس کی عورت (؟) کی پیدائش "پسلی" سے گویا "پسلی" کی پیدائش نمبر دو ہے!

روایات کا ایسا ہی رطب و یابس سلسلہ تو ہے جو قرآن و سنت کی تصریحات کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے، روایات پیدائش میں "دائیں پسلی" تک کی روایت موجود

ہے۔

تفسیر کبیر : امام رازی نے اپنی "تفسیر کبیر" میں بھی ابو مسلم اصفہانی کا "انکار" نقل کیا ہے، لیکن نہ ملحد کہا، نہ زندیق بلکہ محض اتنا کہا:

قال القاضی والقول الاول اقوی (جز نمبر ۳ صفحہ ۱۳۱ مصری)

کہا ہے قاضی نے پہلا قول زیادہ مضبوط ہے۔

اور اس سے قبل کہا:

وھوالذی علیه الاکثرون

اس قول اول پر اکثریت ہے۔

اس سے بھی ظاہر ہے کہ اختلاف "الحاد و زندقہ" کا نہیں "قلت و کثرت" کا ہے۔

تفسیر الجواہر : علامہ طنطاوی اپنی تفسیر "الجواہر" میں جز نمبر ۳ صفحہ ۵ پر فرماتے ہیں:

واعلم ان خلق آدم و حوا لیس ھناك دلیل قطعی علی کیفیته القرآن اتی به مجملاً علی مقتضی۔

جان لو کہ "آدم و حوا" کی پیدائش اور کیفیت پیدائش کے لئے یہ آیت (آیہ خلقکم الایہ) دلیل قطعی نہیں ہے، قرآن اپنے مقتضی کے لئے یہاں بالکل مجمل ہے۔

ازہر شاہ کے اس دعوے سے کہ "حوا کی پیدائش آدم کی پسلی سے،، قرآن سے بلاشک وشبہ ثابت ہے، طنطاوی کی مذکورہ عبارت کا مقابلہ کر کے دیکھئے!

ازہر شاہ صفحہ ۳۸ کالم نمبر ۲ پر رقم طراز ہیں:

"اور قرطبیؒ نے بھی نہ کسی شدت کے ساتھ یہ رائے ظاہر کی ہے اور نہ

انھوں نے اپنی رائے کے ساتھ کچھ دلائل دیئے ہیں۔"

قرطبی کی جو رائے ہے وہ آپ مولانا حفظ الرحمٰن کی عبارت میں دیکھ چکے، اب یہ دیکھئے کہ جن تفسیروں کا از ہر شاہ ذکر کرتے ہیں، ان میں اکثر بلا دلیل ہی بات کہی گئی ہے، "شوکانی کی فتح القدیر" میں نہ تو "پسلی" کا کوئی ذکر ہے نہ (خلقت حوا من آدم) پر کوئی دلیل ہے، اسی طرح تفسیر ابن عباس میں قطعاً دلیل نہیں "نیل الاوطار" بھی دلیل سے خالی ہے "سنن کبریٰ" کی خبر نہیں کہ اس میں سے وہی جز غائب ہے جس میں یہ بحث ہونی چاہیئے۔ تعلیق الصبیح (شرح مشکوٰۃ) میں بھی کوئی دلیل مذکور نہیں۔

علامہ طنطاوی "تفسیر جواہر" جز نمبر ۳ صفحہ نمبر ۵ پر فرماتے ہیں کہ:

"آسمانی کتابوں نے صرف یہ بتایا ہے کہ ہمارے ماں باپ کون تھے، اور اس سے زیادہ چھان بین سے ہمیں نجات دے دی ہے، اب اس کے بارے میں بحثیں عقلی گرماگرمی تو پیدا کر سکتی ہیں، لیکن جو کچھ بھی اس کے بارے میں آدمی فیصلہ کرے گا اس کا مطابق حقیقت اور امر واقعہ ہونا مشکوک ہے۔"

اگر ہم نے "طنطاوی" کی مراد بیان کرنے میں کچھ تحریف کی ہے تو کتاب ملاحظہ فرمائی جائے حوالہ اوپر موجود ہے، غور کیجئے دلاوری صاحبان کا یہ دعویٰ کتنا بودا رہا کہ "پیدائش حوا" از ضلع آدم نص اور بے ریب و شک ہے!

فتدبر!: ایک بار پھر غور کیجئے، ایک طرف تو اللہ کی سنت جاریہ یہ ہے کہ انسان کو ولادت کے متعین طریقہ پر پیدا کرتا ہے، اس میں کوئی استثنا سوائے "آدم و حوا" کے نہیں، دوسری سنت جاریہ یہ ہے کہ ہر چیز چھوٹی شکل میں پیدا کرتا ہے پھر اسے تدریجاً بڑھاتا ہے، یہ نہیں ہوتا کہ رحم مادر سے اک دم جوان آدمی نکل پڑے، یا بیج سے اکدم پورا درخت پھوٹ جائے، سلسلۂ پیدائش کو دنیا کی کسی بھی نوع اور جنس میں دیکھ لیجئے یہی قانون قدرت ملے گا، اب یا تو یوں کہیے کہ جس طرح بالفاظ قرآن ولقد خلقنا

الانسان من صلصال من حماء مسنون (اور یقیناً ہم نے خمیر اٹھائے ہوئے گارے سے انسان کو پیدا کیا جو خشک ہو کر کھڑ کھڑانے لگتا ہے) حضرت آدم پوری قدو قامت کے ساتھ تخلیق کئے گئے، اسی طرح ''حوا'' بھی پوری قدو قامت کے ساتھ تخلیق کی گئیں، ورنہ ''پسلی'' سے پیدا ہونا اور جوان العمر پیدا ہونا ایسا دعویٰ ہے جو اللہ کے دوائمل اور جاوداں قانونوں کو توڑتا ہے، اسے تسلیم کرانے کے لئے حد درجہ قوی اور صریح دلیلوں کی ضرورت ہے، حضرت مریم کے پیٹ سے ایک شخص بغیر باپ کے پیدا ہوتا ہے، اگر قرآن اور رسول اللہ صریح و واضح الفاظ میں نہ بتاتے کہ ''مریم'' اللہ کی برگزیدہ بندی تھیں، اور ان کے پیٹ سے پیدا ہونے والا بے باپ کا انسان اللہ کے حکم خاص سے پیدا شدہ بلند مرتبہ نبی تھا تو دنیا کا کوئی معقول آدمی کبھی نہ مانتا کہ ایسا ہوا ہے، ہم جانتے ہیں کہ بے باپ کے پیدا کرنا، یا کسی بھی اور طریقہ سے پیدا کرنا اللہ کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں، وہ اور اس کا رسول اگر ہمیں صاف صاف بتا دیتے کہ ''حوا'' آدم کی پسلی سے پیدا ہوئی ہیں تو کون کافر تھا جو انکار کرتا، لیکن جس صورت میں کہ صراحت وبداہت سے قرآن و سنت دونوں خالی ہیں، کیونکر ایک ایسے عقیدے کو مدار ہدایت و گمراہی ٹھیرایا جاسکتا ہے جس سے اللہ جل شانہ کے دوائمل مسلم، جاوداں اور استثنا سے بالاتر قوانین کی تکذیب و تغلیط ہوتی ہو۔

حاشیۂ بخاری: مارکیٹ میں فی زمانہ اصح المطابع کی چھاپی ہوئی ''بخاری'' ملتی ہے یہی ایڈیشن ''دارالعلوم دیوبند'' کے کتب خانے سے دورۂ حدیث کے اکثر طلباء کو دیا جاتا ہے، اگر ازہر شاہ اسے ملاحظہ فرماسکتے تو شاید وہ دلاوری صاحبان کے فتویٰ الحاد و زندقہ کی تصویب و تائید اس بے جگری سے نہ کرسکتے، ملاحظہ کیجئے اسی ایڈیشن کی ''بخاری جلد اول کتاب الانبیاء'' صفحہ ۴۶۹ پر حدیث زیر بحث کے لفظ استوصوا پر حاشیہ نمبر ۸ یہ ہے:

قال البیضاوی الاستیصاء قبول الوصیۃ ای او صیکم بهن

خیرا فاقبلوا وصیتی فیھن لانھن خلقن خلقا فیھن اعوجاج فکانھن خلقن من اصل معوج کالضلع مثلا فلا یتھیاء انتفاع بھن الا بالصبر علی اعوجاجھن وقیل اراد ان اول النساء وھی حواء خلقت من ضلع من اضلاع آدم۔

کہا "بیضاوی" نے الاستیصاء کے معنی ہیں قبول وصیت، یعنی میں (رسول اللہؐ) تمھیں عورتوں کے حق میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں، پس میری وصیت قبول کرو، کیونکہ وہ عوتیں ایسی جبلت وسرشت پر پیدا کی گئی ہیں جس میں کجی ہے، پس گویا کہ وہ ایک ایسی اصل سے پیدا ہیں جس میں کجی ہے جیسے کہ مثلاً پسلی پس نہیں ممکن ہے ان سے نفع اٹھانا بغیر صبر کئے ہوئے انکی کجی پر۔۔۔اور کہا گیا کہ اس قول میں ارادہ کیا گیا اس بات کا کہ سب سے پہلی عورت یعنی حوا آدم کی پسلیوں میں سے ایک پسلی سے پیدا کی گئی۔

ذرا غور سے پڑھیے "بیضاوی" صراحۃً حدیث کو تشبیہ پر ہی محمول کر رہے ہیں۔ فکانھن (پس گویا کہ وہ عورتیں) یا مثلاً کے الفاظ اس کے لئے ثبوت قطعی ہیں، تشبیہی معنی کو مقدم بیان کرنا اور تفسیر مشہورہ یعنی پسلی سے پیدائش کو "وقیل" کہہ کر بعد میں بیان کرنا مزید ثبوت ہے، اب بتائیے کیا ازہر شاہ اسے ملاحظہ فرمالیتے تو تب بھی دلاوری صاحب کی تائید کرتے؟

ایک لطیفہ: خیانت فی الحوالہ کے ذیل میں ہم آپ کو بتا چکے کہ ازہر شاہ نے "بیضاوی" کا حوالہ غلط دیا ہے، ذرا مزید تماشہ ملاحظہ فرمائیے کہ شاہ صاحب نے "تفسیر کبیر" سے امام رازی کا جو قول نقل کیا ہے (ماہنامہ "دارالعلوم" فروری ۵۶ء صفحہ ۳۷ کالم نمبر۱) اس میں قال القاضی کے الفاظ ہیں، ان الفاظ کے متعلق شاہ صاحب اسی کے ذیل میں (سطر نمبر۱۱، ۱۲) لکھتے ہیں کہ:

"امام (رازی) کی اس عبارت میں قاضی سے مراد:

"قاضی بیضاوی ہیں جن کی عبارت اوپر گذر چکی ہے"

گویا شاہ صاحب یہ کہہ رہے ہیں کہ قاضی بیضاوی کا جو قول تفسیر مشہورہ کی تائید میں ہم نقل کر آئے ہیں اسی قول کی طرف امام رازی کا اشارہ ہے، اب اس پر لطف دعوے کی حقیقت ملاحظہ کیجئے۔

امام فخر الدین رازی کی "تفسیر کبیر" کا سن تصنیف تو ہمیں معلوم نہیں، یہ ضرور معلوم ہے کہ امام صاحب کا انتقال ۶۰۶ھ میں ہوا ہے اور قاضی بیضاوی کا سن ولادت اور "تفسیر بیضاوی" کا سن تصنیف بھی ہمیں نہیں معلوم لیکن یہ معلوم ہے کہ ان کی وفات ۶۸۲ھ یا ۶۸۵ھ میں ہوئی، تاریخ المفسرین (قلمی نسخہ، ازلئن سعید صفحہ ۱۰۳) میں تو یقین کے ساتھ ۶۸۵ھ ہی لکھا ہے لیکن چلئے ہم ۶۸۲ھ مانے لیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ہم قاضی بیضاوی کی عمر اسی (۸۰) سال کی بھی فرض کرلیں تو امام رازی کے وقت انتقال پر وہ چار سال کے ہوں گے، امام رازی نے "تفسیر کبیر" غالباً سال وفات میں تو لکھی نہ ہوگی، اگر قیاساً یہ مان لیں کہ مرنے سے پانچ سال پہلے لکھی تو گویا "تفسیر کبیر" کی تصنیف کے وقت قاضی بیضاوی کی پیدائش میں ایک سال باقی تھا، اس صورت میں امام رازی کے قال القاضی سے بقول شاہ صاحب قاضی بیضاوی مراد ہونا لطیفہ نہیں تو اور کیا ہے؟ غایت مافی الباب یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام رازی نے اپنی "تفسیر کبیر" عین مرنے کے دن تصنیف کی، تب بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ اس وقت قاضی بیضاوی پانچ سال کے تھے اور ظاہر ہے کہ انھوں نے "تفسیر بیضاوی" ماں کا دودھ چھوڑتے ہی تو لکھ نہیں دی تھی، اگر قاضی بیضاوی کا سن وفات ۶۸۵ھ مان لیا جائے تو امام رازی کی موت کے وقت وہ محض ایک ہی برس کے تھے۔

ان تفصیلات کی روشنی میں ناظرین غور فرمائیں کہ لطیفہ کتنا بے مثال بن جاتا ہے۔

اگر ناظرین میں سے کسی صاحب کو براہ راست تحقیق کا شوق ہو تو انھیں یاد

رکھنا چاہئیے کہ ذکر ان امام رازی کا ہے جن کا نام فخر الدین تھا، اور جن کی "تفسیر کبیر" کے حاشیہ پر مصر کے "مطبعة الحسينية" نے ۱۳۲۷ھ میں تفسیر علامہ ابو السعود عمادی چھاپی ہے۔

اور ذکر ان قاضی بیضاوی کا ہے جن کا نام عبد اللہ ابن عمر لقب ناصر الدین کنیت ابو سعید اور ابو الخیر ہے، جو "شیراز" کے ایک گاؤں "بیضاء" میں پیدا ہوئے اور "شیراز" کے قاضی بنے۔

یہ تفصیل اس لئے لکھ دی کہ کہیں ناظرین کو بھی شاہ صاحب جیسا دھوکہ نہ ہو جائے اور وہ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ ہر قاضی، قاضی بیضاوی اور ہر رازی، فخر الدین رازی ہوتا ہے۔

یہاں ایک مصرعہ یاد آیا:

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

اس کا آزاد ترجمہ بھی لگے ہاتھوں شعر ہی میں سن لیجئے:

تمام جسم پہ زخموں کی لالہ کاری ہے
کوئی بتائے کہ رکھیں کہاں کہاں مرہم؟

تنبیہ: شاہ صاحب اور دلاوری صاحب یقیناً ہم سے خفا ہونگے کہ ہم نے ضرورت سے زیادہ دلائل ان کی تردید میں جمع کر دیئے لیکن ہم انھیں باللہ العظیم یقین دلاتے ہیں کہ براہ راست انکی تردید و تجہیل سے ہمیں قطعاً دلچسپی نہیں، وہ کچھ بھی کہتے اور کرتے ہمیں کوئی سروکار نہ ہوتا، لیکن کیا کریں کہ سوال ذاتیات کا نہیں مکتبۂ فکر اور حلقۂ خیال کا ہے، شاہ صاحب اور دلاوری صاحب کا تعصب یا جہل محض ان کا اپنا نہیں، بلکہ تمام ان اکابرین تک اسکی آلودگی پہنچتی ہے جو رسالہ "دار العلوم" کے نگراں اور ذمہ دار ہیں، فخر الاماثل مولانا طیب صاحب مدظلہ کو رسالہ کے نگراں کی حیثیت سے ایڈیٹر اور مضمون نگار صاحبان پر نگاہ احتساب رکھنی چاہیئے تھی، انکی نگرانی میں شائع ہونے

والے "دارالعلوم" میں اگر حد سے زیادہ غیر ذمہ دار تحریریں شائع ہو جائیں تو اس کی ذمہ داری سے وہ نہ عند الناس بری ہو سکتے ہیں نہ عند اللہ۔

ایک نکتہ : ایک نظر ذرا اس آیت پر ڈالیے :

فاز لهما الشيطن عنها فاخرجهما مماكانا فيه و قلنا اهبطوا بعضكم لبعض عدو (بقرة ع۳)

پس ڈگمگا دیا، "آدم و حوا" کو شیطان نے اس درخت کے بارے میں، پس نکالدیا انھیں اس حالت سے جس میں وہ دونوں تھے اور کہا ہم نے نیچے اترو! بعض تم میں سے بعض کا دشمن ہوگا۔

دیکھئے اس آیت سے پہلے "آدم و حوا" کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ نے تثنیہ کے صیغے استعمال فرمائے ہیں مثلاً وکلا، شئتما، تقربا، فتکونا، مذکورہ آیات میں بھی فازلهما اور اخرجهما اور کانا تثنیہ ہی ہیں، لیکن متصل بعد اهبطوا جمع کا صیغہ آیا ہے اور بعضکم لبعض عدو کے الفاظ بھی جمع ہی پر دال ہیں، کیونکہ اگر یہ بات صرف "آدم و حوا" ہی کے بارے میں اللہ کو کہنی تھی تو بعض کا لفظ مناسب نہ تھا، بلکہ یوں کہنا تھا کہ تم دونوں ایکدوسرے کے دشمن ہو گے! ظاہر ہے کہ اللہ جل شانہ کا یہ قصد نہ تھا اور تاریخ سے بھی صراحتہً ظاہر ہے کہ "آدم و حوا" ایک دوسرے کے دشمن نہیں ہوئے، بلکہ ان کی اولاد سے یہ سلسلہ شروع ہوا' اب غور فرمایا جائے کہ بدلہۂ "آدم و حوا" سے خطاب کرنے اور برابر تثنیہ کے صیغے استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ اک دم جمع کے صیغے سے کیوں خطاب فرمایا گیا؟

اس کے سوا کوئی جواب آپ کو نہ ملے گا کہ خطاب آدم و حوا سے ہونے کے باوجود روئے سخن "ذریت آدم اور نوع بشر" کی طرف پھر گیا ہے، گویا بعضکم لبعض عدو سے اللہ جل شانہ نے جملہ نوع بشر کی ایک جبلی اور پیدائشی کمزوری اور خرابی کی صراحت فرمائی اور تاریخ شاہد ہے کہ آدم و حوا کے بیٹوں ہی سے اس خرابی کا مظاہرہ

شروع ہو گیا، قابیل نے ہابیل کو قتل کر ڈالا۔

اب میں انصاف پسندوں سے پوچھتا ہوں کہ جب اللہ جل شانہ کھلے طور پر "آدم و حوا" سے مراد نوع بشر اور ذریت آدم لے سکتے ہیں تو کیا مشکل ہے کہ خلقکم من نفس واحدۃ سے وہ مٹی مراد لے لیں جس کے لئے قرآن میں صلصال من حماء مسنون کے الفاظ آتے ہیں، یعنی خمیر اٹھے ہوئے گارے کی ٹھٹھنائی ہوئی مٹی، "آدم و حوا" سے مراد نوع بشر ہو سکتی ہے تو نفس واحدہ سے مراد نوع بشر کا خمیر کیوں نہیں ہو سکتا؟۔

بھولئے گا نہیں کہ یہ باتیں میں اس لئے نہیں کر رہا کہ آپ پسلی سے پیدائش کو غلط مان لیں، آپ شوق سے اسے صحیح مانیں، اور ضرور مانیں لیکن میں تو صرف اس قدر گذارش کر رہا ہوں کہ جو لوگ اسے نہیں مانتے انھیں زندیق و ملحد اور گمراہ و فاسق نہ کہیں، الحاد کے معنی شاید آپ کو پوری طرح معلوم نہیں، اللہ کا رسول تو کہتا ہے کہ من قال لا الہ الا اللہ فقد دخل الجنۃ (جس نے لا الہ الا اللہ کہا پس یقیناً جنت میں جائے گا) حتی کہ وان زنا وان سرق (اگرچہ زنا کرے یا چوری کرے) اس کے بعد بھی جنت اس پر حرام نہیں ہوتی، مگر آپ ہیں کہ اللہ کے بندوں کو ذرا ذرا سی بات پر ملحد و زندیق بنائے چلے جا رہے ہیں، فاعتبروا یااولی الابصار!

آغاز میں جو ہم نے دلاوری صاحب کے فرمودات کی شق نمبرا "بیان" کی ہے اب اس کا مختصر جواب سنئے، آپ نے فرمایا تھا کہ "وارثان علم نبوت جو کچھ فرماتے ہیں بے کم و کاست درست ہے۔"

کیا ہمارے پیش کردہ مذکورہ بالا شواہد کے بعد بھی آپ یہی کہیں گے؟ کیا "بے کم و کاست" کا لفظ ایسے ہی محل پر استعمال ہوتا ہے؟

پھر یہ بھی آپ بتائیے کہ "علوم نبوت" کیا "دیوبند" یا "لاہور" یا کسی بھی شہر و دیار کے رہنے والوں کا آبائی ورثہ ہے، جن پر صرف انھیں کا حق ہے؟ "علوم نبوت" کیا کوئی ایسی جائیداد ہیں جن پر کسی خاندان یا گروہ یا قبیلے کے سوا دوسروں کا کوئی حق نہ

ہو؟۔۔۔ آپ زبان سے تو ظاہر ہے اس کی تائید نہ کر سکیں گے لیکن ذہنیت آپ کی یہ ہو گئی ہے کہ وارثِ علمِ نبی اور عالم و علامہ خواہ ہر زید، عمرو، بکر، کو مان لیا جائے، مگر مودودی صاحب اور ان کے رفقاء کو مستثنا رکھا جائے، حالانکہ خدا اگر آپ کو توفیق دیتا اور آپ ایمانداری سے علم جانچنے کے اس پیمانے سے کام لیتے جو واقعی پیمانہ ہے تو آپ کو نظر آتا کہ جن حضرات کو آپ "وارثین علمِ نبوت" سمجھے ہوئے ہیں ان میں سے اکثر ایسے ہیں کہ ان کا یہ منصب ان کی خاندانی شہرت اور آپ کی خوش عقیدگی کے سوا کوئی شہادت نہیں رکھتا، انھوں نے عملاً اپنے کو "وارثِ علمِ نبوت" ثابت کرنے کے عوض محض "گدی نشین" اور "سجادہ" ثابت کیا ہے، اس کے بر خلاف مولانا مودودی نے اپنی مسلسل، مفصل اور مدلل تحریروں سے عملاً یہ ثابت کیا ہے کہ وہ محض رسمی اور روایتی مولوی نہیں، بلکہ واقعۃً "علمِ دین" ان کا اوڑھنا بچھونا، ان کا سرمایۂ زندگی' ان کا محبوب و دلدار' ان کا مرکز فکر و عمل، ان کا سب کچھ ہے، اور فاصدع بماتومر کی تعمیل میں انھوں نے اپنی تمام تر خداداد صلاحیتوں کو اور فکری قوتوں کو دین حنیف کے قدموں پر ڈال دیا ہے۔ المجتهد یخطی و یصیب (اجتہاد کرنے والا غلطی بھی کرتا ہے اور صحیح قدم بھی اٹھاتا ہے) ہم نہیں کہہ سکتے کہ لاکھوں سطور پر مشتمل ان کی پچاسوں تصانیف میں کتنی کچھ خطائیں ہیں اور کہاں کہاں انکے قلم نے ٹھوکر کھائی ہے، لیکن اگر روز حساب اللہ جل شانہ کے فیصلے میرے اور آپ کے "حسن خیال" اور "حسن عقیدت" کی بنیاد پر نہیں، بلکہ نامۂ اعمال کی بنیاد پر ہونے ہیں تو مجھے یقین ہے کہ مودودی صاحب کی دینی تحریروں کا سارا انبار ان کی بعض اجتہادی غلطیوں اور فکری لغزشوں کی وجہ سے نذر آتش نہیں کر دیا جائے گا، بلکہ ان کے پورے حسن و قبح کو انصاف کی میزان میں تولا جائے گا اور آپ کے تمام "وارثانِ علوم نبوت" کے کارنامے بھی یہاں پر کھے جائیںگے۔ اور خدا مجھ سے یا آپ سے مشورہ نہیں لے گا کہ مودودی کو ملحد ٹھیراؤں یا مومن، دوزخ بھیجوں یا جنت۔

اللہ کے بندو! کچھ تو خدا کا خوف کھاؤ، کچھ تو حساب آخرت سے ڈرو، تم

مودودی صاحب کے متعلق لکھتے ہو کہ انھوں نے "عاقبت کی جواب دہی سے بے خوف ہو کر ورثۃ الانبیاء کی تخفیف و تضحیک کو اپنا شعار بنالیا ہے،" (دارالعلوم" نومبر ۵۵ء کالم نمبر ۱ سطر نمبر ۱۰، ۱۱) اور خود تمہارا یہ حال ہے کہ تمھیں شمہ برابر خوفِ خدا نہیں، تمہارے قلوب اور اذہان غالی عقیدتوں اور اندھی نیاز مندیوں کی چوکھٹ پر سجدے میں پڑے ہیں، تم لات و منات سے بھی بڑے بتوں کو پوجتے ہو، بلکہ لات و منات کے پجاری تم سے زیادہ اخلاقی جرأت کے مالک تھے کہ جو کچھ عقیدہ رکھتے تھے چھپاتے نہیں تھے، اور تم اپنی بت پرستی کو اسلام کی آڑ میں چھپاتے ہو، تم اگر ایمانداری سے محسوس کرو تو اس سے انکار نہ کر سکو گے کہ مولانا مودودی کا وجود ٹھیک اس طرح تمھارے دل و دماغ پر چھا گیا ہے جس طرح موجودہ انسان کے دل و دماغ پر ایٹم بم کا وجود!۔۔۔ تم ریگستان کے بگلے کی طرح لاکھ ریت میں منھ چھپاؤ، لیکن حقائق اپنی جگہ حقائق ہی رہیں گے اور مولانا مودودی نے دین کے جس پودے میں اپنے دل و جگر کا خون ڈالا ہے، وہ ان شاء اللہ ثم ان شاء اللہ پھولتا پھلتا ہی رہے گا۔

اعتذار: وعدہ کے مطابق اب چاہئیے تھا کہ "ظہور مہدی" کا مسئلہ چھیڑا جائے لیکن صفحے اتنے گھر گئے کہ یہ مسئلہ نہیں چھیڑا جا سکتا۔ بات چونکہ مفصل مع دلائل کرنی ہے اس لئے اگر زندگی و عافیت رہی تو ان شاء اللہ اگلی اشاعت میں اس پر کلام کریں گے۔

شکر نعمت: چھ سالہ "تجلی" کے ناظرین جانتے ہیں کہ خود ستائی کبھی ہمارا شیوہ نہیں رہا، علم دوست حضرات کی طرف سے وقتاً فوقتاً تعریف و ستائش اور داد و تحسین کے جو خطوط ملک کے گوشے گوشے سے آتے رہے انکا ایک لفظ بھی کبھی ہم نے نہیں چھاپا، "تجلی" نے سنجیدہ علمی حلقے میں اپنا جو منفرد مقام بنایا اس کا تذکرہ بھی ہم

نے نہیں کیا، آج ہم بطور فخر نہیں بلکہ بطور تحدیث نعمت اتنا کہیں گے کہ اپریل ۵۶ء کا شمارہ اللہ کے فضل و کرم سے "ہندوپاک" دونوں میں بہت مقبول ہوا اور اس کی اشاعت اپنی معمولی اشاعت سے تقریباً ڈھائی گنا زیادہ ہوئی، زیادتی اشاعت بجائے خود کوئی خوبی نہیں ہے، لیکن جائے شکر یہ ہے کہ عاجز کی تنقید کو اہل علم اور عوام و خواص نے غیر معمولی حد تک پسند کیا، اور بہت سے وہ لوگ جو مدت سے ریب و تذبذب کا شکار تھے، ایک اچھے فیصلے کی طرف رجوع ہو گئے، علاوہ ازیں سخت سے سخت معاند کو بھی تادم تحریر ہماری تنقید میں کوئی ایسا گوشہ نہ مل سکا جس پر گرفت و اعتراض کی دیوار اٹھائی جاسکے، کتابت کی بہت سی غلطیاں بیشک رہ گئیں اور ان میں بعض ایسی ہیں کہ عیب جو زبانیں انھیں عاجز کی جہالت کے ثبوت میں پیش کر سکتی ہیں، لیکن شکر ہے کہ کوئی ایسی غلطی نہ رہی جس سے مطلب خبط ہوتا ہو، اگر مطلب خبط نہ ہو اور بیان کردہ حقائق لوگوں کے دلوں میں اتر جائیں تو مجھے اپنی جہالت کے اثبات بلکہ اعتراف میں بھی کوئی عار نہیں، میری جہالت کا حاصل زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ آپ میری تعریف نہ کریں مجھے لائق عزت نہ سمجھیں، میرے سامنے ادب سے سر جھکائے نہ بیٹھیں، مگر ان ناقابل تردید دلائل و شواہد کا آپ کیا کریں گے، جنھیں اللہ قادر و توانا نے میرے قلم سے نکلوادیا ہے، اللہ جب چاہتا ہے تو ایک تنکے سے طوفان کا رخ مڑوادیتا ہے۔

آخری عاجزانہ گذارش میں ناظرین سے یہ کروں گا کہ اگر آپ میری تنقید کو مضبوط اور کامیاب تصور فرماتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس پر خوشی سے پھولے نہ سمائیں، یہ کوئی الیکشن یا مناظرہ نہیں ہے کہ جیتنے والے بغلیں بجائیں، اور فریق ثانی کی شکست پر خوش ہوں، یہ اللہ کی راہ میں جدوجہد کرنے والوں کی محض ایک مفاہمت و مشاورت ہے جو جیت ہار کے لئے نہیں، بلکہ منزل کی سیدھی راہ متعین کرنے اور گمراہی سے بچنے کے لئے ہے، علمائے کرام کو اگر بے جا یا بجا طور پر اپنے ہم سفروں اور نیاز مندوں کے بارے میں کچھ غلط فہمیاں ہو گئی ہیں اور مجھ جیسا ناکارہ

انھیں دور کرنے کی کوشش کر رہا ہے تو اس میں جیت ہار اور عزت وذلت کا کوئی سوال نہیں، علماء کا جو وقار و مرتبہ ایمان والوں کے دلوں میں ہے، اور ہونا چاہیئے ـــــ اسے اپنی جگہ باقی رکھیے اور اللہ کے آگے باچشم نم دعا کیجئے کہ :

اے اللہ! تو اپنی قدرت کاملہ سے علماء کے قلوب میں یہ بات ڈالدے کہ وہ امت کے بکھرے ہوئے شیرازے کو مرتب کرنے کی طرف متوجہ ہوں، ان کے ذہنوں پر یہ حقیقت کھولدے کہ خرابیوں اور بد اعتقادیوں کی اصلاح اعتراض وطنز اور تکفیر و تفسیق اور طعنہ ودشنام سے کبھی نہیں ہوتی، بلکہ حسن توجہ اور نرمی اور شفقت و محبت سے ہوتی ہے۔ نفرت اور عداوت دو دھاری تلوار ہیں کہ جس شے پر گریں گی اسے کاٹ دیں گی، اور جو چیز ان پر گرے گی وہ بھی کٹ جائیگی۔

اے اللہ! علماء کو خود پسندی اور "غرور عجز" اور "نخوت علم" سے بچا اور یہ سمجھنے کی توفیق دے کہ ان کی طرح دوسرے مسلمان بھی آخرت کی فلاح کے متمنی اور ترقی اسلام کے دلدادہ ہیں، ان کی طرح دوسرے ایمان والے بھی اللہ اور رسول کے دشمن نہیں، ان کی طرح دوسرے کلمہ گو بھی عقل و علم اور بصارت وبصیرت رکھ سکتے ہیں!

اس کے بعد میں "جماعت اسلامی" والوں سے بھی کہوں گا آپ یہ نہ سمجھیں کہ "علماء دیوبند" آپ کی مخالفت میں سو فیصدی غلطی پر ہیں انکے تمام اعتراضات بے بنیاد ہیں اور وہ بدنیتی سے سب کچھ کر رہے ہیں ـــــ نہیں! بعض شیشہ گران دین کے بارے میں تو میں یقین کے ساتھ کہوں گا کہ ان کی نیتوں میں فتور ہے لیکن جہاں تک استاذ محترم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی مدظلہ العالی کا تعلق ہے خوب سمجھ لیجئے کہ مخدوم محترم جو کچھ کر رہے ہیں وہ پورے اخلاص کے ساتھ یقین رکھتے ہوئے کر رہے ہیں کہ یہ ان کا دینی فرض ہے، انھیں دنیا سازوں نے نت نئے طریقوں سے جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے ضال ومضل ہونے کا یقین دلا دیا ہے اور اگرچہ

اس یقین دہانی میں کافی تحریف و دغا سے کام لیا گیا ہے، لیکن یہ بھی اغلب ہے کہ جماعت کے لٹریچر میں کچھ چیزیں واقعۃً قابل رد اور قابل حذف اور لائق ترمیم و تنسیخ ہوں، اگر مصالحت و مفاہمت کا کوئی مبارک وقت آئے تو "جماعت اسلامی" والوں کو یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ وہ سر تاپا محفوظ عن الخطا اور بر حق ہیں نیز اپنی غلطیوں کو ماننے اور قابل تبدیلی عقائد و بیانات کو بدلنے میں انھیں اس لچک کا ثبوت دینا چاہیئے جو اسلام کی۔۔۔۔ بلکہ اسلام ہی کی بےمثال خصوصیات میں سے ہے۔

فخر الاماثل حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ کے بارے میں ہم یقین رکھتے ہیں کہ وہ ذاتی فکر و نظر کی حد تک ہرگز ہرگز اس رائے پر نہیں ہیں جو ان کی چند تازہ تحریروں اور بیانوں سے ظاہر ہو رہی ہے، ان کے تازہ افکار محض نتیجہ ہیں اس حسن خیال کا کہ جب مولانا مدنی جیسا بلند مرتبہ بزرگ ایک جماعت کو گمراہ سمجھ رہا ہے تو ضرور وہ گمراہ ہوگی، رہ گئے دلاوری صاحب اور ازہر شاہ صاحب اور دیگر ضمنی حضرات تو ان کی کوئی حیثیت اس سے زیادہ نہیں کہ یہ وہ ناتواں تنکے ہیں جو ہوا کے رخ پر اڑنے اور طوفان کے رخ پر بہنے کے لئے مجبور و مامور ہیں۔

فرمایا سرور کونین صادق و مصدوق شافع محشر محبوب سبحانی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فداہ امی وابی و عیالی و نفسی نے:

دب الیکم داء الامم الحسد و البغضاء البغضاء ھی الحالقة لااقول محلق الشعر ولکن محلق الدین۔

تم میں پچھلی امتوں کی بیماری دوڑ گئی ہے یعنی حسد اور بغض، بغض مونڈنے والا ہے، میں نہیں کہتا کہ بالوں کو مونڈنے والا ہے، بلکہ دین کو مونڈنے والا ہے،

خاکپائے علماء عامر عثمانی، ۸، اپریل ۵۶ء۔

متاعِ دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزہ خوں ریز ہے ساقی

آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ گذشتہ مہینہ کی تنقید میں بھی اور تازہ بحث میں بھی ہم بغیر حوالے اور بغیر دلیل کے کلام نہیں کر رہے، اور اپنے بزرگوں کے لئے ادب واحترام کے تمام تقاضے ملحوظ رکھ رہے ہیں، لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ مولانا مودودی کی دشمنی میں ان کے مخالفین اندھے اور بہرے بن کر مسلسل و پیہم اپنی ہی ہانکے جاتے ہیں اور ذرا نہیں سنتے کہ ان کے اعتراضات والزامات کے ابطال میں کوئی کیا کہہ رہا ہے؟ ان کا حال ہٹ دھرمی اور خود پرستی میں ان اہل بدعت اور اہل تشیع سے بھی بدتر ہے جو "علمائے دیوبند" کو کافر بتاتے اور اصحاب رسول کو برا بھلا کہتے ہیں، وہ فی الحقیقت اسی مغلوب الغضب، تنگ نظر، مست پندار، خود نگر گروہ کی نسل سے ہیں جس نے شاہ ولی اللہ کو کافر بنایا تھا، جس نے ابن تیمیہ کو جہنمی قرار دیا تھا، جس نے مجدد الف ثانی کو جیل بھجوایا تھا، اور جس نے ابن قیم کی زندیقیت کا ڈھنڈورا پیٹا تھا، جس نے ہمیشہ ہر اس شخص کو بدنام ورسوا کرنا چاہا، جو بگڑے ہوئے نظام ملت اور دین کی تجدید واحیاء کے عزائم لے کر اٹھا۔

ذرا تازہ "دارالعلوم" بابت ماہ اپریل ۵۶ء دیکھئے، اس میں "مقام جامع صحیح بخاری" کے عنوان سے مولوی عبدالرؤف رحمانی کا مضمون شائع ہوا ہے، عنوان سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ "صحیح بخاری" کا مقام ومرتبہ بیان کرنا مقصود ہے، لیکن مضمون پڑھیے تو شان نزول یہ معلوم ہوگی کہ وہی "تردید مودودی" اور "تذلیل مودودی" کا سودا سر پر سوار ہے، اور شرارت ودنائت کا یہ حال ہے کہ مولانا مودودی کو منکر حدیث دکھلانے کے لئے ابتداءً منکرین حدیث کا تذکرہ چھیڑا گیا ہے اور ان کے لٹریچر سے اقتباسات دیئے گئے ہیں اور اس کے بعد آمدم برسر مطلب۔

"مولانا مودودی صاحب کے نزدیک بھی "صحاح ستہ" بلکہ جامع "صحیح بخاری" کی صحت بھی مستند و قابل اعتبار نہیں۔" (صفحہ ۱۶ کالم نمبر ۲)

اس خود ساختہ طبع زاد الزام کی بنیاد مولوی صاحب نے مولانا مودودی کی ایک تقریر کے بعض الفاظ پر رکھی ہے جسے اخبار "الاعتصام" سے نقل کیا گیا ہے۔

ناظرین انصاف فرمائیں کہ سیکڑوں میل دور کی گئی ایک تقریر کو کسی اخبار سے لے کر اس کے بعض جملوں پر مقرر کے بارے میں فیصلہ کن اور دوٹوک فتوے دینا کیا کسی دیانتدار مولوی اور شریف عالم کا کام ہو سکتا ہے؟ تقریر کی لفظ بہ لفظ صحیح نقل تو اس صورت میں بھی مشکوک ہوتی ہے، جب مقرر ہی کا کوئی معین کردہ آدمی اسے نوٹ کرتا جائے، یہاں حال یہ ہے کہ ہر جانب مودودی کے مخالفین واعدا موجود اور جس کا جو جی چاہے، جس طرح چاہے لکھ کے لے جائے اور کہدے کہ، مودودی نے یہ کہا اور یہ کہا، اخبار "الاعتصام" کے بارے میں ہماری معلومات ٹھوس نہیں ہیں، لیکن اتنا ہم ضرور جانتے ہیں کہ اس میں مودودی صاحب کے خلاف مضامین شائع ہوئے ہیں، اگر یہ بات غلط بھی ہو تو محض "الاعتصام" کے لکھ دینے سے یہ بات سوائے جہلا اور اشرار کے کسی کے نزدیک یقینی نہیں ہو جاتی، کہ اس میں چھپی ہوئی تقریر جوں کی توں صحیح ہے، اس تقریر کے کسی جملہ پر مشق تعصب کرنے سے پہلے ضروری تھا کہ تقریر کے محل نظر الفاظ مقرر کو لکھ کر بھیجے جاتے اور پوچھا جاتا کہ یہ کیا واقعی آپ نے کہے ہیں؟ اور کیا ان کا مطلب وہی لیا ہے؟ جو شائع شدہ تقریر سے بظاہر مترشح ہوتا ہے؟

لیکن مولوی رحمانی صاحب ایسا کیوں کرتے، انھوں نے تو یہ بھی نہیں کیا کہ مودودی صاحب کی اسی تقریر پر جو بعض بحثیں پاکستانی اخبارات میں چلی ہیں انھیں کو دیکھ لیں، وہ کیوں کریں، انھوں نے تو اشہدان لا اله الا الله کے بعد واشہدان مودودی کافر کو کلمہ شہادت بنالیا ہے، انھوں نے یہ طے کر لیا ہے کہ اپنی تمام بداعمالیوں اور دنیا سازیوں کا کفارہ مودودی کو کافر بنا کر دیں گے، اپنی شکستوں اور

ذلتوں کا انتقام مودودی کو گالیاں دے کر لیں گے۔ ھیھات الف الف مرۃ ھیھات۔

بہت بڑا دجل ان مولوی صاحب کا یہ ہے کہ انھوں نے تقریر میں وارد شدہ لفظ "صحیح" کو پوری بد دیانتی کے ساتھ ان معنوں میں لیا ہے جو "غلط" کے بالمقابل ہوتے ہیں، اسے "دجل" میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ میں یہ بات کسی طرح باور نہیں کر سکتا کہ مولوی رحمانی "مولوی" ہو کر بھی یہ ابتدائی بات نہ جانتے ہوں گے کہ حدیث کے موضوع میں "صحیح" غلط کے مقابلہ میں نہیں بولا جاتا، بلکہ اس کے ایک خاص اصطلاحی معنیٰ ہوتے ہیں، "صحیح بخاری" جب بولتے ہیں تو یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ایک "غلط بخاری" بھی ہے، "صحاح ستہ" جب کہتے ہیں تو یہ منشاء نہیں ہوتا کہ چھ کتابوں کے علاوہ حدیث کی سب کتابیں "غلط" ہیں۔

جو خطابات و اکرامات اس چھ صفحے کے مضمون میں مودودی صاحب کو دیئے گئے ہیں وہ پوری طرح ثابت کرتے ہیں کہ مولوی رحمانی جیسے لوگ شریف و متین ماحول میں نہیں پلے اور تانگے والوں کا انداز دشنام طرازی ہی ان کی نگاہ میں سنجیدہ و شریفانہ ہے، ابھی یہ مضمون محض قسط اول ہے "باقی، باقی" ہے، پورا ہو جائے تو ہم یقین کیساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں کم سے کم ایک سو ایک مولویانہ گالیاں ناظرین کو ملیں گی، نمونہ از خروارے ملاحظہ ہو:

(۱) "فتین اعظم" صفحہ نمبر ۱۵ کالم نمبر ۱ سطر نمبر ۲۰ (۲) "متکبر" (۳) بخاری کی تخفیف کرنے والا (۴) غیر سنجیدہ (۵) متشکک و مشکک (۶) ہرزہ سرا، وغیرہ۔

مولوی رحمانی کی اپنی سطحیت اور جمود و تعطل کا یہ عالم ہے کہ "حیات انور" سے بہ تمام حسن عقیدت یہ عبارت نقل فرماتے ہیں:

"کہ اگر میں اس بات پر حلف اٹھاؤں کہ یہ شخص (مولانا انور شاہ) علم میں ابو حنیفہؒ سے بڑھ کر ہے تو میرا حلف قطعاً جھوٹا نہ ہوگا۔"

غور کیجئے! اپنے مرغوب علماء کے باب میں تو مولوی رحمانی جیسے لوگوں کا یہ

عالم ہے کہ ان کی تعریف میں کوئی کیسا ہی مبالغہ آمیز جذباتی اور درباری قصیدہ گادے وہ سبحان اللہ اور "سچ فرمایا" کے سوا کچھ نہیں کہیں گے، وہ اتنا بھی نہیں سوچیں گے کہ علماء کا مقام و مرتبہ متعین کرنے میں قسمیں کھانے اور حلف اٹھانے والا شخص "سنجیدہ" کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا، وہ یہ بھی پروا نہیں کریں گے کہ جو شخص حلف اٹھا کر انور شاہ صاحبؒ کو امام ابو حنیفہؒ سے "اعلم" کہہ رہا ہے وہ شافعی ہے یا اہل حدیث، یہ بھی تحقیق نہیں کریں گے کہ یہ کہنے والا آیا اتنا زبردست عالم ہے بھی کہ انور شاہ صاحب اور امام ابو حنیفہؒ کے پورے علم و خبر کا نقد اور تجزیہ اور موازنہ کر سکا ہو، وہ تو بڑے اطمینان سے "آمنا و صدقنا" کہیں گے۔

حیرت ہوتی ہے کہ ایک بیٹا اپنے باپ کی تعریف میں ("حیات انور"۔۔۔ جناب انور شاہ کے صاحب زادے "ازہر شاہ" کی تصنیف ہے) کسی مصری عالم کا وہ قول نقل کرتا ہے، جو ٹھیک شاہان سلف کے درباری مقتیوں کے اقوال سے مشابہ ہے اور مودودی کی تحریروں میں خورد بینی و نکتہ کاری کی تمام سائنس ختم کر دینے والے بزرگ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ اس قول سے کتنے بڑے شخص، کتنے عظیم عالم دین کیسے مشہور امام، کیسے محیط علم و تفقہ، کس درجہ مقبول انام، امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی تقلیل و تخفیف، تحقیر اور توہین ہوتی ہے، اگر ایسی ہی کوئی بات۔۔۔ بلکہ اس سے بہت ہلکی مودودی حضرات کی طرف سے کہدی جاتی تو ہمارے علمائے دین تکفیر و تفسیق کے قطب مینار اور امریکہ کی ایک سو ایک منزل والی عمارت بنا ڈالتے۔ لیکن یہاں بجائے اعتراض کے پوری ڈھٹائی کے ساتھ یہ گایا جارہا ہے:

من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو

اور قول مذکور کو بطور دلیل و شہادت پیش کیا جارہا ہے۔

خدا بہتر جانتا ہے کہ علامہ انور شاہ صاحبؒ کی عظمت علمی کا نقش ہمارے دل پر خود کندہ ہے، لیکن علماء کو ایک دوسرے کے مقابلہ میں بڑھانے اور گرانے کا کھیل ہمارے نزدیک لغویت اور شرارت کے سوا کچھ نہیں، ضرورت کے وقت صرف اتنا

تقابل درست ہے کہ مختلف علماء کے دلائل نقل کر کے آدمی کسی کی دلیل پسند کرلے اور کسی کی چھوڑ دے، اگر اس مصری عالم کو امام ابو حنیفہ کی تخفیف کرتے ہوئے یہ خیال نہ آیا کہ میں فرط جذبات میں کیا کر رہا ہوں تو کم سے کم مولوی رحمانی کو تو حیا آنی چاہیئے تھی کہ وہ کیسا قول نقل کر رہے ہیں۔۔۔ مگر توبہ! مودودی کا تصور آجانے کے بعد ہمارے مولویوں کا دل ودماغ قابو ہی میں کب رہتا ہے، وہ تو ایک ایسا دیوانہ ساز تصور ہے کہ موت کے سوا اس سے نجات ممکن نہیں۔

ناظرین! آپ کہیں گے کہ عامر کو کیا ہو گیا جو تھرڈ کلاس جذباتی باتیں کرنے لگا ہے، عاجز عرض کرے گا کہ آخر آپ ہی بتایئے جب مسئلہ ہی کوئی قابل بحث نہ ہو اور مولوی لوگ الیکشنی سورماؤں کا انداز اختیار کرلیں تو بحث کیا کی جائے، میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ جب بھی "دار العلوم" والوں نے کوئی مسئلہ چھیڑا تو خادم بشرط زندگی وعافیت اسی علمی استدلال کے ساتھ جس کا ملاحظہ آپ گذشتہ تنقید اور موجودہ "پیدائش حوا" کی بحث میں فرما چکے ہیں زبان کھولیگا، مولوی مانیں یا نہ مانیں خادم کو عوام پر یہ کھول دینا ہے کہ ہمارے دیوبندی مولوی تعصب کا چشمہ نہیں لگاتے اور علم کا چشمہ خاندان عثمانی میں بالکل سوکھ نہیں گیا۔

اتفاق: اتفاق دیکھئے، خاکسار "مقدمہ ابن خلدون" دیکھ رہا تھا کہ منصب امامت کی بحث میں "ابن خلدون" کی یہ عبارت سامنے آئی۔

مذهب الصحابي ليس بحجة

صحابی کا مذہب حجت نہیں ہے

(مقدمہ ابن خلدون، الفصل السادس والعشرون، فی اختلاف الامت فی حکم ہذ المنصب وشروطہ صفحہ ۱۹۴)۔

یہ جانتے ہیں آپ کس صحابی کی طرف روئے سخن ہے؟ فارق بین الحق والباطل امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف! آپؓ

نے فرمایا تھا:

لوكان سالم مولے حذيفة حيا لوليته

اگر سالم مولیٰ حذیفہ زندہ ہوتے تو میں انھیں ولی بناتا۔

یہ بحث یہاں نہیں کہ فرمودۂ عمر کا کیا مطلب تھا اور "ابن خلدون" کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہیں، بتانا صرف یہ ہے کہ صحابہ کے "معیار حق" ہونے کی بحث میں "ابن خلدون" کے مذکورہ بالا الفاظ کو بھی شامل فرما لیجیے، "ابن خلدون" کون ہیں؟ شاید فی الحال انھیں مولوی صاحبان تبرکا کافر کہہ دیں، لیکن آج سے پہلے تک بڑے بڑے علماء وناقدین نے "ابن خلدون" کو علم و تبحر کا بڑا اونچا مقام دیا ہے، اور باوجود زبردست تاریخ شناس اور علامہ ہونیکے ان کی دین شناسی کا یہ عالم تھا کہ ان کے فرنچ اور انگریز ناقدوں نے انھیں "بقراط وارسطو" سے افضل واعلم اور زبردست تاریخ شناس و ماہر اجتماعیات ماننے کے باوجود یہ رونا رویا ہے کہ ان پر "اسلامیت" کا غلبہ تھا اور اپنے فلسفہ وسائنس میں انھوں نے اسلامیت کو بہت زیادہ ملحوظ رکھا، کتنی صفائی سے یہ کہہ رہے ہیں کہ "مذہب صحابی سرے سے حجت ہی نہیں ہے"، فافهم وتدبر۔

(تجلی دیوبند مئی ۵۶ء)

تیسرا باب

تفہیم القرآن پر بعض متفرق اعتراضات

تفہیم القرآن کی ایک عبارت

سوال : از شوکت علی برنی۔ کراچی۔ ۲۷

جون ۶۷ء کے پرچہ میں صفحہ ۲۶ پر پہلے کالم کے آخر میں مودودی صاحب کی "تفہیم القرآن" کا یہ جملہ نظر سے گذرا۔

" ان شادیوں نے بہت بڑی حد تک ان خاندانوں کی دشمنی کا زور توڑ دیا، بلکہ ام حبیبہؓ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہونے کے بعد تو ابو سفیان پھر کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے پر نہیں آیا۔" نہ صرف یہ کہ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ صحابیت کی علامت (ؓ) تک نہیں لگائی گئی، بلکہ فعل کا استعمال (نہ آیا) بھی گستاخانہ طریقہ پر کیا گیا ہے۔ اس انداز گفتگو کا مقصد سمجھ میں نہ آسکا، امید ہے کہ آپ اس سلسلہ میں ضرور مدد فرمائینگے۔

جواب :

حضرت ابو سفیانؓ بہت بعد میں ایمان لائے ہیں انکی تعظیم و تکریم ایسے ہی موقعہ پر ضروری ہے جبکہ تذکرہ ایمان لانے کے بعد کا ہو، جس عبارت پر آپ معترض ہیں، اس کے مضمون کا تعلق ابو سفیان کے اس دور سے ہے جب وہ ایمان نہیں لائے تھے، اس

دور کے ذکر میں علامت صحابیت لگانے یا الفاظ تکریم استعمال کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (ماہنامہ "تجلی" دیوبند، ستمبر ۱۹۶۷ء)

ایک آیت کی تشریح

سوال : از۔ محمد خورشید، حیدر آباد (آندھرا پردیش)

میں قرآن کا تفصیلی مطالعہ کر رہا ہوں، ایک مقام پر "سورۂ یونس پارہ نمبر ۱۱ **فھل ینتظرون..... المومنین** کا مطلب تشنہ طلب ہے، فرمایا گیا کہ "اب یہ لوگ اس کے سوا اور کس چیز کے منتظر ہیں کہ وہی برے دن دیکھیں جو ان سے پہلے گذرے ہوئے دیکھ چکے ہیں، کہو اچھا انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں، پھر (جب ایسا وقت آتا ہے) تو ہم اپنے رسولوں کو بچا لیا کرتے ہیں اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہوں، ہمارا یہی طریقہ ہے ہم پر یہ حق ہے کہ مومنوں کو بچالیں۔"

(تفہیم القرآن صفحہ ۳۱۵)

اس آیت میں جب اللہ نے یہ فرمایا کہ رسولوں اور جو لوگ ایمان لائے ہوں ان کو بچا لیا کرتے ہیں، اور پھر یہ بھی از راہِ کرم فرمایا کہ مومنوں کو بچا لینا اللہ پر حق ہے تو بظاہر ہم تاریخ میں اکثر یہ پڑھتے ہیں کہ کئی "انبیاء" اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کئی "صلحاء" کفار اور فاسق و فاجر اور ظالم انسانوں کے ہاتھوں نہ صرف ہزیمت اٹھاتے ہیں بلکہ بے دردی کے ساتھ ہلاک کیے جا چکے ہیں، حالانکہ ان کا ایمان و اخلاص شک و شبہ سے بالاتر تھا، حال ہی میں "پاکستان" کی حکومت نے "جماعت اسلامی" کے ساتھ اور "مصر" کی حکومت نے "اخوان المسلمین" کے ساتھ جو سلوک کیا وہ ہمارے سامنے ہے، جب اللہ نے مومنین کو بچا لینے کا ذمہ حق کے طور پر اپنے اوپر لے لیا، تو پھر ان پاک ہستیوں اور جماعتوں کی یہ تباہی مندرجہ بالا آیت کے بظاہر مغائر معلوم ہوتی ہے۔

براہ کرم اولین فرصت میں اس کی تشریح فرما کر ممنون فرمایئے۔

جواب :

جہاں تک ہم سمجھتے ہیں اس مقام پر اس عذاب الٰہی کا ذکر ہے جو بطور ''خرق عادت'' نازل ہوا کرتا ہے، اور اس کے ''عذاب الٰہی'' ہونے میں کسی ادنیٰ شک اور گفتگو کی گنجائش ہی نہیں ہوتی، جیسے ''فرعون کی غرقابی'' کہ حضرت موسیٰ اور ان کے ہمراہیوں کے لیے دریا کا دو حصوں میں منقسم ہو کر راستہ بنا دینا، خرقِ عادت تھا، اور پھر اسی راستے سے گذرتے ہوئے فرعونیوں کا غرقاب ہو جانا صریح طور پر عذابِ الٰہی تھا، جسے کوئی اور نام دیا ہی نہیں جاسکتا۔

ایسے ہی عذابوں کے سلسلے میں فرمایا گیا کہ ہم اپنے رسولوں کو اور اہلِ ایمان کو ایسے عذابوں سے بچالیا کرتے ہیں، چنانچہ ایسا جو بھی عذاب اللہ تعالیٰ نے کسی قوم پر نازل کیا ہے اس میں وقت کا رسول اور اس کے اہل ایمان ساتھی لازماً بچالیے گئے ہیں۔

رہیں وہ ابتلائیں اور سختیاں جن کی تمثیل آپ نے دو جماعتوں کا نام لے کر پیش کی تو انھیں عذاب الٰہی کا نام نہیں دیا جاسکتا، یہ تو آزمائشیں ہیں جن سے تقریباً تمام ہی انبیاء علیہم السلام، تمام ہی داعیانِ حق اور مصلحین اور صادق القول علماء ہمیشہ سے گذرتے آئے ہیں، ان کے وقوع کا سبب خود قرآن میں متعدد مقامات پر بیان کردیا گیا ہے، مثلاً پچھلے ماہ کا ہی اداریہ ملاحظہ فرمائیں، اس میں ''سورۂ بقرہ رکوع ۱۹ اور ۲۶'' اور ''آلِ عمران رکوع ۱۴ کی آیات'' نقل کی گئی ہیں، جن سے واضح ہے کہ اہل ایمان کو ابتلاؤں میں ڈالا جاتا رہے گا تاکہ ان کے صبر وضبط، استقامت علی الایمان اور اعتماد علی اللہ کو پرکھا جائے، یہ آزمائشیں ایسی نہیں ہوں گی جن پر گمراہ قوموں کی طرف بھیجے جانے والے عذاب کا اطلاق کیا جاسکے، آسمان سے پتھر برسیں، ہولناک طوفان آئیں، زبردست قحط پڑے، یہ سب شکلیں عذاب الٰہی کی ہیں جن کو آزمائش کا نام نہیں دیا جاسکتا، غالباً ایسی ہی شکلوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ہم ان لوگوں کو ان سے مامون رکھیں گے جو واقعۃً اہل ایمان ہیں۔

جو توجیہ ہمارے خیالِ ناقص میں آئی پیش کردی، موقع ملے تو کسی اور اچھے عالم سے بھی استفادہ فرمالیں۔ (ماہنامہ تجلی، اکتوبر ۱۹۶۷ء)

تفہیم القرآن کا ایک حاشیہ

سوال: از۔ محمد ادریس کلکتہ ۳۷

مولانا مدظلہ العالی سید ابوالاعلیٰ مودودی "تفہیم القرآن" جلد سوم میں سورۂ النور رکوع ۴ کی پہلی آیت یاایہاالذین آمنوا الاتدخلوا۔۔۔ کے ترجمے میں حاشیہ نمبر ۲۳ میں لکھتے ہیں۔ (ص ۳۷۵، آخری سطر میں)

"اس خرابی کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت میں ان احکام سے زیادہ صحیح و مناسب اور موثر کوئی دوسری تدبیر نہ تھی ورنہ وہ ان کے سوا کچھ دوسرے احکام دیتا۔"

اس جملے پر ایک رفیق نے سوال اٹھایا کہ اس سے خدا کی لامحدود حکمت و تدبیر کو محدود کیا جارہا ہے حالانکہ وہ اپنی حکمت کے پہلو سے شر کو اجاگر کر دیتا ہے اور شر کے پہلو سے خیر کو پیدا فرما دیتا ہے، اس کے نزدیک کیا دوسری مناسب و موثر تدبیر ہو ہی نہیں سکتی۔

برائے مہربانی آپ اس الجھن کو صاف کریں، تاکہ ہم کوتاہ فہم اور تنگ ذہن کو وسعت ذہنی حاصل ہو سکے۔

جواب: معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے فاضل دوست مخالفانہ۔۔۔۔ یا کم سے کم جانبدارانہ ذہن لے کر "تفہیم القرآن" کی طرف متوجہ ہوئے ہیں ورنہ ایک خالی الذہن آدمی کے لئے تو "تفہیم القرآن" کے متذکرہ حاشیے میں کوئی ایسی بات نہیں تھی جسے اعتراض کا ہدف بنایا جاسکے۔

خدا کے بارے میں ہم سب مسلمانوں کا متفق علیہ عقیدہ ہے کہ اس کا ہر فعل، ہر حکم، ہر تدبیر اعلیٰ ترین مصالح و مقاصد پر مبنی اور نقص و خطا کے شائبے اور رمق تک سے منزہ ہے۔ وہ علیم و حکیم ہے، عیب و خامی سے بالاتر ہے، مدبر اور قادر مطلق ہے، وہ جب بھی کوئی فیصلہ صادر کریگا، خواہ وہ تکوین کے قبیل سے ہو یا تشریع کے، ہر حال میں بہترین فیصلہ ہوگا، یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ سب سے بہتر فیصلے اور تدبیر کو چھوڑ کر وہ کم بہتر صورتیں اختیار کرے، یہ خامی تو غیر اللہ کی ہے کہ وہ کسی بھی معاملے میں اپنی طرف سے عمدہ ترین تدابیر اختیار کرتے ہیں لیکن بارہا ایسا ہوتا ہے کہ

حقیقت نفس الامری کے اعتبار سے اس سے بہتر اور موثر ترین تدبیر موجود ہوتی ہے جس تک ان کے محدود علم وبصیرت کی رسائی نہیں ہوتی، یا ہوتی ہے تو اس وقت جب پہلی ناقص تدبیر کا نقص تجربہ ان پر واضح کر دیتا ہے، ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ انسان کا علم تو بہر حال محدود ہے، تجربہ اور مشاہدہ محدود ہے، عقل ودراست محدود ہے، علم و تفقہ محدود ہے، باوجود وسعی بسیار کے بہتیری تدبیریں اس کے فہم وعلم کی دسترس سے باہر رہ سکتی ہیں، لیکن اللہ کا معاملہ اس سے مختلف ہے، وہ عالم الغیب ہے، کسی بھی معاملے میں کوئی تدبیر ایسی نہیں ہو سکتی جو اس کے دائرہ علم سے باہر ہو، یا جس کے بارے میں اسے سہو ونسیان ہو جائے، تمام ممکنہ تدابیر اور حکمتیں اس کی بارگاہ علم وخبر میں صف بستہ رہتی ہیں، پھر وہ بلا سہو ونسیان اور بلا امکان خطا ایسی ہی تدبیر اور حکمت کو چن لیتا ہے جو سب سے فائق اور اعلیٰ ترین ہو، وہ ایسا نہیں کہ کسی معاملے میں ایک تدبیر آزمائے اور پھر اسے کم موثر یا ناقص پاکر دوسری بہتر تدبیر اختیار کرے، اسے تو پہلے ہی علم ہے کہ کونسی تدبیر کیا اثر رکھتی ہے کس تدبیر کا کیا درجہ ہے، وہ خطا نہیں کر سکتا، وہ یہ بھی کر سکتا کہ مناسب ترین تدبیر کو سہواً یا قصداً نظر انداز کر کے نسبتاً کم مناسب تدبیر سے کام چلانا چاہے۔ تعالیٰ اللہ عزوجل۔

جب صورت واقعہ یہ ہے اور ہم سب اس پر متفق ہیں تو "تفہیم القرآن" کے متذکرہ حاشیے میں آخر کونسی قابل اعتراض بات نظر آئی، کیا معترض صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جن احکام کے بارے میں مولانا مودودی نے یہ فرمایا ہے ان سے زیادہ صحیح احکام اور موثر کوئی دوسری تدبیر نہیں تھی۔ ان احکام میں کوئی نقص ہے اور اس سے بہتر احکام بھی متذکرہ خرابی کی اصلاح کیلئے ممکن تھے جنھیں اللہ نے صادر نہیں فرمایا یا نعوذ باللہ اسے ان کا ادراک واستحضار نہیں ہو سکا۔

کیا شک ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہے خیر سے شر اور شر سے خیر کے پہلو پیدا کر سکتا ہے، اور کرتا ہے لیکن اس سے "تفہیم" کے حاشیے پر الزام کیا وارد ہوا، معاملہ کچھ اس نوع کا نظر آتا ہے جیسے "امکان کذب" کی معروف بحث، اہل علم جانتے ہیں کہ ماضی میں یہ بحث بہت زور شور سے چلی ہے کہ اللہ جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں، ایک فریق کہتا تھا جھوٹ تو صفات ذمیمہ میں سے ہے، اللہ کے تمام اوصاف حسن ہیں اس

لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ جھوٹ کا امکان اس کی ذات مقدس کے لئے تسلیم کیا جائے۔ دوسرا فریق کہتا تھا کہ اللہ قادر مطلق ہے، جب جو جی چاہے کر سکتا ہے، کسی بھی فعل کے بارے میں اگر ہم یہ کہنے لگیں کہ اللہ اس کے کرنے پر قادر نہیں تو اس سے اس کی قدرت کاملہ اور اقتدار تام پر حرف آئے گا، جھوٹ ایک فعل ہی ہے اور اتنا آسان کہ آدمی کا بچہ بھی بڑی آسانی سے اسے انجام دے لیتا ہے، لہذا کیسے یہ دعویٰ جائز ہوگا کہ اللہ اس فعل کے کرنے سے معذور ہے!

دونوں فریق خوب داد بحث دیتے چلے گئے رسائل تصنیف ہوئے، مناظرے جمے۔ لیکن کیا کوئی سلیم الطبع آدمی کہہ سکتا ہے کہ اس طرح کی رزم آرائیاں وقت اور انرجی کی بربادی کے سوا بھی کوئی منفعت رکھتی ہیں؟

ایسا ہی معاملہ یہاں نظر آرہا ہے کہ ایک شخص تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تقدیس و توثیق یہ کہہ کر کرتا ہے کہ اس سے بہتر احکام ہو ہی نہیں سکتے تھے، مگر دوسرا شخص یہ اعتراض اٹھاتا ہے کہ واہ صاحب واہ، اللہ کی قدرت و اختیار کو محدود کیسے کیا جا سکتا ہے، اس کے کسی ایک یا چند احکام کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ اس سے بہتر احکام ممکن ہی نہ تھے، اس کے اقتدار اور لامحدود قادریت کو تنگ اور پابند کر دینا ہے۔

اگر اعتراض کا یہ رخ قابل اعتنا ہو تو پھر تو ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر انسان کی پیدائش ممکن نہیں، نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن سے بہتر اور اعلیٰ ترین کوئی کلام ہو ہی نہیں سکتا، ایسا کہتے ہی آپ کے معترض دوست احتجاج کر سکتے ہیں کہ لیجیے صاحب انھوں نے اللہ کی قدرت کو محدود کر دیا۔

الجھن کچھ نہیں ہے، اگر یہ نکتہ ذہن میں رکھ لیا جائے کہ جھوٹ، سرقہ، زنا، قتل ناحق، ظلم یہ سب افعال رذیلہ و ذمیمہ ہیں اور اللہ تعالیٰ تمامتر خیر و پاکیزگی اور سراپا عظمت و کبریائی ہے لہذا ایسے افعال کا اس کے بارے میں خارج از امکان ہونا یہ معنی نہیں رکھتا کہ اس کی قدرت کاملہ میں نقص ثابت ہو گیا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حکم کی توصیف میں یہ کہنا کہ اس سے بہتر حکم ممکن ہی نہ تھا، یہ معنی نہیں رکھتا کہ

اس کی حکمت و قدرت کو محدود کر دیا گیا اعتراض کی گنجائش تو اس وقت نکلتی جب یہ احمقانہ خیال ظاہر کیا جاتا کہ فلاں خرابی کی اصلاح کے لئے جو احکام اللہ نے دیئے ان سے بہتر احکام بھی موجود تھے، اگر بہتر احکام موجود ہوتے تو پھر کیسے ممکن تھا کہ تمام غیب و شہود کا جاننے والا اور ماکان ومایکون کا عالم اللہ جل شانہ، زیادہ بہتر کو چھوڑ کر کم بہتر احکام صادر کرتا، یہ تو گستاخی ہوگی باری تعالیٰ کی شان میں، یہ تو الزام لگانا ہوگا اس کی بے خطا صواب دید پر، اللہ ہمیشہ اعلیٰ ترین تدابیر اختیار کرتا ہے جن سے بہتر کا امکان ہی نہیں پایا جاتا، اس کی تدبیر نے یہ کائنات پیدا کی، اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ کتنی مدت سے یہ بہترین نظم و نسق کے ساتھ چل رہی ہے، پھر کیا شک ہوگا اس دعوے میں کہ اس سے بہتر کائنات کی تخلیق ممکن ہی نہیں تھی، اسی طرح کیا شک ہے، اس بات میں کہ جب جو بھی حکم باری تعالےٰ نے صادر کیا وہ ایسا ہی تھا کہ اس سے اعلیٰ اور مفید ترین حکم کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا تھا، اگر آپ کے دوست کو اس میں شک ہے تو پھر شاید وہ یہ عقیدہ بھی نہ رکھتے ہوں گے کہ اسلام سے بہتر مذہب انسانوں کے لئے کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

ایک نکتہ اور سمجھ لینے کا ہے، اللہ تعالیٰ کو بیشک یہ قدرت ہے کہ کسی بھی خرابی کی اصلاح محض کن سے کر دے اور کسی بھی کافر قوم کو آناً فاناً اسلام کا گرویدہ بنادے، حد ہے کہ وہ چاہے تو ایک پل میں سارے اہل عالم ایمان قبول کرلیں، مگر اس نے اپنی کائنات کو دارالاسباب بنایا ہے، اس کے نوامیس و عناصر کو کچھ قوانین کے تابع کیا ہے، علت و معلول اور سبب و مسبب کے قاعدے اختراع فرمائے ہیں، سورۂ نور کی آیات جن خرابیوں کی نشاندہی کرتی ہیں ان کو دور کر دینا اللہ کی قدرت کاملہ کے لئے یوں بھی بے شک ممکن تھا کہ وہ حکم صادر فرما دیتے کہ اے خرابیو دور ہو جاؤ اور وہ ہو جاتیں، لیکن یہ رویہ چونکہ اس حکمت و مصلحت کے خلاف ہوتا جو اس کائنات کی تخلیق میں رکھی گئی ہے لہٰذا حکم تکوینی صادر کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ نے کچھ احکام نازل فرمائے جن پر عمل کرنا ان خرابیوں کو دور کرنے کے لئے سبب و علت کے درجے

میں آگیا، اور احوال کا یہ تغیر اس حکمت و مصلحت سے ہم آہنگ ہو گیا جو تخلیق کائنات میں ملحوظ ہے، اب کوئی بھی سلیم الطبع آدمی بلا تامل اس اطمینان تک پہنچ سکتا ہے کہ یہ احکام ہر اعتبار سے اعلیٰ اور موثر ترین ہونگے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے نہ تو بھول چوک ہو سکتی ہے، نہ وہ بخیل اور بے درد ہے کہ اپنے بندوں کو ناقص یا کمتر احکام دے اور کامل و اعلیٰ احکام کو چھپا کر رکھ لے، تعالی اللّٰه عما تصفون، کسی خیر سے شر یا شر سے خیر وہ پیدا فرماتا ہے تو یقین رکھنا چاہئیے کہ جس مسئلے یا معاملے میں ایسا کیا گیا اس میں اس سے بہتر طریقہ کوئی تھا ہی نہیں۔

امید ہے یہ معروضات آپ کی اور آپ کے دوست کی الجھن رفع کرنے میں شافی کافی ثابت ہوں گی۔ (تجلی دیوبند، جولائی، اگست ۱۹۶۸ء)

دعا میں وسیلہ

سوال : از۔ریاض الحق حمد۔

"تفہیم القرآن" جلد اول صفحہ ۱۴۴ اور "تفہیم القرآن" جلد چہارم صفحات ۴۱۸ تا ۴۲۲ کا مطالعہ کیا جب کہ صفحہ ۱۴۴ پر دعا کے متعلق یہ عبارت قرآن کی مذکورہ آیت کی تفسیر میں ملی :

واذا سئالك عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوة الداع اذا دعان۔ (اور اے نبیؐ میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں تو انھیں بتادو کہ میں ان سے قریب ہوں، پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے میں اس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں)

اس کی تفسیر میں مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے یوں لکھا ہے کہ : ۱۸۸" (میں خدا) تم سے اتنا قریب ہوں کہ تم خود بغیر کسی واسطے اور وسیلے اور سفارش کے براہ

راست ہر وقت ہر جگہ مجھ تک اپنی عرضیاں پہنچا سکتے ہو، لہذا تم اپنی اس نادانی کو چھوڑ دو کہ ایک ایک بے اختیار بناوٹی خدا کے در پر مارے مارے پھرتے ہو۔"

اس تشریح سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ مولانا وسیلے کے منکر ہیں، جب کہ عام علماء کا یہی خیال ہے کہ جب تک کسی پیغمبر یا کسی ولی یا خدا دوست کا وسیلہ نہ دیا جائے خدا اگر دعا سنے بھی تو قبول کیسے کرے جبکہ کسی نے سفارش ہی نہیں کی ہو، مولانا ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کا غائبانہ بہت مداح ہوں اور ان کی فہم قرآنی کا قائل ہوں اور ان کی رائے کو بہت وزن دیتا ہوں، لیکن اس مسئلے پر اس وقت کشمیری ہوتے ہوئے ان سے کوئی خط و کتابت نہیں ہو سکتی، اس لئے آپ ہی سے جواب کا طالب ہوں۔

ایک طرف "تفہیم القرآن" کی عبارت مگر دوسری طرف یہاں کے ایک دیوبندی عالم کا اس کے خلاف دعویٰ اور تیسری طرف "بخاری" کی ایک حدیث جو کتاب "مقبول دعائیں" میں صفحہ ۷ پر "آداب دعا" کے عنوان آئی ہے کہ "(۱۵) دعا کے وقت انبیاء علیہم السلام اور دوسرے مقبول و صالح بندوں کے طفیل میری دعا قبول فرما۔"

ان چیزوں نے مولانا مودودی کی عبارت مشتبہ بنا دی، براہ کرم اس کی وضاحت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

جواب :

قرآن کی آیت آپ کے سامنے ہے، اگر عربی نہ جانتے ہوں تو کوئی بھی اردو ترجمے والا قرآن اٹھا کر دیکھ لیجیے، اس میں آپ کو یہی ملے گا کہ اللہ نے اس آیت میں اپنے تمام بندوں کو یہ ہدایت دی ہے کہ مجھ سے براہ راست مانگو، کسی وسیلے اور سفارش اور واسطے کا ادنیٰ اشارہ تک اس میں نہیں ہے، پھر کیا آپ یا معترضین یہ چاہتے ہیں کہ مولانا مودودی اپنی تفسیر میں ایسے اضافے فرمائیں جو قرآن سے زائد ہوں۔ العیاذ باللہ۔

پورا قرآن آپ کے پاس موجود ہے، اس میں جہاں جہاں "دعا" کا ذکر آیا ہے یا بعض انبیاء وغیرہ کی دعائیں مذکور ہیں وہاں دیکھ لیجیے کیا واسطے اور وسیلے کا کوئی نشان موجود ہے، اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو آخر آپ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ قرآن پر اطمینان نہیں کرتے، اور اودھر ادھر کی باتوں کو دلیل بناتے ہیں۔

کونسے علماء ہیں جنھوں نے یہ کہا ہو کہ وسیلے اور سفارش کے بغیر اللہ دعا قبول کرتا ہی نہیں، ایسی لغو اور واہی بات کوئی مستند عالم دین نہیں کر سکتا، زیادہ سے زیادہ جو کچھ کہا گیا ہے وہ یہ ہے کہ خدا کے نیک بندوں کے واسطے سے جو دعا کی جائے اس کے قبول ہونے کی زیادہ توقع ہے، تو اسے مولانا مودودی بھی ناجائز قرار نہیں دیتے، ان کا خیال اور عقیدہ آپ کو معلوم کرنا ہو تو ان تحریروں سے معلوم کیجیے جن میں انھوں نے اسی مسئلے سے بحث کی ہے، آیت کی تفسیر میں اپنے ذاتی عقیدے کی تمام تفصیلات کا اظہار ضروری نہیں ہوا کرتا بلکہ وہی تفسیر درست ہوتی ہے جس کی گنجائش آیت میں موجود ہو، اگر دعائیں وسیلے اور توسل ہی کی صورت میں قبول ہوا کرتیں تو کیا آپ اللہ سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ اس خفیہ راز کو بندوں سے چھپائے رکھتا اور اشارہ تک نہ کرتا کہ تم لوگ "وسیلے اور سفارش" کا اہتمام کیا کرو، اگر اس نے مذکورہ آیت میں اور دوسری تمام متعلقہ آیات میں صرف اور صرف یہی حکم دیا ہے کہ براہ راست مجھ سے مانگو میں ہر وقت ہر جگہ تمھاری جہری اور سری دعائیں سنتا ہوں اور انھیں قبول بھی کرتا ہوں تو کیا اس سے صاف ظاہر نہیں کہ وسیلے اور واسطے کا اضافہ آدمی کے اپنے ذہن کی ایجاد ہے۔

قرآن کے بعد حدیث کا نمبر ہے، حدیث میں حضورؐ کی بے شمار دعائیں منقول ہیں، ذرا تلاش تو کیجیے کہ کسی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام یا حضرت جبریل علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ یا حضرت موسیٰ علیہما السلام کا واسطہ دیا گیا ہو، حالاں کہ وسیلے کی اگر کوئی شرعی حقیقت ہوتی تو حضورؐ اپنے قول اور فعل دونوں سے اس کی تعلیم دیتے، پھر صحابۂ کرامؓ کے آثار میں ہم دیکھتے ہیں تو وہاں بھی توسل کا سراغ ملتا، حالاں

کہ توسل اگر شرعاً مفید ہوتا تو صحابہؓ کی دعاؤں میں کثرت سے حضورؐ کا توسل پایا جاتا۔

حدیث کے بعد "فقہ" کی طرف آیئے، فقہ نام ہے دین کے تفصیلی احکام و قوانین کے مجموعے کا، ہر ہوشمند مسلمان جانتا ہے کہ بڑے بڑے فقہاء نے دین کے ہر ہر مسئلے کو کھول کر بیان کر دیا ہے، آپ اس دفتر کو چھان ماریں کہیں نہیں ملے گا کہ دعا میں "توسل" بھی کوئی شرعی اہمیت رکھتا ہو، بلکہ "ھدایہ" میں جو فقہ حنفی کی مشہور اور مستند کتاب ہے، اس کے برعکس ملاحظہ فرمایئے، کتاب الکراھیۃ میں (جلد ۴، صفحہ ۴۵۹ پر) یہ عبارت ملے گی:

ویکره ان یقول فی دعاءہ بحق فلان اوبحق انبیائك ورسلك لانه لاحق للمخلوق علی الخالق

یہ بات مکروہ ہے کہ کوئی شخص اپنی دعاؤں میں حق فلاں اور حقِ نبی اور حق رسول شامل کرے کیونکہ اللہ پر کسی مخلوق کا کچھ حق نہیں ہے۔

پھر "کراہت" کا مطلب محض برائے نام سی برائی نہ سمجھئے، اسی "باب الکراہیۃ" کے شروع میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگرد قاضی ابو یوسفؒ کا فیصلہ تو یہ ہے کہ جو شے مکروہ ہے وہ قریب قریب حرام ہی ہے اور امام صاحبؒ کے دوسرے شاگرد امام محمدؒ کہتے ہیں کہ ہر مکروہ حرام ہے، البتہ جب تک اس کی حرمت پر صریح نص نہ پائی جائے اسے حرام نہیں کہیں گے مکروہ کہیں گے۔ (ہدایہ صفحہ ۴۳۶)

افسوس کہ یہ سب ہوتے ہوئے بھی ہمارے یہاں دعاؤں اور مناجاتوں میں اس قسم کے اشعار رائج ہو گئے ہیں:

الٰہی حق بنی فاطمہ   شہادت پہ کیجو مرا خاتمہ

رہے "توسل" کے دوسرے الفاظ، مثلاً فلاں کے صدقے یا طفیل یا وسیلے سے کچھ مانگا جائے تو اگرچہ اسے ناجائز نہ مولانا مودودی کہتے ہیں نہ ہم، لیکن یہ قطعی بات ہے کہ اس کی تعلیم اللہ اور رسولؐ نے نہیں دی ہے، یہ بعد کے لوگوں نے اپنی عقل سے نکالا ہے، اسے زیادہ سے زیادہ جائز کہہ سکتے ہیں نہ کہ واجب یا سنت یا

مستحب۔

اب رہا اس حدیث "بخاری" کا معاملہ جس کا مضمون آپ نے کتاب "مقبول دعائیں" سے نقل کیا ہے تو یہ کتاب ہمارے پاس نہیں ہے، لیکن "بخاری" بفضلہ تعالیٰ موجود ہے، ہم پورے اطمینان کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ "توسل" اور "طفیل" کی تعلیم "بخاری" کی کسی حدیث میں نہیں دی گئی۔ "بخاری" ہم نے نہ صرف پڑھی ہے بلکہ اس وقت بھی وہ ہمارے سامنے موجود ہے، اس کی کتاب الدعوات میں نہ صرف سب طرح کی دعائیں بلکہ آداب دعا بھی منقول ہیں، آپ اگر "بخاری" دیکھنے کی استعداد نہ رکھتے ہوں تو اپنے یہاں کے کسی ایسے عالم سے جو "توسل" کا عقیدہ رکھتا ہو، گذارش کیجیے کہ وہ بخاری میں سے وہ حدیث نکال کر دکھائے جس میں "توسل" کی تعلیم دی گئی ہو، ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ آپکو مایوسی ہوگی، واقعہ یہ ہے کہ اگر توسل اور تصدق کی کوئی شرعی حقیقت ہوتی تو بخاری کی "کتاب الدعوت" میں اس کا ذکر بار بار اور کھل کر آتا کیونکہ یہ دعا کے مسئلے پر جامع اور مفصل ہے، اس میں سفر کی حضر کی، سونے کی جاگنے کی، مصیبت کی، فتنے کی، ہر قسم کی دعائیں منقول ہیں، لیجیے بطور برکت چند دعائیں یہاں بھی حاضر ہیں، جسے توفیق ہو وہ انھیں حفظ بھی کرسکتا ہے۔

"سید الاستغفار" کے نام سے یہ دعا بڑی شاندار چیز ہے:

اللھم انت ربی لااله الا انت خلقتنی وانا عبدك وانا علی عهدك ووعدك ما استطعت اعوذبك من شرما صنعت ابوء لك بنعمتك علی وابوء لك بذنبی فاغفرلی فانه لایغفرالذنوب الا انت۔

اے اللہ تو ہی میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو نے ہی مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تاحد امکان تیرے عہد اور وعدے پر قائم ہوں اور میں اپنے برے اعمال سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور جو نعمتیں تو نے مجھے عطا کی ہیں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا بھی معترف ہوں، بس اے اللہ میری بخشش فرمادے،

تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں معاف کر سکتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص صدق دل سے یہ استغفار دن میں پڑھے اور شام سے قبل مر جائے یا رات میں پڑھے اور صبح سے پہلے مر جائے تو سمجھ لو وہ جنتی ہے، اب غور سے دیکھیے کیا اس دعا میں کہیں کسی ولی یا نبی کا توسل پایا جاتا ہے؟ مصیبت کے وقت جو دعاء منقول ہے وہ یہ ہے:

لا الٰہ الا اللہ العظیم الحکیم لا الہ الا اللہ رب السموات والارض ورب العرش العظیم

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو بڑی عظمت اور بردباری والا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے، اور رب ہے عرش عظیم کا (یا رب ہے، شر کا اور بہت عظمت والا ہے)

کتنی واضح بات تھی کہ اگر دعا کی مقبولیت کا کچھ بھی تعلق وسیلے اور طفیل سے ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں اسکی تعلیم ضرور دیتے کیونکہ مصیبت ہر شخص کو کچھ نہ کچھ پیش آتی ہی رہتی ہے، اور قیامت تک ہر فرد کو اسکی ضرورت ہے، مگر کیسا وسیلہ اور کس کا طفیل۔

اور دیکھیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یستجاب لاحدکم مالم یجعل یقول دعوت فلم یستجب لی۔

تم میں سے ہر شخص کی دعا قبول کی جاتی ہے بشرطیکہ وہ جلد بازی نہ کرے، یعنی یہ نہ سوچے کہ میں نے فلاں دعا کی تھی مگر مقبول نہیں ہوئی۔

یہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ لوگ وسیلے سے دعا کریں تب قبول ہوگی، وسیلے اور طفیل کا تو احادیث صحیحہ میں کوئی تصور ہی نہیں، امت میں یہ تصور تصوف کی راہ سے آیا ہے، اور پھر اس کے لئے یا تو کمزور روایات کا سہارا لیا گیا ہے، یا آیات کی غلط تشریح و تعبیر کا، آپ کے یہاں اگر کوئی سنجیدہ اہل علم ہو اور وہ اس باب میں کچھ دلائل رکھتا ہو تو ہم ہر وقت اس کی سننے اور اپنی کہنے کو تیار ہیں، مگر آفت یہ ہو گئی ہے کہ ہر شخص اپنی دنیا میں مگن اور اپنے تخیلات میں گم ہے، غلط افکار و

عقائد پر تنبیہ کرو تو منہ میں جھاگ بھر لائے گا، آنکھیں نکالے گا، گالی بازی اور الزام تراشی شروع کر دے گا، خصوصاً بریلوی حلقے تو اس فن کے امام ہیں، جہاں کسی نے ان کے واہی عقائد پر انگلی اٹھائی فوراً چیخے کہ یہ "وہابی" ہے، "مودودی" ہے، بد عقیدہ ہے، اسی طرح کی جہالت و سفاہت نے عامۃ المسلمین کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے اور خدا کا پاک و صاف دین شرک و بدعت کی غلاظتوں سے بری طرح آلودہ ہو گیا ہے۔

آ رہا ہے وہ وقت جب ان حماقتوں کا مزا چکھنا ہو گا کہ یا عبدالقادر جیلانیؒ مدد اور یا علیؓ مدد اور یا فلاں مدد، لاحول و لاقوة الا باللّٰہ، اس وقت یہی بزرگ اللہ سے کہیں گے کہ ہم تو ان شرکیات سے بری ہیں، ہم نے کسی سے نہیں کہا تھا کہ ہمیں مدد کو پکارو، یہ تو انھوں نے اپنے دل سے گھڑ کر ایک نئی شریعت بنائی اور شیطان کے چکر میں آگئے، آپ انھیں سزا دیں یا معاف کر دیں، آپ مالک ہیں، اس وقت لوگوں کو پتہ چلے گا کہ ہم کن واہی تصورات کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھا لائے ہیں۔

مولانا مودودی پر ایک اعتراض

سوال : از حیدر علی۔ راجا ٹم ٹپہ (میدک)

یہاں کے بعض حضرات "سورۂ بقر" کے رکوع نمبر ۲۹ کی پہلی آیت کہ صرف دو طلاق ہیں اس کے بعد رجوع کر لینے سے پھر سابقہ حالت عود کر آتی ہے گویا رجوع کرنا توبہ کی مصداق اور پھر تین طلاق کا حق حاصل رہتا ہے، ایسی ہی توضیح ترجمہ سے کرتے ہیں۔

مولانا مودودی صاحب کی "تفہیم" جس میں انھوں نے واضح کیا ہے کہ "دو طلاق کے بعد جب رجوع کیا جائے تو آئندہ زندگی بھر میں صرف ایک ہی طلاق پر تین طلاق بہ شمول سابقہ دو کے ہو جاتے ہیں۔"

اس توضیح کو یہاں کے بعض حضرات مولانا کی خود ساختہ بتلاتے ہیں۔
براہ کرم "تجلی" کی قریبی اشاعت میں اس غلط فہمی کو مدلل پیش فرمائیں تو باعث تشکر ہوگا۔

جواب :
جہل مرکب کا مہلک مرض تھا تو پہلے بھی مگر اب یہ وبائے عام کی شکل اختیار کر گیا ہے، جہل مرکب اسے کہتے ہیں کہ ایک مسئلہ سے آپ جاہل ہوں مگر خود کو اس کا عالم خیال کریں۔
جن معترض حضرات کا آپ نے ذکر کیا وہ اسی مرض خبیث کے مریض ہیں، انھیں خود فریبی کی محویت میں یہ بھی ہوش نہ آیا کہ مولانا مودودی کی تصریح پر اعتراض کرنے سے قبل یہ تو دیکھ لیں کہ دیگر مفسرین و فقہاء کیا کہتے ہیں، اگر وہ دیکھ لیتے تو جہل مرکب کا بدنما مظاہرہ کبھی نہ کرتے۔
آیت الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان (سورہ بقر)
طلاق رجعی ہے دو بار تک اسکے بعد رکھ لینا موافق دستور کے یا چھوڑ دینا (ترجمہ شیخ الہند)

اس کی شان نزول ہی علماء نے یہ لکھی ہے کہ اسلام سے قبل مردوں نے یہ ظالمانہ وطیرہ اختیار کر رکھا تھا کہ بیوی کو "طلاق رجعی" دیتے پھر عدت کے خاتمے سے قبل رجوع کر لیتے، اس کے بعد جب جی چاہتا پھر یہی کرتے، اس طرح وہ زندگی میں دسیوں بار "طلاق و رجعت" کا کھیل کھیلتے، جس سے عورت کی جان ضیق میں آجاتی، اللہ نے اسی ناپاک اور سفاکانہ صورت حال کا علاج کرنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی، عربی تفاسیر کے حوالے عام قارئین کے لئے مفید نہ ہوں گے، لہٰذا ہم شیخ الہندؒ کے ترجمے اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی تفسیر والے قرآن کا حوالہ دیتے ہیں کہ اس آیت کا حاشیہ (نمبر ۵) ملاحظہ فرمالیا جائے، وہاں نہ صرف یہ کہ وہی بات رقم کی گئی ہے جو

مولانا مودودی نے رقم کی بلکہ اس آیت کا مفاد و مقصد بھی یہی بیان کیا گیا ہے، یعنی جو جاہل اور سنگدل لوگ بار بار رجعی طلاقیں دے کر رجوع کرتے رہتے ہیں وہ خدا کے نافرمان اور ظالم ہیں، رجوع کے بعد پچھلی حالت نہیں لوٹتی بلکہ "طلاق" نامۂ اعمال میں ثبت ہو جاتی ہے، دوبار طلاق اور رجوع کا کھیل کھیلنے کے بعد تیسری مرتبہ رجعت ممکن نہیں ہے۔

ان جہلاء کو اور کسی ماخذ تک دسترس نہ ہو تو مولانا اشرف علیؒ کا "بہشتی زیور" ہی اٹھا کر دیکھ لیں، حصہ چہارم "تین طلاق دینے کا بیان" کے زیر عنوان مسئلہ نمبر ۳ یہ ملے گا:

"کسی نے اپنی عورت کو ایک "طلاق رجعی" دی، پھر میاں راضی ہو گیا اور روک رکھا (یعنی رجعت کرلی) پھر دو چار برس میں کسی بات پر غصہ آیا تو ایک "طلاق رجعی" اور دیدی جس میں روک رکھنے کا اختیار ہوتا ہے پھر جب غصہ اترا تو روک رکھا اور نہیں چھوڑا یہ دو طلاقیں ہو چکیں، اس کے بعد اگر کبھی ایک طلاق اور دیدیگا تو تین پوری ہو جاویں گی، اور اس کا وہی حکم ہوگا جو ہم نے صفحہ ۷۴ پر بیان کیا ہے کہ بے دوسرا خاوند کیے اس مرد سے نکاح نہیں ہو سکتا۔"

فرمایئے کیا ایک پرائمری پاس بچہ بھی صاف نہیں دیکھ سکتا کہ یہ وہی بات ہے جو مولانا مودودی نے کہی، اور جسے جہل مرکب کے مریض مولانا موصوف کی "خود ساختہ" کہہ رہے ہیں؟

یہ بھی سن لیجئے کہ "بہشتی زیور" کے مسائل بڑی بڑی کتب فقہ سے لئے ہوئے ہیں، چنانچہ مکمل مدلل "بہشتی زیور" کے حواشی پر آپ یہ بھی دیکھ سکتے ہیں کہ "درمختار" "عالمگیری" اور دیگر مستند کتابوں کے حوالے موجود ہیں، یہ تصریح ان لوگوں کے لئے ہم نے کی جو مولانا اشرف علیؒ کا پایہ نہیں جانتے ورنہ جو لوگ آپ کی مرتبت سے واقف ہیں انھیں معلوم ہی ہے کہ ممدوح رحمۃ اللہ علیہ خود ساختہ باتیں نہیں کہتے بلکہ قرآن، حدیث اور فقہی دفتر پر گہری وسیع نظر رکھتے ہیں۔

حاصل جواب یہ کہ مولانا مودودی کی تفسیر سے عالمانہ اختلاف رائے کا ہر شخص مجاز ہے لیکن جاہلوں اور متعصبوں کو اس وادی میں قدم رکھ کر اپنی رسوائی نہیں کرنی چاہیئے۔ (تجلی دیوبند، اگست ۱۹۶۳ء)

تفہیم القرآن سے متعلق ایک سوال

سوال : از۔ابوالاحسان۔ مظفر نگر۔

ثم اورثنا الکتاب الذین اصفینا من عبادنا...... ان ربنا لغفور شکور۔

”پھر ہم نے اس کتاب کا وارث بنادیا ان لوگوں کو جنھیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا، اب کوئی ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے اور کوئی بیچ کی راس ہے اور کوئی اللہ کے اذن سے نیکیوں میں سبقت کرنے والا ہے، یہی بہت بڑا فضل ہے، ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے، وہاں انھیں سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے آراستہ کیا جائے گا، وہاں ان کا لباس ریشم ہوگا اور وہ کہیں گے شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم سے غم دور کردیا۔“

ان آیات کی تفسیر میں مولانا نے ایک حدیث کا حوالہ دیا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”جو لوگ نیکیوں میں سبقت لے گئے ہیں وہ جنت میں کسی حساب کے بغیر داخل ہوں گے، اور جو بیچ کی راس رہے ہیں ان سے محاسبہ ہوگا مگر ہلکا سا محاسبہ، رہے وہ لوگ جنھوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے تو وہ محشر کے پورے طویل عرصے میں روکے رکھے جائیں گے، پھر انھیں اللہ اپنی رحمت میں لے لیگا اور یہی لوگ ہیں جو کہیں گے کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم سے غم دور کردیا۔“

آگے چل کر مولانا فرماتے ہیں ”مگر اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ

مسلمانوں میں سے جن لوگوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے ان کے لئے صرف تابر خاست عدالت ہی کی سزا ہے اور ان میں سے کوئی جہنم میں جائے گا ہی نہیں، اس لئے کہ قرآن اور حدیث میں متعدد ایسے جرائم کا ذکر ہے جن کے مرتکب کو ایمان بھی جہنم میں جانے سے نہیں بچا سکتا۔"

یہاں اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ لوگ جنھیں اللہ تعالیٰ نے کتاب کی وراثت کے لئے چن لیا ہے، اور وہ مسلمان کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں تو ان میں سے گناہگار مسلمانوں کی سزا مذکورہ بالا حدیث کے اقتباس کی روشنی میں صرف یہ ہے کہ وہ تابر خاست عدالت میدان حشر میں رکے رہیں گے اور پھر اس کے بعد وہ جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے، اس کے بعد یہ گنجائش باقی نہیں رہتی کہ وہ کسی خاص جرم یا گناہ کے ارتکاب پر جہنم میں بھی داخل ہو سکیں گے کیونکہ ان اقتباسات میں اس کی نفی کی گئی ہے، پھر یہ تضاد جو بظاہر یہاں نظر اتا ہے کیسے دور کیا جا سکتا ہے۔

اگر میدان حشر کی تکالیف اور وہاں کے عذاب ہی کو جہنم کہا جا سکتا ہے تو ظاہر ہے کہ تضاد خود بخود ختم ہو جاتا ہے لیکن اگر جہنم میدان حشر کے عذاب سے کوئی الگ چیز ہے پھر اس تضاد کو کیسے دور فرمائیں گے۔

امید ہے قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنے تفصیلی جواب سے مطلع فرمائیں گے۔

جواب :

جس طرح قرآن کی تفسیر کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ کسی بھی آیت کا مفہوم معین کرتے ہوئے متعلقہ مضمون کی دوسری آیات بھی نظر میں رہنی چاہئیں تا کہ اللہ تعالیٰ کا پورا منشا سامنے آئے اور آیات میں تصادم نہ ہونے پائے اسی طرح احادیث سے مطالب اخذ کرنے میں متعلقہ مضمون کی جملہ معتبر روایات کو نظر میں رکھنا ضروری ہے۔

مثال سے یوں سمجھیے کہ قرآن میں ایک جگہ فرمایا گیا ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً، اس مقام پر کسی بھی قسم کا استثناء موجود نہیں، لہذا اگر مغفرت سے متعلق دیگر آیات پر نظر غدر رکھی جائے تو اس آیت کا یہ مفہوم معین کرنا پڑے گا کہ کفر و شرک کا استثناء کئے بغیر ہر گناہ کی معافی ممکن ہے، حالانکہ آپ جانتے ہی ہیں کہ یہ درست نہیں، دوسری آیات میں دوٹوک اعلان کر دیا گیا ہے کہ شرک و کفر نا قابل معافی ہیں۔

اور حدیث کی مثال یہ ہے کہ من قال لااله الا الله فقد دخل الجنة، اب اگر ان دیگر احادیث کو نظر انداز کر دیا جائے جن میں دخول جنت کے کچھ مزید شرائط بھی بیان ہوئے ہیں تو آپ یقیناً اس نادرست نتیجے پر پہنچیے کہ آدمی چاہے ملائکہ، کتب آسمانی اور انبیاء وغیرہ کا قائل ہو نہ ہو صرف لاالہ الااللہ زبان سے کہدینا اسکے دخول جنت کی ضمانت ہوگا۔

ان مثالوں کے بعد یہ سمجھنا آپ کے لئے دشوار نہ ہونا چاہیے کہ جس حدیث کو "تفہیم" میں نقل کیا گیا ہے اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ وہ تمام آیات اور احادیث بے کار ہو جائیں جن میں صریح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ فلاں فلاں جرم پر مسلمان بھی دوزخ میں ڈالا جائے گا، خود صاحب تفہیم نے آپ کی منقولہ عبارت کے بعد مثلاً قتل عمد، قانون وراثت میں دخل فصل اور سود خواری کا ذکر کر دیا ہے، لہذا مذکورہ تفسیر و تشریح کے درمیان تضاد محسوس کرنا ایسا ہی ہوگا جیسے جملہ گناہوں کی مغفرت کا امکان ظاہر کرنے والی آیت اور شرک و کفر کو امکان مغفرت سے خارج کرنے والی آیات کے درمیان تضاد کا احساس کیا جائے، یہ تضاد نہیں ہے بلکہ اجمال اور تفصیل کا فرق ہے، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ بہتیری احادیث ایسی ہیں جن میں فقط ایک یا دو اوصاف ذمیمہ کا ذکر کر کے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص ان سے متصف ہو وہ جنت کی بو بھی نہیں سونگھے گا، مگر حضور ہی کے دیگر ارشادات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان جیسے دس بیس اوصاف ذمیمہ بھی مومن کے دخول جنت میں مانع نہیں ہیں، یا تو سزا پا لینے کے بعد وہ جنت میں بھیج دیا جائے گا یا اس کی

نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا تو سزا کے بغیر ہی جنتی قرار پائے گا اور اوصافِ ذمیمہ محو ہو جائیں گے، اس سے معلوم ہوا کہ کوئی بھی حدیث یا آیت جائے خود پورے دین اور تمام قانون شریعت کی جامع نہیں ہوتی بلکہ محل اور ضرورت کے مطابق کسی حکم یا عقیدے یا اطلاع کے فقط بعض پہلو اور اجزا سامنے لاتی ہے، اب یہ طالب حق کا کام ہے کہ وہ باقی پہلوؤں کو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر ارشادات میں ڈھونڈے، ایسا نہ کرے گا تو اسکے سامنے تضادات ہی تضادات کا ڈھیر لگ جائے گا اور اس ڈھیر کے نیچے اس کے ایمان و عقائد کا جسد معنوی کچلا ہوا کر رہ جائے گا۔

(تجلی، دیوبند، مئی ۱۹۶۹ء)

تفسیر

سوال:

"تفہیم القرآن" میں سورۂ اعراف کی آیت قال لکل ضعف ولکن لاتعلمون۔ ہر ایک کے لئے دوہرا عذاب ہے، مگر تم جانتے نہیں ہو (صفحہ ۲۶ جلد ۲) کی تفسیر میں مودودی صاحب تحریر کرتے ہیں کہ:

"جس نے کسی نئی گمراہی کا آغاز کیا جو اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک ناپسندیدہ ہو تو اس پر ان سب لوگوں کے گناہ کی ذمہ داری عائد ہوگی جنھوں نے اسکے نکالے ہوئے طریقہ پر عمل کیا بغیر اس کے کہ خود ان عمل کرنیوالوں کی ذمہ داریوں میں کوئی کمی ہو۔۔۔۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر شخص اپنی نیکی یا بدی کا صرف اپنی ذات کی حد تک ہی ذمہ دار نہیں ہے، بلکہ اس امر کا بھی جواب دہ ہے کہ اس کی نیکی یا بدی کے کیا اثرات دوسروں کی زندگیوں پر مرتب ہوئے، پس یہ اچھے اور برے اعمال جو وہ آج کر رہا ہے اس کی موت کیساتھ ختم نہیں ہو جائینگے بلکہ اس کے حساب کا کھاتہ اس وقت تک کھلا

رہے گا جب تک یہ اثرات چل رہے ہیں، اور پھیل رہے ہیں۔"

سوال یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک ایسی برائی کو رواج دیا جس کا سلسلہ قیامت تک چلنے کا امکان قوی ہے، اور وہ شخص خدا سے اپنے گناہوں کی معافی صدق دل سے مانگ کر اور توبہ حقیقی معنوں میں کر کے مر گیا، لیکن وہ برائی جس کو اس نے رواج دیا وہ جاری ہے تو کیا پھر بھی اس کے "نامۂ اعمال" میں اس گناہ کا ایک حصہ لکھا جاتا رہے گا، اس سلسلہ میں یہ بتایئے کہ کونسے گناہ "توبہ" کرنے سے معاف ہو جاتے ہیں؟ آیا صرف وہی جن کا تعلق براہ راست معبود سے ہے یا وہ بھی جن کا تعلق مخلوق سے ہے؟

جواب:

قرآن کا واضح اعلان ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کے علاوہ ہر گناہ معاف کر سکتا ہے، اس اعلان کے بعد شرک کے ماسوا تمام ہی گناہوں کی معافی ممکن اور متصور ہو سکتی ہے، لیکن قرآن ہی میں جگہ جگہ یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ اللہ منصف ہے، ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا، لہٰذا جن لوگوں نے کسی کا حق مارا ہے، کسی کو ایذا پہنچائی ہے، کسی کو فریب دے کر نقصان سے دوچار کیا ہے انھیں معاف کر دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ ان لوگوں کے ساتھ انصاف نہیں ہوا جن کی حق تلفی ہوئی تھی، اسی لئے احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ "حقوق العباد" کی معافی نہیں ہے، اور اگر ہے تو اسی صورت میں کہ مظلوم حضرات معاف کر دیں، یہ معافی دنیا میں بھی ہو سکتی ہے اور آخرت میں بھی، اگر کسی شخص نے زید کا حق مارا ہے اور پھر اللہ نے اس کی توبہ قبول کر لی تو قیامت کے دن اس کا مقدمہ ضرور پیش ہوگا اور زید معاف کر دے گا تب اللہ اس شخص کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔

جس شخص نے کوئی ایسی برائی رائج کی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک چلتا جائے تو کون کس بنیاد پر فیصلہ دے سکتا ہے کہ اس کے "توبہ و استغفار" کو اللہ کے یہاں قبولیت حاصل ہوئی یا نہیں، قانون تو یہی ہے کہ متعدی اور دور رس برائیوں کا رواج دہندہ یا موجد ڈبل تعزیر سے نہیں بچے گا، لیکن "شرک" کے علاوہ چونکہ ہر گناہ کی

معافی ممکن ہے اس لئے ایسے شخص کے لئے بھی دعائے کرنی چاہیے، اب یہ اللہ کے ہاتھ ہے کہ وہ جیسا چاہیں کریں، توقع بہت موہوم ہے کہ اثم وگناہ کا بیج بونے اور معصیت کی وبا پھیلانے والا آخرت کی تعزیر سے بچ سکے گا۔ واللہ علی کل شیئ قدیر۔ (تجلی، دیوبند، اگست ۱۹۶۱ء)

تفہیم القرآن اور ایک حدیث

سوال: از: محمد عبدالسمیع "نلگنڈہ۔"

ایک الجھن کے سلسلے میں آپ کی دستگیری مطلوب ہے قریبی اشاعت میں شائع فرما کر مشکور فرمایئے۔

وضاحت طلب مسئلہ یہ ہے کہ "تاگار جنا ساگر "ہل کالونی" کی مسجد میں میرے ایک دوست روزانہ درس قرآن دیتے ہیں اور ایک دن دوران درس میں انھوں نے "تفہیم القرآن" میں پیش کئے ہوئے "نقشہ جات" کا تذکرہ کیا، جس کی بناء پر میں نے تفہیم القرآن "جلد اول" ان کی خدمت میں پیش کی، چنانچہ اکثر مصلیانِ مسجد بھی بڑے شوق سے "تفہیم القرآن" کا مطالعہ کرنے لگے، صاحب موصوف کو لوگوں کا ذوق وشوق سے "تفہیم القرآن" کا مطالعہ کرنا ناگوار گذرا، اور انھوں نے تفہیم القرآن کے تعلق سے یہ کہہ کر لوگوں کے دلوں میں شکوک پیدا کر دیئے، کہ مولانا مودودی نے بعض آیاتِ قرآنی کی تفسیر میں پچھلے آسمانی صحیفوں کا حوالہ دیا ہے اور ان کتابوں کے مضامین اپنی تفسیر میں تحریر فرمائے ہیں، اس لئے "تفہیم القرآن" کا پڑھنا درست نہیں ہے۔

اور استدلال میں "مشکوٰۃ شریف" کی ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کسی آسمانی صحیفے کا مطالعہ کر رہے تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا تو حضرت عمرؓ کے مطالعہ کرنے پر چہرۂ انور غصے سے سرخ ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سابقہ آسمانی صحیفوں کے مطالعہ سے منع فرمادیا۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سابقہ آسمانی صحیفوں کا مطالعہ ناپسند تھا اور آپ نے منع فرمایا ہے اور تفہیم القرآن میں کثرت سے ان کتابوں کا حوالہ اور واقعات موجود ہیں اس لئے "تفہیم القرآن" کے مطالعے سے احتراز کرنا چاہیئے۔

"اس بات سے لوگوں میں شکوک پیدا ہو گئے ہیں، جب موصوف کو دوسرے مفسرین جنھوں نے اپنی تفسیروں میں ان آسمانی صحیفوں کا حوالہ دیا ہے، بتلانیکی کوشش کی گئی تو انھوں نے گفتگو کرنے سے انکار کر دیا، چونکہ موصوف کے اس طریق کار اور گفتگو سے لوگوں کے دلوں میں شکوک اور شبہات پیدا ہو گئے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ حقیقتِ حال کا انکشاف ہو جائے۔

اس لئے آپ سے استدعا ہے کہ جس حدیث "مشکوٰۃ" کا حوالہ موصوف نے دیا ہے کس حد تک درست ہے، حدیث شریف کیا ہے؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے کے کیا اسباب تھے؟ جب کہ خود قرآن شریف میں ان آسمانی کتابوں کا بکثرت ذکر موجود ہے، براہ کرم "تجلی" کی ڈاک میں وضاحت سے جواب مرحمت فرمایا جائے، تاکہ جن لوگوں کے دلوں میں الجھن پیدا ہو گئی ہے دور ہو جائے۔

جواب:

آپ کے دوست قابلِ رحم ہیں، وہ روزانہ ہی درس قرآن کی زحمت فرمار ہے ہیں، تو قدرتاً انکی یہ خواہش ہونی ہی چاہیئے تھی کہ حاضرین کی تمام دلچسپیاں اور عقیدتیں ان کے لئے وقف ہوں، اب سوء اتفاق سے "تفہیم القرآن" بیچ میں کود پڑی، اور اس ظالم کے حسن و جمال نے حاضرین کی توجہات کا اچھا خاصہ حصہ اپنی طرف گھسیٹ لیا، تو موصوف کے قلبِ ناتواں پر جھلاہٹ اور خفگی کا نزول کچھ مستبعد نہیں۔

آپ نے سنا ہوگا:

ہنر بہ چشم حسوداں بزرگ ترعیب است

جب ہم کسی اپنے سے بہتر کو دیکھتے ہیں تو بارہا ہم پر حسد کا شیطان حملہ آور ہوتا ہے، اور حسد کا خاصہ ہی یہ ہے کہ محسود کے ہنر عیب، اور خوبیاں، برائیاں نظر

جائیں۔

مولانا مودودی کی "تفہیم القرآن" جہاں بے شمار دوسری خوبیوں کا خزانہ ہے، وہیں یہ مہتم بالشان خوبی بھی اس میں پائی جاتی ہے کہ اس کا پڑھنے والا دیگر کتب آسمانی کے بعض ایسے مضامین سے آگاہ ہو جاتا ہے جن کی آگاہی کسی اور ذریعے سے اس کے لئے خاصی دشوار تھی، اب یہی خوبی اگر آپ کے دوست کو عیب نظر آئی تو حیرت کیوں اور شکوہ کیا؟

اللہ تعالیٰ آپ کے دوست پر رحم کرے، اس تمہید کے بعد ہم جواب پر متوجہ ہوتے ہیں، تاکہ جو سادہ دل حضرات اپنی کم علمی و کم فہمی کے باعث واقعۃً کسی الجھن اور وسوسے کا شکار ہو گئے ہوں، وہ نجات پا جائیں، واللہ ولی المومنین۔

واقعہ یوں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک بار "توریت" کا ایک نسخہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ "توریت" کا نسخہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہ دیا، تو حضرت عمرؓ نے اس نسخے کو پڑھنا شروع کیا، انہیں دراصل اندازہ نہیں ہوا تھا کہ ان کا یہ فعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج مبارک پر ناخوشگوار اثر ڈالے گا، مگر حضرت ابو بکرؓ نے جو اس مجلس میں موجود تھے، محسوس کر لیا کیونکہ ان کی نظر حضور کے روئے مبارک پر تھی جس پر تکدر اور گرانی کے آثار ابھر آئے تھے، وہ سرزنش کے طور پر کہنے لگے کہ اے عمر! کیا تم نہیں دیکھتے کہ تمہارے اس فعل و عمل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر کس قسم کے آثار ظاہر کئے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے چونک کر روئے مبارک کی طرف دیکھا اور متنبہ ہوئے کہ واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبیدہ خاطر ہیں، اس تنبہ کے ہوتے ہی انہوں نے برملا کہا:

اعوذ باللّٰہ من غضب اللّٰہ و غضب رسولہ رضینا باللّٰہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمدنبیاً

میں اللہ اور اسکے رسول کے غصے سے پناہ مانگتا ہوں، اور اعتراف کرتا ہوں کہ

میں اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے، اور محمد کے رسول ہونے پر
تہ دل سے راضی ہوں۔
اس پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

والذی نفس محمد بیده لوبدالکم موسیٰ فاتبعتموه وترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ولو کان موسیٰ حیا وادرك نبوتی لاتبعنی (مشکوة۔ باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے اگر آج تمھارے سامنے موسیٰ ظاہر ہوتے اور تم ان کے پیروکار بن کر مجھے چھوڑ دیتے تو یقیناً گمراہ ہو جاتے، اور اگر موسیٰ زندہ ہوتے اور میرے زمانۂ نبوت کو پاتے تو یقیناً میری ہی پیروی کرتے۔

اس پوری روایت کا مطالعہ کرنے والا کوئی معمولی فہم کا آدمی بھی اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جو باتیں آپ کے دوست نے اس روایت کے حوالے سے کہی ہیں وہ عقل و نقل دونوں اعتبار سے لغو اور باطل ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد آپ کے سامنے ہے، اس میں نہ تو آسمانی صحیفوں کے مطالعہ کی ممانعت ہے نہ ایسا کوئی اشارہ ہے جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہو کہ کسی آسمانی صحیفے کے بعض مضامین کو قرآن کی تصدیق اور رسالتِ محمدی کی توثیق کے لئے بھی استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

آپ کے دوست نے صورتِ واقعہ یوں بیان کیا کہ جیسے حضرت عمرؓ کہیں اطمینان سے بیٹھے "توریت" کی تلاوۃ کر رہے ہوں، اور اچانک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے دیکھ پائے ہوں تو خفگی کا اظہار فرمایا ہو، لیکن روایت دیکھ لیجئے صورتِ واقعہ یوں نہیں ہے، بلکہ حضرت عمرؓ توریت کا نسخہ ہاتھ میں لئے باقاعدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے ہیں، اور جتلاتے ہیں کہ یہ "توریت" کا نسخہ ہے، یہ طرز عمل ظاہر ہے کہ اس خاتم الانبیاء کے لئے ناگواری کا باعث ہونا چاہئے تھا، جس پر قرآن

نازل ہورہا تھااور جسے علم تھاکہ تمام "صحائف آسمانی" تحریف و تغیر کا شکار ہو چکے ہیں۔
پھر یہ بھی سمجھ لیجئے کہ حضرت عمرؓ کو ایمان لائے ابھی زیادہ دن نہیں گذرے تھے ،وہ قابل رشک فراستِ ایمانی جس کے لئے وہ بجاطور پر آفاق میں مشہور ہوئے ابھی کمال کے سانچے میں نہیں ڈھلی تھی، ایسی حالت میں ان کا "توریت" کو غیر معمولی اہمیت دینااور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھنا، اس غلط فہمی کی غمازی کررہا تھا کہ ان کی دانست میں آج بھی یہ "صحیفہ آسمانی" ساقط الاعتبار نہیں ہے ،اور قرآن کی طرح اس سے بھی ہدایت حاصل کی جاسکتی ہے۔
اس خیال یاایسے ہی کسی نادرست خیال (۱) کی غمازی حضرت عمرؓ کے طرز عمل سے نہ ہورہی ہوتی تو حضور انتہائی ناگواری کے ساتھ وہ باتیں نہ فرماتے جنھیں آپ روایت میں پڑھ رہے ہیں، کیا کسی مسلمان کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ گستاخانہ بات آسکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ارشاد بے محل اور غیر بلیغ ہو، اگر کوئی بے عقل آدمی یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ "توریت" کی قراۃ پر تھا تو اسے بتانا چاہئیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے شدومد سے وہ باتیں کیوں کہیں جن کا اس وقت کوئی محل ہی نہیں تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو فرمانا چاہئیے تھا کہ میری رسالت اور قرآن کے نزول کے بعد تمام صحائف آسمانی کا مطالعہ ممنوع قرار پاگیا لہذا اے عمر "توریت" کے اس نسخے کو آگ لگادو اور سب لوگوں سے کہدو کہ کسی بھی "صحیفہ آسمانی" کو ہاتھ لگانا قرآن کے بعد جائز نہیں رہا ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کوئی بات نہیں فرمائی بلکہ ایسے کلمات ارشاد کئے جن سے واضح ہوتا ہے کہ مخاطب کا مجموعی طرز عمل اپنے ذہنی پس منظر میں کسی غلط فہمی کو لئے ہوئے تھا، اسی غلط فہمی کو حضور نے شدومد کے ساتھ دور کیا۔
سادہ الفاظ میں اگر اس حدیث کا ماحصل بیان کیا جائے، تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ "خاتم الانبیاء" کی بعثت اور قرآن کے نزول نے پچھلے تمام انبیاء اور "صحائف آسمانی" کی قائدانہ حیثیت ختم کردی ہے، "صحائف آسمانی" اول تو اس لئے بھی قابل

اعتماد نہیں کہ ان میں بیشمار تحریفیں کردی گئیں ہیں، لیکن اگر کسی ذریعے سے یہ سراغ لگ بھی جائے کہ فلاں فلاں عبارتیں ان کی تحریف سے پاک اور اصل کے مطابق ہیں تب بھی یہ اہل ایمان کے لئے حجت نہ ہوں گی، کیونکہ پچھلے انبیاء محدود زمانے کے لئے مخصوص ممالک واقوام کی طرف مبعوث کئے گئے تھے اور ان پر نازل شدہ صحیفوں کے احکام ونواہی بھی اسی نوعیت کے تھے، لہذا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جہانگیر اور آخری رسالت کے بعد یہ احکام ونواہی خارج از بحث قرار پاگئے، اگر "توریت، یا انجیل وزبور" میں کوئی ایسا حکم ہے جو قرآن وحدیث کے خلاف ہے تب تو اس پر عمل کرنا جرم ہے ہی، لیکن اگر خلاف نہ ہو تب بھی اسے واجب القبول نہیں مانا جایگا، بلکہ اگر یہ قرآن ہی کے کسی حکم سے ہوبہو ملتا جلتا ہو، تب بھی اس پر عمل اس لئے نہیں کیا جائے گا کہ یہ "توریت" یا "انجیل" میں ہے، بلکہ اس لئے کیا جائے گا کہ "قرآن" اس کی ہدایت کر رہا ہے۔

حدیث کا یہ ماحصل آج تو ہر مسلمان کا جزوایمان بن چکا ہے مگر تصور اس زمانے کا کیجئے جب حضرت عمرؓ ابھی کچھ روز ہوئے ایمان لائے تھے، وہ جاہلیت کی گہری تاریکیوں سے نکل کر روشنی میں آئے تھے، دینِ حق کے بہتیرے اساسی عقائد و تصورات کا انھیں علم نہیں تھا، دل ودماغ میں ماضی قریب کی آب وہوا کے اثرات موجود تھے، پھر کوئی تعجب نہیں اگر توریت سے متعلق ان کا رویہ اور طرز عمل ایسے ہی ذہنی پس منظر کی جھلکیاں اپنے اندر رکھتا ہو جس کی فوری اصلاح نگاہِ رسالت میں ضروری قرار پائی۔

آپ کو شاید معلوم ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ زمانے تک قبروں کی زیارت کو ممنوعات میں شامل رکھا تھا، پھر جب توحید مسلمانوں میں رچ بس گئی تو آپ نے ممانعت اٹھادی، اس سے معلوم ہوا کہ کسی بڑے ضرر کا اندیشہ ہو تو ایک جائز فعل کو بھی امیر و قائد کی طرف سے کسی خاص مدت کے لئے ممنوع قرار دیا جاسکتا ہے، اسی اصول کے تحت آپ زیر بحث روایت پر نظر ڈالیں تو بہت آسانی سے یہ بات

سمجھ میں آجائے گی کہ جس زمانے میں خدا کی وہ آخری کتاب نازل ہو رہی ہو جسے قیامت تک کے لئے دستور حیات بننا ہے، اور جس کی تکمیل پر تمام پچھلی شرائع خارج المیعاد ہو جاتی ہیں، اس زمانے میں کسی صحابی کا "توریت" کو اہمیت دینا اور اس سے شغف ظاہر کرنا انتہائی خطرناک تھا، لہٰذا بارگاہِ رسالت سے اسکی حوصلہ شکنی ہونی ہی چاہئے تھی، لیکن جب دین مکمل ہو گیا، اساسی عقائد عام ہو گئے، "تمام انبیاء و رسل" اور صحائف آسمانی کی حیثیتیں مسلمانوں نے جان لیں تو اب کسی طرح کا اندیشہ باقی نہ رہا، آج اگر ایک مسلمان عالم "توریت" یا "انجیل" و "زبور" کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کے ذہن کے کسی گوشے میں ان کتابوں کی حیثیت اور مرتبہ و مقام کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہوتی۔

یہ بدیہی بات ہے کہ ایک ہی عمل مقصد و نیت کی تبدیلی سے جائز بھی ہوتا ہے اور ناجائز بھی، مستحسن بھی ہوتا ہے اور قبیح بھی، آپ "الف" کے سینے میں خنجر اتارنے جا رہے ہیں تو دیکھا جائے گا کہ قانوناً آپ کو اس کا حق بھی ہے یا نہیں، اگر حق نہیں ہے تو یہ فعل جرم ٹھہرے گا اور اگر حق ہے تو جائز قرار پائے گا، لیکن اگر یہی فعل آپ میدانِ جہاد میں دشمن کے سپاہی کے ساتھ کر رہے ہیں تو اسے اعلیٰ درجے کی نیکی اور کارنامے سے کم کچھ نہ کہیں گے۔

اسی پر صحائف آسمانی کی قرأت یا ان کے مضامین کے حوالوں کو قیاس کر لیجئے، حوالوں کا منشاء اگر یہ ہے کہ قرآن کے مقابلے میں ان کی عظمت و فضیلت ثابت کی جائے تو اس فعل کو کافرانہ کہیں گے، اور فتویٰ اسے بدترین جرم قرار دے گا اور اگر مقصد بس یہ ہے کہ لوگوں تک کچھ معلومات پہنچا دی جائیں تو اس کی حیثیت جرم و گناہ کی نہ رہے گی، لیکن اگر مقصد یہ ہے کہ "صحائف آسمانی" کے مضامین سے قرآن کی تصدیق اور عقائد اسلامی کی توثیق و حمایت کی جائے تو یہ فعل بہت مستحسن اور موجب ثواب ہو گا۔

مولانا مودودی یا دوسرے جن جدید و قدیم مفسروں نے اپنی تفسیروں میں

دیگر ''صحائف آسمانی'' کے حوالے دیئے ہیں، ان کا مقصد سب پر واضح ہے، دین حق کی تبلیغ کے متعدد اسالیب میں ایک عمدہ اسلوب یہ بھی ہے کہ منکر حق جن کتابوں پر ایمان رکھتا ہے، انھی سے دین حق کی معقولیت واضح کی جائے، ''توریت'' یہودیوں کی معتمد علیہ ہے، لہٰذا جو مفسر ''توریت'' کے حوالے سے ''قرآن'' کی صداقت ثابت کر رہا ہے وہ گویا یہود کو تبلیغ کا فریضہ ادا کر رہا ہے، مسلمان تو ''توریت'' کے موجودہ نسخوں کو قابل اعتماد مانتے ہی نہیں، لہٰذا اس کا کوئی بیان ان کے لئے حجت کیسے ہو سکتا ہے؟ مگر یہود کے لیے یہ حجت ہے اور عین ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی راہ حق پر آ ہی جائے۔

آہ بے چارے آپ کے دوست! ان سے کہیے کینے اور عناد کو دل سے نکالیں اور اخلاص کے ساتھ درس قرآن میں لگے رہیں، ''تفہیم القرآن'' پر خاک اڑانے سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا، وہ تو ایک چاند ہے جس میں داغ بھی ہوں تو اس کی روشنی عالم کو منور کرنے کے لئے کافی ہے۔ (تجلی دیوبند۔ جولائی واگست ۶۸ء)

مولانا مودودی کی تحریر پر اعتراض

سوال: از: خریدار ۹۰۱۳ رائچور: ہمارے یہاں ایک صاحب دینی درسگاہ کے مدرس اور ''مسجد خونی'' (رائچور) کے پیش امام ہیں وہ تفہیم القرآن کی ایک آیت کے ترجمے پر اعتراض کرتے ہیں، یہ آیت ''سورۂ نساء'' کے بیسویں رکوع میں ہے جو یہ ہے یاایھاالذین آمنوا آمِنوا باللہ۔ اس کا ترجمہ مولٰینا مودودی نے یوں لکھا ہے:

''اے ایمان لانے والو! ایمان لاؤ اللہ پر۔''

امام صاحب کہتے ہیں کہ ــــ ''ایمان لانیوالو'' غلط ہے، صحیح ترجمہ یوں ہے کہ ــــ ''اے ایمان والو'' ــــ آپ؛ براہِ کرم ''تجلی'' میں اس پر روشنی ڈالیں۔

جواب : جس طرح "کوکا کولا" پینا ایک فیشن بن گیا ہے اور لنگوٹی باندھنے والا ایک دیہاتی بھی شہر کی دکان پر جاکر "کوکا کولا" ہی طلب کرتا ہے اسی طرح مولانا مودودی کی تحریر و تقریر پر اعتراض بھی کئی حلقوں میں داخل فیشن ہو گیا ہے، اور کتنے ہی گاؤدی، کم سواد اور خفیف العقل لوگ بھی اپنی حیثیت بھول کر مولانا مودودی پر اعتراض جڑتے اور مونچھیں پھڑکاتے ہیں۔

مطلب یہ نہیں کہ آپ نے جس امام صاحب کا ذکر کیا وہ بھی کم سوادوں ہی میں شامل ہیں، ہو سکتا ہے کہ وہ بہت بڑے علامہ ہوں، دانشمند ہوں، مدبر ہوں، مگر عرض کرنا یہ مقصود ہے کہ فیشن کے لئے کسی شعور اور اہلیت کی شرط نہیں ہوا کرتی، یہ فرق کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے کہ جو صاحب مولینا مودودی کی کسی تحریر یا تقریر پر معترض ہیں وہ سچ مچ اعتراض کرنے کے اہل بھی ہیں یا بس دیہاتیوں کی طرح کوکا کولا مانگنے چلے ہیں۔

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ امام صاحب سے دریافت فرمایئے "لانے والوں" کا لفظ کیوں غلط ہے اور کونسا ایسا فرق اس لفظ سے مفہوم قرآنی میں واقع ہو گیا ہے کہ اسے غلط کہے بغیر چارہ نہیں؟

ہم جانتے ہیں کہ مترجمین نے عام طور پر "ایمان والو" ہی ترجمہ کیا ہے مگر ضروری تو نہیں کہ مولانا مودودی یا کوئی اور مترجم بھی حرف بہ حرف اسی کی پیروی کرے، کوئی سے بھی دو ترجمے اٹھا کر دیکھ لیجئے، سطر سطر اور فقرے فقرے میں الفاظ اور ترتیب کا فرق ملے گا، فرق نہ ملے تو ایک ترجمہ دوسرے کی نقل ہی قرار نہ پا جائے، اب اگر کوئی شخص کسی ایک ہی ترجمے کو واحد صحیح ترجمہ تصور کرے تو اس کے نقطۂ نظر سے تو دنیا کا ہر دوسرا ترجمہ غلط ہو جائے گا، کیونکہ کوئی بھی مترجم ان کے صحیح تصور کردہ ترجمے کو حرف بہ حرف تو نقل کرنے سے رہا، کچھ نہ کچھ فرق الفاظ اور ان کے دروبست میں لازماً رہے گا۔

بڑے ادب سے گذارش ہے کہ یا تو اس خرابی کی نشاندہی کی جائے جو امام

صاحب کی دانست میں مولینا مودودی کے ترجمے سے مفہوم قرآنی میں واقع ہو گئی ہے یا پھر صاف لفظوں میں اعتراف کیا جائے کہ روئی چونکہ مولانا مودودی پر اعتراض کئے بغیر ہضم نہیں ہوتی اس لئے اعتراض کا راگ تو ضرور الاپا جائے گا خواہ علم و عقل سے اس کا کوئی جوڑ ہو یا نہ ہو۔

اگر تعصب کو بالائے طاق رکھ کر غور کیا جائے تو ہمارا خیال ہے کہ مولانا مودودی کے الفاظ موقع اور محل کی مناسبت سے کچھ زیادہ ہی بلیغ ہیں نہ کہ قابل اعتراض، کون نہیں جانتا کہ جب ہم کسی شخص کے بارے میں یوں کہتے ہیں کہ وہ "ایماندار" ہے، یا اہل ایمان میں سے ہے تو مقصود یہ ہوتا ہے کہ واقعۃً اس شخص کے قلب میں ایمان راسخ ہو گیا ہے اور ایمان کے تقاضے اس کے اسوہ و کردار سے ظاہر ہو رہے ہیں، لیکن جب ہم یوں کہیں کہ فلاں شخص ایمان لایا تو مقصود بس اتنا ہوتا ہے کہ اس شخص نے ظاہری اعتبار سے ایمان قبول کر لیا، خواہ قلبی و ذہنی اعتبار سے اس کا حال کچھ ہو۔

گویا محاورے کے اعتبار سے ایمان لانا عام ہے جس کے تحت وہ لوگ بھی آتے ہیں جن کا ایمان جذبہ و نیت کے لحاظ سے کمزور ہو اور وہ لوگ بھی آتے ہیں جو جذبہ و نیت کے اعتبار سے قوی الایمان ہوں، لیکن "ایمان والا" ہونا خاص ہے جسکے تحت صرف وہ لوگ آتے ہیں جو ظاہراً ہی نہیں باطناً بھی صاحب ایمان ہوں۔

اب قرآن کا زیر تذکرہ مقام کھولئے، جب اللہ تعالےٰ کہتا ہے کہ یاایھاالذین آمنوا آمنوا تو ظاہر بات ہے کہ جن اہلِ ایمان سے خطاب کیا گیا ہے وہ، وہ تو نہیں ہو سکتے جو صدق دل سے ایمان لا چکے اور اپنی ہوائے نفس کو انھوں نے پورے خلوص اور حسنِ نیت کے ساتھ ایمان کا تابع بنا دیا، ان لوگوں سے یہ کہنا کہ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور کتبِ سماوی پر لاحاصل ہوگا اور لاحاصل کلام قرآن میں ہو ہی نہیں سکتا، لہذا ظاہر و باہر بات ہے کہ خطاب ان لوگوں سے کیا جا رہا ہے جو ظاہر میں تو ایمان لا چکے مگر ایمان ان کے قلب میں راسخ نہیں ہوا

اور ان کے اسوہ و کردار میں ہوائے نفس کی پیروی، جھوٹ، مکر اور فسق کے داغ دھبے نمایاں ہیں۔ ان ہی سے یہ کہنا نتیجہ خیز ہو سکتا ہے کہ دل و دماغ کے پورے میلان اور عقیدے کی پوری استواری کے ساتھ ایمان لاؤ۔

بات زیادہ منقح ہو جائے گی اگر آیت کا سباق بھی دیکھ لیا جائے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اے ایمان لانے والو! انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ ہو اگرچہ تمھارے انصاف اور تمھاری گواہی کی زد خود تمھاری اپنی ذات پر یا تمھارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو، فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب بہر حال اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے، لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو، اگر اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ کو اسکی خبر ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ حق گو، عدل پسند اور صادق القول نہیں وہ اگرچہ بظاہر ایمان لے آئے ہوں مگر ان کا ایمان کمزور ہے، ایمان اگر قلب میں راسخ ہو جائے تو اس کا لازمی تقاضا یہ ہونا چاہیئے کہ مومن اپنی ہوائے نفس کو دین کے معاملے میں پس پشت ڈالدے، اسی چیز کی طرف اللہ تعالیٰ یہ کہہ کر توجہ دلا رہے ہیں کہ یاایھاالذین آمنوا آمنو، اے وہ لوگو جو بظاہر ایمان لائے ہو حقیقتہً بھی اعماق قلب کے ساتھ ایمان لاؤ، حقیقی ایمان کا ثبوت یہ ہوگا کہ ہمیشہ سچی گواہی دو، عدل کا پرچم اٹھاؤ، جھوٹ اور مکر سے بچو، اگر یہ ثبوت تم پیش نہ کر سکے تو اگرچہ بظاہر تمھارا شمار ایمان لانے والوں ہی میں ہو گا لیکن فی الاصل تمھارا ایمان ناقص و کاسد سمجھا جائے گا۔

اب آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ یاایھاالذین آمنوا کا ترجمہ اے ایمان لانے والو زیادہ بلیغ ہے یا اے ایمان والو۔۔۔ جیسا کہ ہم وضاحت کر چکے، اردو محاورے میں ایمان والا یا ایماندار یا صاحب ایمان اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے اسوہ و کردار کے اعتبار سے قوی الایمان ثابت ہو رہا ہو، جب خطاب اللہ تعالیٰ کا ایسے قوی الایمان لوگوں

سے نہیں ہے بلکہ ان لوگوں سے ہے جو ایمان لانے کے باوجود اپنے اسوہ و کردار کو کمال ایمانی کا مظہر نہیں بنا سکے تو فصیح و بلیغ یہی ہے کہ ترجمہ ایمان لانے والو کیا جائے نہ کہ ایمان والو۔

مقصود خدانخواستہ یہ نہیں کہ جن بلند پایہ مترجمین نے "ایمان والو" ترجمہ کیا ہے ان سے غلطی ہوئی، غلطی کا سوال ہی نہیں، سوال صرف بہتر اور بہترین کا ہے، جس وقت بحث یہ پیدا ہو جائے کہ زیادہ عمدہ اور بلیغ ترجمہ "اے ایمان والو" ہے یا "اے ایمان لانے والو" تو باریک بینی اور لطافتِ نظر یہی تقاضا کرتی ہے کہ محل اور سیاق و سباق کے اعتبار سے فوقیت "اے ایمان لانے والو" کو دی جائے۔

تاہم اگر ہمارے تجزیے اور استدلال میں کوئی نقص ہے تو کم سے کم یہ تو ماننا ہی ہوگا کہ "اے ایمان لانے والو" میں بھی غلطی کوئی نہیں ہے۔ اگر ہے تو تذکرہ امام صاحب اس کی صراحت فرمائیں۔ (تجلی دیوبند ستمبر ۶۷ء)

جوتے پہن کر نماز کا مسئلہ

سوال : از۔ سید تفضّل احمد۔ گنتوا۔

شرعی طور پر یہ بات بخوبی واضح ہے کہ نماز جوتے پہن کر بھی پڑھ سکتے ہیں، جب مولانا مودودی صاحب نے "تفہیم القرآن" میں "سورۂ طٰہٰ" کی اس آیت "اے موسےٰ میں ہی تیرا رب ہوں، جوتیاں اتار دے، تو وادیٔ مقدس طویٰ میں ہے" کے خلاصے میں کہا ہے کہ اسی بناء پر یہودیوں میں شرعی مسئلہ بن گیا ہے کہ جوتے پہنے ہوئے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لیے فرمایا "یہودیوں کے خلاف عمل کرو کیونکہ وہ جوتے پہن کر نماز پڑھتے ہیں" (ابوداؤد) اب میرے دل میں یہ کھٹک پیدا ہوگئی ہے کہ کیوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے شرعی حکم کے خلاف عمل کرنے کی تلقین کی جب کہ موسیٰ علیہ السلام بھی وہی دعوت لے کر آئے تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں اور موسیٰ علیہ

السلام بھی اسی ذات عالی کے سامنے سر بسجود ہوئے تھے جس کے سامنے ہم ہوتے ہیں اور کیوں ہم پر بھی یہ شرعی حکم صادر نہیں ہو سکتا جب کہ قرآن میں واضح طور پر موسیٰ علیہ السلام کے لیے فرمایا گیا۔

میری یہ مخلصانہ گذارش ہے کہ آپ میرے اس وسوسے اور غلط فہمی کو دور کریں، یہ جو مختلف احادیث جوتے پہن کر نماز پڑھنے کے تعلق سے ہیں آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ارشاد ہوئی ہیں، یا اس سے پہلے ؟ اس کو تاریخی پہلو میں تفصیلی طور پر واضح کر کے میرے اور میری طرح کے دوسرے لوگوں میں اٹھنے والے وسوسوں کو دور کریں تو عین نوازش ہو گی۔

جواب :

احساس ذمہ داری کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی جب کوئی تحریر لکھے تو لکھنے کے بعد اسے ایک بار غور سے پڑھ بھی لے، خصوصاً جب معاملہ دین و شریعت کا ہو تو اور بھی احتیاط لازم ہے، لیکن افسوس کہ آپ نے اس احتیاط کو نظر انداز کر دیا، یہی وجہ ہے کہ "تفہیم القرآن" کی عبارت نقل کرنے میں جو کھلی چوک آپ سے ہوئی ہے اس کی آپکو اطلاع نہ ہو سکی، آپ نے نقل فرمایا ہے کہ :

"یہودیوں کے خلاف عمل کرو کیونکہ وہ جوتے پہن کر نماز پڑھتے ہیں۔ (ابو داؤد)"

حالانکہ اس سے بات ہی بے معنی ہو گئی، صحیح عبارت یوں تھی :

"یہودیوں کے خلاف عمل کرو کیونکہ وہ جوتے اور چمڑے کے موزے پہن کر نماز نہیں پڑھتے۔ (ابو داؤد)"

دوسرا غضب آپ نے یہ کیا کہ منقول عبارت کے آغاز و اختتام پر واوین (کاما) بھی دیے جو علامت ہیں اس بات کی کہ عبارت من و عن نقل کی گئی ہے حالانکہ اصل اور نقل میں جو فرق ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔

جواب تو ہم آپ کے وسوسے کا ضرور دیں گے لیکن واقعہ یہ ہے کہ جو لوگ علم دین ۔۔۔ حتیٰ کہ قرآن تک کے معاملے میں لاپروائی اور بے احتیاطی برتتے ہیں انھیں سمجھانے اور مخاطب کرنے میں دل کو انشراح نہیں ہوتا، حد ہے لاپروائی کی کہ آپ دو سطریں صحیح نقل نہ کر سکے۔

جواب یہ ہے کہ بنیادی دعوت تو یقیناً تمام انبیاء علیہم السلام کی وہی ایک تھی کہ خدائے واحد کی بندگی کرو اور کسی کو اس کی خدائی میں شریک نہ ٹھیراؤ، لیکن بندگی کے طریقے اور ضمنی احکام یکساں نہ تھے، ان میں تکوینی مصالح کے تحت وقتاً فوقتاً تغیرات کیے جاتے رہے ہیں۔

علاوہ اس کے کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا "وادی طویٰ" میں جانا اور پھر اللہ تعالیٰ کا ان سے کلام فرمانا بالکل ایسا ہی ہے جیسے ہم نماز میں بارگاہِ خداوندی میں حاضری دیتے ہیں اور بہت سی وہ آیتیں پڑھتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں خطاب فرمایا ہے؟ اگر ایسا سمجھتے ہیں تو اس غلط فہمی کی اصلاح کرلیجیے، وہ ایک مخصوص شرف تھا جو معنوی اور عملی ہر اعتبار سے انفرادیت کا حامل تھا۔

اور اگر ایسا نہیں سمجھتے تو پھر آپ نے یہ کیسے استدلال قائم کرلیا کہ حضرت موسیٰ کو جوتے اتارنے کا حکم دینا ہمارے لیے بھی ایک حکم اپنے اندر رکھتا ہے، کیا قرآن آپ کے سامنے نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو آگ لینے یا آگ کے ذریعے کوئی رہنمائی حاصل کرنے کی غرض سے "وادی طویٰ" میں گئے تھے نماز پڑھنے نہیں اور جوتے اتارنے کا حکم نماز کے سلسلے میں نہیں ملا بلکہ اس تقدس کے سلسلے میں ملا جو "طویٰ" کی وادی کو اس بناء پر حاصل ہوگیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنے ایک بندے سے کلام فرمایا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو ہدایات اس کلام الٰہی میں دی گئیں وہ بھی قرآن میں موجود ہیں، بے شک ان میں ایک ہدایت نماز قائم کرنے کی بھی ہے، لیکن ایک مستقل ہدایت کے طور پر نہ کہ صرف اسی وقت خاص میں جس میں اللہ کلام فرما رہا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ جوتے اتارنے کا کوئی ادنیٰ تعلق بھی نماز سے نہ تھا، یہ تو یہودیوں کی کج فکری نے تعلق قائم کیا اور افسوس کہ یہی تعلق آپ بھی قائم فرما رہے ہیں۔

یہ تو آپ کو بھی معلوم ہوگا کہ اختلاف ہم مسلمانوں کو حقیقی عیسائیت یا یہودیت سے نہیں بلکہ اس مصنوعی عیسائیت اور یہودیت سے ہے جسے آسمانی کتابوں میں تغیر و تبدل کر کے گھڑا گیا ہے، یہود خصوصاً اپنی تحریف کاریوں، بدکرداریوں اور ظلم و فساد میں سب سے آگے گئے، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مخالفت کو مسلمانوں کے لیے وجہِ سعادت خیال فرماتے تھے، لیکن یہ مخالفت کسی ایسے عمل یا عقیدے میں ہرگز نہیں کی گئی جو حقیقتاً شریعتِ موسوی کا جز رہا ہو، بلکہ صرف ان عقائد و اعمال تک محدود رکھی گئی جو یہودیوں کے اپنے اختراع کردہ تھے، جیسے یہی "جوتے پہن کر نماز پڑھنے کی بات" یہ یہودیوں کا ایک غلط اجتہاد تھا، جوتے اتارنے کا حکم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس بہت ہی خاص وقت میں ملا جب اللہ جل جلالہ بہ نفس نفیس انھیں شرف ہمکلامی سے نواز رہا تھا، اس حکم کو عام بندگانِ خدا کی عام نمازوں کے ساتھ جوڑ دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ اس خصوصیت کو سمجھا ہی نہیں گیا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہوئی تھی۔

"تفہیم القرآن" کے جس حاشیے کو آپ نے سوال کا محور بنایا ہے وہ خاصا مفصل ہے، اس میں امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام اوزاعیؒ، امام احمدؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ کے مسالک بھی مولانا مودودی نے مختصراً ذکر کر دیے ہیں، اگر اس کے بعد بھی آپ کے قلب میں یہ وسوسہ باقی رہتا ہے کہ ایسا نہ ہو جوتے پہن کر نماز پڑھنے والی حدیثیں آیت زیرِ بحث کے نزول سے پہلے کی ہوں تو اس سے ظاہر ہے کہ آپ کو اپنے ان جلیل القدر ائمہ پر اعتماد نہیں ہے، اگر اعتماد ہوتا تو یہ وسوسہ آپ کے حاشیۂ خیال میں آ ہی نہیں سکتا تھا کہ ممکن ہے جوتے پہن کر نماز جائز ہی نہ ہو اور جواز کی حدیثیں آیت مذکورہ سے قبل کی ہوں، اس وسوسے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ائمہ سلف کو بہت ہی غیر ذمہ دار اور لاپروا سمجھتے ہیں کہ انھوں نے جوتا پہن کر نماز کو جائز تو قرار دیدیا لیکن یہ نہ دیکھا کہ جواز کی حدیثیں "سورۂ طٰہٰ" کے بعد کی ہیں یا قبل کی۔

اعتماد کرنے والے کے لیے صاف عیاں ہے اور خود احادیث کا متن اس کی تائید کرتا ہے کہ جوتوں میں نماز کے جواز کی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "سورۂ

طہ" کے نزول کے بعد ہی فرمائی ہے، لہٰذا اسی وجہ سے ان فقہاء نے بھی جو جوتے پہن کر نماز پڑھنے کو خلافِ ادب قرار دیتے ہوئے اس کے جواز سے اختلاف کرتے ہیں، یہ دلیل قائم نہیں کی کہ چونکہ اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو "وادی طویٰ" میں جوتے اتارنے کا حکم دیا تھا اس لیے ہماری نماز جوتے پہن کر نہیں ہو سکتی۔

(تجلی دیوبند، اکتوبر، نومبر ۱۹۶۹ء)

قرآن و حدیث

سوال : از۔ محمد امین، سرینگر، کشمیر

قالوآء انت فعلت ھذا بالھتنا یا ابراھیمo قال بل فعله کبیرھم ھذا فاسئلوھم ان کانوا ینطقونo (الانبیاء، رکوع ۵۔ آیت ۶۱، ۶۲)

(ابراہیم کے آنے پر) انھوں نے پوچھا "کیوں ابراہیم تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟" اس نے جواب دیا "بلکہ یہ سب کچھ ان کے اس سردار نے کیا ہے، ان ہی سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں۔" (تفہیم القرآن، حصہ سوم صفحہ: ۱۶)

ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں :

"------ بد قسمتی سے حدیث کی ایک روایت میں یہ بات آگئی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی زندگی میں تین مرتبہ جھوٹ بولا ہے، ان میں سے ایک "جھوٹ" تو یہ ہے اور دوسرا "جھوٹ" "سورۂ صافات" میں حضرت ابراہیمؑ کا قول انی سقیم ہے اور تیسرا "جھوٹ" ان کا اپنی بیوی کو بہن کہنا ہے، جس کا ذکر قرآن میں نہیں بلکہ "بائبل کی کتاب پیدائش" میں آیا ہے، ایک گروہ روایت پرستی میں غلو کرکے اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اسے "بخاری و مسلم" کے چند راویوں کی صداقت زیادہ عزیز ہے اور اس بات کی پروا نہیں کہ اس سے ایک نبی پر جھوٹ کا الزام عائد ہوتا ہے۔"

صاف ظاہر ہے کہ مولانا اوپر والی حدیث کو ناقابل قبول قرار دیتے ہیں، ناچیز کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ مولانا ایک صحیح حدیث پر وار کیوں کرتے ہیں؟ جبکہ حدیث میں تاویل کی گنجائش بھی موجود تھی، امید ہے اپنے تفصیلی جواب سے مطلع فرمائیں گے۔

جواب

معلوم ہوتا ہے آپ "تجلی" مستقلاً نہیں پڑھتے، یا پڑھتے ہیں تو آپ کے حافظے سے یہ بات نکل گئی ہے کہ اس موضوع پر ہم نے بھی ابھی ستمبر ۱۷ء کے "تجلی" میں کچھ لکھا تھا، بہتر ہے کہ آپ یہ شمارہ دیکھ لیں، اس میں صفحہ ۹۶ پر آپ کو عنوان ملے گا۔۔۔۔۔ "مولانا مودودی کی واقعی غلطی" اور اس کے ذیل میں دو صفحے تک اسی حدیث کی بحث ملاحظہ فرمائینگے۔

اس بحث سے آپ پر یہ بھی منکشف ہوگا کہ جو بات مولانا مودودی نے فرمائی ہے وہی ان سے قبل امام رازیؒ جیسے اکابر فرما گئے ہیں، ہمیں آپ سے شکایت یہ ہے کہ آپ نے مولانا مودودی پر اعتراض تو فرمادیا لیکن یہ زحمت نہیں اٹھائی کہ "بخاری و مسلم" کی مشہور و متداول شرحوں میں اس مقام کو دیکھ لیں جہاں یہ حدیث آئی ہے، کسی اہم مسئلے پر واجبی تحقیق و تفحص کے بغیر زبان کھولنا علمی طریق نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سلف میں دونوں ہی آراء رہی ہیں، کچھ اکابر علماء یہ خیال کرتے رہے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ جیسے نبی کی طرف کذب کی نسبت کرنے سے بہتر یہ ہے کہ ان حدیثوں کو نظر انداز کر دیا جائے جن میں یہ نسبت موجود ہے اور کچھ اکابر یہ کہتے رہے ہیں کہ حدیثوں کو نظر انداز کیسے کیا جاسکتا ہے؟ جبکہ وہ "صحیح" ہیں، حضرت ابراہیمؑ کا دو معاملوں میں خلاف واقعہ کلام کرنا قرآن ہی سے ثابت ہے اور ایک معاملہ دوسری روایات میں بیان ہوا ہے، لہٰذا ہم صرف تاویل سے کام لیں گے حدیثوں کو نہیں جھٹلائیں گے۔

ناچیز کی رائے ۔۔۔۔۔ جیسا کہ ستمبر ۱۹۷۱ء میں عرض کیا جا چکا ہے یہ ہے کہ دوسرا موقف قوی اور لائقِ ترجیح ہے، اس رائے کی دلیل شرح وبسط کی طالب ہے اس لیے اسے ہم نے پھر پر چھوڑ دیا تھا، لیکن یہ بہر حال نہیں کہا جا سکتا کہ پہلا موقف، جس کا اتباع مولانا مودودی نے کیا ہے کوئی ایسا موقف ہے جس پر طعن کیا جائے، "حدیث پر وار" طعن کے الفاظ ہیں، آپ نے یہ الفاظ استعمال کر کے ایک علمی اختلاف کو "ہدایت و گمراہی" کا اختلاف بنا دیا، یہی وہ زیادتی ہے جو فتنے پیدا کرتی ہے اور علمی اختلافات کو "مخالفت" کا رنگ دیتی ہے۔

پھر لطف یہ کہ آپ نے دلیل کوئی نہیں دی بلکہ صرف اتنا کہہ دیا کہ حدیث میں تاویل کی گنجائش موجود ہے، مناسب ہوتا کہ یہ تاویل آپ بیان فرما دیتے۔

ہم فی الحال اس موضوع پر بحث کرنا نہیں چاہتے، براہِ کرم مفصلاً لکھ کر بھیجیں کہ وہ کیا تاویل ہے جس کی روشنی میں آیاتِ قرآنیہ بھی اپنی جگہ مستقیم رہتی ہیں اور حدیث کو بھی نظر انداز کرنا نہیں پڑتا، بہتر ہوگا کہ اس سلسلے میں علامہ قسطلانیؒ کی "ارشاد الساری" ضرور دیکھ لیں۔ (تجلی، دیوبند، جون ۱۹۷۲ء)

چوتھا باب

مسئلہ ظہورِ مہدی

صدق و اخلاص و صفا باقی نہ ماند
آں قدح بشکست و آں ساقی نہ ماند

آغاز سخن : ناظرین کو معلوم ہے کہ اس عنوان کو چھیڑنے کی ضرورت ہمیں کیوں پیش آئی، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند مارچ ۵۶ء میں جناب انظر شاہ صاحب کا مضمون اسی موضوع پر مودودی صاحب کے رد میں شائع ہوا تھا۔ انظر شاہ صاحب کو ہم ان لوگوں میں شمار کرتے ہیں جو مودودی اور "جماعت اسلامی" کی مخالفت نیک نیتی اور دیانتداری سے نہیں کر رہے، بلکہ ان کے قلب میں گہرا تعصب، دماغ میں فریب و دجل اور نیت میں فتور ہے، ہمارا یہ منصب نہیں تھا کہ ایسے شخص پر التفات کرتے، لیکن کئی وجوہ سے التفات کرنا پڑ رہا ہے، اولاً یوں کہ جناب انظر صاحب ایک بہت مقدس ہستی مولانا انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے صاحب زادے ہیں، ان سے ایسی بری خصلت کا ظہور نہایت قابل توجہ ہے، دوسرے یوں کہ وہ "دارالعلوم" جیسے مدرسہ عظمی کے مدرس بھی ہیں، اور تیسرے یوں کہ ان کا مضمون اس ماہنامے میں شائع ہوا ہے جس کی نگرانی حضرت مولانا محمد طیب صاحب جیسے معزز بزرگ فرما رہے ہیں اور جسے علمائے مکرم کی ایک بڑی مقتدر جماعت کا ترجمان ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔

جناب انظر شاہ صاحب کی نیت اور دیانت اور طرز عمل کا معمولی اندازہ ذیل کے واقعے سے کیجئے۔

پاکستان سے ایک اخبار نکلتا ہے "نوائے پاکستان" اس کے مسلک و معیار کا مختصر تعارف یہ ہے کہ یہ "بریلوی مکتبہ فکر" کے ایک خاص گروہ کا نمائندہ ہے اور

"علمائے دیوبند" کے متعلق اس کی رائے یہ ہے کہ مولینا اشرف علی تھانویؒ، مولانا نانوتوی، مولانا خلیل احمد سہارنپوری وغیرہم، توہین رسولؐ کے مرتکب ہیں، اور رسول اللہؐ سے زیادہ شیطان کو عالم سمجھتے ہیں، علم و دیانت کا عالم یہ ہے کہ "نوائے پاکستان" کے نزدیک مذکورہ بالا حضرات مولانا مودودی ہی کے ہم رشتہ اور ان ہی کی طرح علم رسول کو بچوں اور پاگلوں جیسا بتانے والے ہیں (نوائے پاکستان ۱۷ فروری ۵۶ء) و نعوذباللہ من ہذہ الخرافات والہفوات۔

اس سرسری تعارف سے آپ "نوائے پاکستان" کے مقام کا اندازہ فرمالیں۔

اب دیکھئے کہ جناب انظر شاہ صاحب نے اسی اخبار کی ۲۲ دسمبر ۵۵ء کی اشاعت میں جماعت اسلامی اور مودودی کیخلاف ایک مضمون شائع کروادیا، جس کا عنوان تھا "بعض اہل اللہ اور جماعت اسلامی کا کردار" اس مضمون میں جناب نے بہت سی باتیں یہ کہہ کر بیان فرمائیں کہ یہ مولانا منظور نعمانی نے ایک ملاقات میں مجھ سے کہیں۔

یہ باتیں کتنی شرانگیز اور تھرڈ کلاس تھیں اس کا اندازہ مولانا منظور نعمانی کے مندرجہ ذیل خط سے کیجئے جو کئی جگہ شائع ہوچکا ہے، اور جس کی تصدیق جس کا جی چاہے خود مولانا سے براہ راست کرسکتا ہے۔

خط مولانا منظور نعمانی : ممدوح رقم طراز ہیں :

صاحب زادے (انظر شاہ) صاحب نے (جو استاد زادگی کے تعلق سے میرے لئے لائق محبت و اکرام ہیں) اپنے اس مضمون میں چند باتیں "جماعت اسلامی" سے متعلق میری ایک گفتگو کے حوالہ سے بھی لکھی ہیں اور مجھے سخت افسوس اور دکھ ہے کہ اس نقل میں ان سے بڑی سخت اور میرے لئے نہایت تکلیف دہ قسم کی غلطیاں ہوئی ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں اس کے سمجھنے سے قاصر ہوں کہ انھوں نے کس حالت میں یہ مضمون لکھا ہے (؟) اور بعض باتوں کی میری طرف

نسبت کرنے میں ان سے ایسی غلطیاں کیونکر ہو گئی ہیں، حد یہ ہے کہ چند باتیں انھوں نے میرے حوالہ سے ایسی بھی لکھ دی ہیں کہ غالباً کبھی میرے خیال میں بھی ان کا گذر نہ ہوا ہو گا۔

بہر حال اس مضمون کی اشاعت کے بعد اس حقیقت کا اظہار میں اپنے لئے ضروری سمجھتا ہوں کہ جماعت اسلامی کی بعض چیزوں سے مجھے اختلاف ضرور ہے، اور وہ اختلاف محض سطحی اور خفیف بھی نہیں ہے، بلکہ بعض پہلوؤں سے خاصا سنگین اور عمیق ہے، لیکن صاحبزادے (انظر شاہ) صاحب موصوف نے میرے خیالات کی جو ترجمانی اپنے اس مضمون میں کی ہے، اور میرا جو موقف اس مسئلہ میں اس مضمون سے سمجھا جا سکتا ہے، مجھے اس کی صحت سے انکار ہے، اور بعض باتیں تو اس مضمون میں میرے حوالہ سے ایسی بھی لکھی گئی ہیں، جن کا غلط اور خلاف واقعہ ہونا خود میرے علم میں ہے، اور کچھ باتیں ایسی بھی ہیں، جن کو میں نے ایک خاص سیاق میں اپنے انداز میں کہا تھا، اور اس مضمون میں اس کا انداز اس قدر بدل گیا ہے کہ اس طرح کی باتیں کسی دوسرے سے سننا بھی میں پسند نہیں کرتا، بلکہ طبیعت اذیت محسوس کرتی ہے۔"

(مولانا) منظور نعمانی عفا اللہ عنہ مرکز دعوت اصلاح و تبلیغ۔ لکھنؤ)

ناظرین ملحوظ رکھیں کہ مولانا منظور نعمانی ایک صاحب علم بزرگ اور سنجیدہ و متین صاحب قلم ہیں، علاوہ ازیں انظر شاہ صاحب ان کے استاد زادے بھی ہیں، ان دونوں وجوہ کے باوجود مولینا منظور نعمانی جس صراحت و قطعیت کے ساتھ انظر شاہ صاحب کو بہ تمام ادب جھوٹا، مفتری و مدلس، محرف اور خائن قرار دینے پر مجبور ہو گئے ہیں، وہ آپ کے سامنے ہے، انصاف فرمایئے کیا کسی خدا ترس مومن اور ایماندار مخالف کی یہ شان ہو سکتی ہے، جو اس واقعہ میں ظاہر ہو رہی ہے، ایک تو "نوائے پاکستان" جیسے اخبار کا انتخاب دوسرے سر تا پا غلط اور کاذب روایتیں۔

دوسرا اٹل ثبوت انظر شاہ صاحب کے فساد نیت اور گھٹیا پن کا خود وہ مضمون

ہے جو "ماہنامہ دارالعلوم" مارچ ۵۶ء میں بہ عنوان "مسئلہ ظہور مہدی حدیث کی روشنی میں" چھپا ہے، آپ حضرات میں سے جس کے پاس مذکورہ پرچہ ہو وہ مضمون کھول لے اور جس کے پاس نہ ہو اس کے لئے ہمارے حوالہ جات کافی ہوں گے۔

اس پانچ صفحے کے مضمون میں مولانا مودودی کو جو خطابات عطا کئے گئے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱) کج فکر اور پھسلواں عقیدے والا (صفحہ ۲۳ کالم نمبر ا سطر نمبر ۵)۔

(۲) مسائل کو منطقی گورکھ دھندوں میں الجھانے والا متضاد بیان۔
(صفحہ ۲۳ کالم ۲)

(۳) ○ بھونڈے اور سوقیانہ انداز میں لکھنے والا صفحہ ۲۴ کالم نمبر ا۔

(۴) متانت و سنجیدگی سے خالی تحریر والا (صفحہ نمبر ۲۴ کالم نمبر ۲)۔

(۵) ایسے مکروہ و مستکر انداز تحریر والا کہ اس پر عقل و دانش اور تہذیب و سنجیدگی سر پیٹ لے (صفحہ نمبر ۲۴ کالم نمبر ا)

انظر شاہ صاحب نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ مولانا مودودی پہلے خود "مہدی" بننے کے خواب دیکھ رہے تھے، لیکن بعد میں فضا سازگار نہیں پائی تو "ظہور مہدی" ہی کے منکر ہو گئے۔

میں سمجھتا ہوں جس مسلمان نے مولانا مودودی کی سب نہیں تو بہت سی تحریریں پڑھی ہیں وہ خواہ ان کا کیسا ہی مخالف ہو، لیکن اگر دیانت اور ضمیر کا حبہ بھی اس کے اندر باقی ہے تو انظر شاہ صاحب کے مذکورہ بالا ارشادات عالیہ پر وہ دانتوں میں انگلی دبا جائے گا، اور یہ سوچے بغیر نہ رہے گا کہ یا تو شاہ صاحب کو مودودی کی گمراہی ثابت کرنے پر کوئی بڑی جائداد ملنے والی ہے، یا شاہ صاحب پر کوئی دورہ پڑا ہے۔

انظر شاہ صاحب نے اس مضمون میں اولاً یہ دکھلایا ہے کہ مودودی جو "عقیدہ ظہور مہدی" کو پہلے مانتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ خود "مہدی" بننے کی فکر میں تھے، لیکن اس کے بعد ـــــ

خود انظر شاہ صاحب کے الفاظ ملاحظہ کیجئے :

دار العلوم مارچ ۱۹۵۶ء صفحہ ۲۴ کالم نمبر ۱ اور ۲ سطر نمبر ۲۴ سے :

"اس کے بعد جب مولانا مودودی نے "مہدویت" کے لئے فضا سازگار نہیں پائی، اور سمجھے اس منصب کے لئے ادعا یا اعلان خود ان کے لئے، ان کی جماعت کے لئے اور مقاصد کے لئے مضر بلکہ تباہ کن ثابت ہوگا، تو پھر اس "ظہور مہدی" کو عقیدہ کی حیثیت میں تسلیم کرنے پر ان کے لئے کوئی محرک اور سبب باقی نہیں رہا تھا، چنانچہ یہی کچھ اسباب تھے جن کی بناء پر عدالت میں قادیانیت کی تحریک پر بیان دیتے ہوئے جماعت اسلامی کے مجدد نے فرمایا تھا کہ :

"یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ "مہدی" کے متعلق کوئی خاص عقیدہ اسلامی عقائد میں شامل نہیں ہے، "اہل سنت" کی کتب عقائد اس سے بالکل خالی ہیں۔"

کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ آج سے پندرہ سولہ سال قبل "ظہور مہدی" کا اعتراف کرنے والا، تجدید و احیائے دین کا داعی، حکومت اسلامیہ کا مبلغ، آج کی عدالت میں ظہور مہدی کا اعلانیہ انکار کر دیتا ہے، اس انکار میں نہ تو یہ خیال مانع ہوتا ہے کہ آج سے سولہ سال پہلے میرے قلم سے اس مسئلہ پر کیا کچھ نکلا تھا اور نہ یہ حقیقت سد راہ ہوئی کہ اہل سنت کی کتابیں تو درکنار خود الصادق المصدوق روحی فداہ کے ارشادات، ذکر مہدی سے لبریز ہیں، مولانا کی اس حیرت انگیز جسارت و بیباکی پر عقل و دانش را بباید گریست۔" (نقل مطابق اصل)

جن لوگوں نے "ظہور مہدی" کے بارے میں مودودی صاحب کی تحریریں نہیں دیکھی ہوں گی وہ اس عبارت سے لازماً مندرجہ ذیل نتائج پر پہنچیں گے۔

(۱) مولانا مودودی پہلے "ظہور مہدی" کے قائل تھے کیونکہ وہ خود اپنے آپ کو مہدی ثابت کرنا چاہتے تھے۔

(۲) جب انھوں نے اپنی "مہدویت" کے اثبات میں فائدہ نہ دیکھا تو "ظہور مہدی" کے منکر ہو گئے۔

(۳) مودودی یا تو ان اقوال رسول سے نابلد ہیں جن میں "ظہور مہدی" کا ذکر آیا ہے اور اسی بے خبری و جہالت کے تحت وہ ظہور مہدی کے منکر ہیں، یا وہ اقوال رسول کو غلط تصور کرتے ہوئے اپنے اجتہاد و قیاس سے "ظہور مہدی" کا انکار کر بیٹھے ہیں۔

فرمایئے کیا یہ تینوں باتیں شاہ صاحب کی مذکورہ عبارت سے واضح نہیں ہوتیں؟ جہاں تک شق نمبر (۱) کا تعلق ہے اس کے متعلق ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے کہ بلا دلیل قوی اس طرح کی الزام تراشی تو الیکشنی سورماؤں کا وطیرہ ہوتی ہیں:

نمبر (۲) اور نمبر (۳) کے بارے میں یہ عرض ہے کہ شاہ صاحب نے مولانا مودودی کے جس عدالتی بیان سے چند الفاظ نقل فرما کر یہ نتیجہ پیش کیا ہے کہ مولانا مودودی "ظہور مہدی" کے منکر ہیں، وہی عدالتی بیان جائے خود ایسا ہے کہ اگر شاہ صاحب ٹھیک وہی حرکت نہ فرماتے جو بریلوی و بدایونی حضرات "علمائے دیوبند" کے حق میں فرماتے رہے ہیں، اور ممدوح کی نیت ذرا بھی سالم ہوتی تو ہرگز ہرگز وہ "ماہنامہ دار العلوم" کے عقیدت مند ناظرین کو کھلا فریب اور بدترین دھوکہ دینا پسند نہ فرماتے، ہم بات کو پوری طرح واضح کرنے کے لئے مولانا مودودی کے مذکورہ عدالتی بیان کا پورا وہ حصہ ناظرین کے سامنے رکھتے ہیں، جس سے شاہ صاحب نے عبارت نقل کی ہے اور جس میں "ظہور مہدی" پر مولینا مودودی کا عقیدہ و فکر کھلا کھلا موجود ہے۔

ناظرین! اگر آپ مولانا مودودی کے سخت مخالفوں میں سے ہیں، تو میں ادب سے گذارش کروں گا کہ چند لمحوں کے لئے مخالفت کا جذبہ ایک طرف رکھ کر دل و دماغ کو ہر طرح کے تعصب اور غلوئے عقیدت سے پاک فرمالیں، اور خدا کو حاضر و ناظر جان کر قسم کھالیں کہ حق و ناحق کا فیصلہ کرنے میں آپ ایمان و دیانت اور سنجیدگی و شرافت سے کام لیں گے، یقین کیجئے کہ میں آپ کو مودودی صاحب کی تقلید و تائید یا ارادت و عقیدت کا درس نہیں دے رہا، نہ یہ میرا مقصد ہے کہ مودودی صاحب اگر

ایک یا چند مسائل میں برحق مان لیے جائیں تو ان کا ہر اجتہاد اور ہر خیال برحق ہے، میں صرف زیر بحث موضوعات تک بات محدود رکھتے ہوئے انصاف و دیانت کی بھیک مانگتا ہوں، اگر مولانا مودودی کے مقابلہ میں آپ کی کوئی خاص رشتہ داری اللہ میاں سے نہیں ہے، اور اپنے چند بزرگوں کو آپ ارباب من دون اللہ نہیں بنائے ہوئے ہیں تو یقین کر لیجئے کہ قیامت کے دن اللہ جل شانہ ہر بندے کے ساتھ مکمل انصاف کریں گے، آپ کے دل و دماغ کی یہ خاص افتاد میں خوب جانتا ہوں کہ جن لوگوں سے آپ نے عقیدتیں قائم کر رکھی ہیں ان کے تمام اہل و عیال اور اہل بیت اور متعلقین کو سراپا تقدس اور مجسم تقویٰ اور خطا اور قصور سے بالاتر سمجھتے ہیں، اور اگر کوئی ایسی لغزش نظر آجائے جس سے انکار اور صرف نظر ممکن ہی نہ ہو، تو مولانا رومی کا یہ شعر پڑھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں :

کارِ پاکاں را گماں بر خود مگیر
گرچہ آید در نوشتن شیر شیر

لیکن اگر آپ جذبات کی محدود دنیا سے نکل کر عقل و علم کی جولان گاہ میں تشریف لائیں، تو آپ کو معلوم ہو گا کہ حضرت عمرؓ جیسا صحابی جلیل بھی، صحابیت کی برتری جانتے اور سراپا زہد و تقویٰ ہونے کے باوجود کہتا ہے :

"اگر میں برابر سرابر رہ جاؤں نہ عذاب دیا جاؤں نہ ثواب تو سمجھوں گا کامیاب رہا"۔

"بخاری کتاب الانبیاء" دیکھئے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی بیان کرتے ہیں :

وان اناسا من اصحابی یوخذ بھم ذات الشمال فاقول اصحابی اصحابی فیقول انھم لم یزالوا مرتدین علی اعقابھم

میرے بعض اصحاب کو (یوم قیامت میں) بائیں جانب سے پکڑا جائے گا تو میں کہوں گا یہ تو میرے اصحاب ہیں، جواب ملے گا تیرے بعد یہ لوگ الٹی چال

چلے۔

یہ حدیث "بخاری" نے مکرر بیان کی ہے اور اسی طرح کی اور روایتیں "بخاری کتاب الرقاق" میں دیکھی جاسکتی ہیں، عبرت پکڑیئے کہ طبقہ اصحاب وہ طبقہ ہے جو مخلوقات میں بعد الرسول سب سے افضل وارفع ہے، اور آنحضورؐ نے فرمایاہے کہ :

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم

میرے صحابی ستاروں کے مانند ہیں، ان میں سے جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت کو پہنچو گے۔

اس کے باوجود خود سرور کونینؐ ہی بتادیتے ہیں کہ نفس صحابیت کوئی چیز نہیں، جب تک اس کے ساتھ حسن فکروعمل موجود نہ ہو، اس سے جہاں صحابہ کے معیار حق نہ ہونے کا بین ثبوت ملتاہے وہیں یہ بھی واضح ہوتاہے کہ بڑے سے بڑا نیک نام اور معزز گروہ بھی لغزشوں اور خطاؤں سے کلیتًا بچا نہیں رہتا اور محض یہ چیز کہ علمائے دیوبند کے نیک نام ومعزز حلقے سے کسی شخص نے کوئی بات کہی ہے، اس کے برحق اور باصواب ہونے کے لئے کافی دلیل نہیں ہے۔

اب آپ مودودی صاحب کا عدالتی بیان ملاحظہ کریں یہ کتابی شکل میں "تیسرا بیان" کے نام سے ۱۶۰ صفحے پر چھپاہے، جس میں اہم مسائل پر مدلل ومفصل بحثیں ہیں، صفحہ ۱۶ سے "ظہور مہدی" کی بحث شروع ہوتی ہے، اس بحث میں مولانا مودودی نے ضمیمہ نمبر ۲ میں بیان کردہ روایات کا نمبروں کے اعتبار سے حوالہ دیاہے، یہ ضمیمہ بھی شامل کتاب ہے، پہلے ہم اسے ہی نقل کرتے ہیں، تاکہ ان کی بحث میں دیئے ہوئے روایات کے نمبروں کو پانے اور سمجھنے میں آسانی ہو، اور ساری بات کھل کر سامنے آجائے، یہ ضمیمہ کتاب مذکورہ کے صفحہ نمبر ۸۲ سے شروع ہوتاہے۔

ضمیمہ نمبر (۲)

احادیث درباب ظہور مہدی

اس باب میں دو قسم کی احادیث ہیں، ایک وہ جن میں مہدی کا ذکر لفظ "مہدی" کی صراحت کے ساتھ کیا گیا ہے، دوسری وہ جن میں لفظ مہدی استعمال کئے بغیر ایک خلیفۂ عادل کے ظہور کی خبر دی گئی ہے، اور چونکہ ان احادیث کا مضمون پہلی قسم کی احادیث سے مشابہت رکھتا ہے، اس لئے محدثین نے یہ سمجھا ہے کہ ان میں بھی اس خلیفہ سے مراد "مہدی" ہی ہے۔

قسم اول کی احادیث :

(۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رایتم الرایات السود قد جاءت من قبل خراسان فاتوھافان فیھا خلیفة اللہ المھدی

(مسند احمد، بسلسلہ مرویات ثوبان، بیہقی دلائل النبوۃ، اسی مضمون کی ایک روایت ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب خروج المہدی میں بھی ہے)۔

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم دیکھو کہ "خراسان" کی طرف سے کالے جھنڈے آرہے ہیں تو ان کے ساتھ شامل ہو جاؤ کیونکہ ان میں اللہ کا خلیفہ "المہدی" ہوگا۔

(۲) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المھدی منا اھل البیت یصلحہ اللہ فی لیلة (مسند احمد و مرویات علیؓ)

(ترجمہ) رسول اللہ صلعم نے فرمایا "المہدی" ہم اہل بیت میں سے ہوگا، اللہ اس کو ایک رات میں تیار کردے گا۔

(۳) عن ام سلمة قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

يقول المهدى من عترتى من ولد فاطمة (ابوداؤد کتاب الفتن والملاحم۔ ذکر المہدی)

(ترجمہ) ام سلمہؓ سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ "المہدی" میری نسل سے، فاطمہ کی اولاد سے ہوگا۔

(۴) قالت ام سلمة سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول نحن ولد عبدالمطلب سادة اهل الجنة انا وحمزة وعلى و جعفر والحسن والحسين والمهدى (ابن ماجہ، کتاب الفتن باب خروج المہدی)

(ترجمہ) ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ ہم اولاد عبدالمطلب جنت کے سردار ہیں، میں اور حمزہ اور علی اور جعفر اور حسن اور حسین اور المہدی۔

(۵) قال النبى صلى الله عليه وسلم يكون فى امتى المهدى ان قصر فسبع والاتسع فتنعم فيه امتى (ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب خروج المہدی)

(ترجمہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت میں المہدی ہوگا، اگر کم مدت ہوئی تو سات ورنہ نو (غالباً سات یا نو سال)، اس زمانے میں میری امت خوش حال ہوگی۔

(٦) عن ابى سعيد الخدرى قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم المهدى منى اجلى الجبهة اقنى الانف، يملاء الارض قسطا و عدلا كما ملئت ظلما و جورا ويملك سبع سنين (ابوداؤد، کتاب الفتن و الملاحم، ذکر المہدی)

(ترجمہ) ابو سعید الخدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "المہدی" مجھ سے ہوگا، روشن اور چوڑی پیشانی والا، اونچی ناک والا، زمین کو اسی طرح عدل وانصاف سے بھر دیگا جس طرح وہ ظلم وجور سے بھر گئی ہوگی، اور سات

سال حکمراں رہے گا۔

(۷) عن ابی سعید فی قصة المهدی قال فیجی ء الرجل فیقول یامهدی اعطنی اعطنی فیحثی له فی ثوبه ما استطاع ان یحمله (مشکوٰۃ باب اشراط الساعۃ، بحوالہ ترمذی)

(ترجمہ) ابو سعید خدریؓ مہدی کا قصہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک شخص آئے گا اور کہے گا کہ اے مہدی مجھے دے، مجھے دے، تو وہ لپیں بھر بھر کر اس کے کپڑوں میں اتنا ڈال دے گا جسے وہ اٹھا سکے۔

(۸) عن جعفر الصادق عن ابیه عن جده قال قال رسول الله.... کیف تهلك امة انا اولهاوالمهدی وسطها و المسیح اخرها (مشکوٰۃ باب ثواب ھذہ الامۃ بحوالہ رزین)

(ترجمہ) امام جعفر صادق اپنے والد امام محمد باقر سے اور وہ اپنے والد امام زین العابدین سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیسے ہلاک ہو سکتی ہے وہ امت جس کے آغاز میں "میں" ہوں اور جس کے وسط میں "مہدی" ہے اور جس کے آخر میں "مسیح" ہے۔

دوسری قسم کی احادیث :

(۹) لولم یبق من الدنیا الایوم لبعث الله عزوجل رجلا منا یملأ ها عدلا کما ملئت جورا (مسند احمد بسلسلہ روایات علیؓ)

(ترجمہ) اگر دنیا کے ختم ہونے میں ایک ہی دن باقی ہو، پھر بھی اللہ تعالےٰ ہم میں سے ایک ایسا شخص اٹھائے گا، جو دنیا کو اسی طرح عدل سے بھر دے گا جس طرح کہ وہ جور سے بھری ہوگی۔

(۱۰) عن علی عن النبی صلی الله علیه وسلم لولم یبق من الدهر الایوم لبعث الله رجلا من اهل بیتی ویملاء ها عدلا کماملئت جو را. (ابو داؤد کتاب الفتن والملاحم ذکر المہدی)۔

(ترجمہ) حضرت علیؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اگر دنیا کی مدت میں صرف ایک ہی دن باقی ہو پھر بھی اللہ میرے اہلبیت سے ایک ایسا شخص اٹھائے گا جو اس کو عدل سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم سے بھری ہوگی۔

(۱۱) قال علی رضی الله عنه ونظرالی ابنه الحسن فقال ان ابنی هذا سید کماسماه النبی صلی الله علیه وسلم اوسیخرج من صلبه رجل یسمی باسم نبیکم صلی الله علیه وسلم یشبهه فی الخلق ولایشبهه فی الخلق ثم ذکر قصة یملاء الارض عدلا (ابوداؤد کتاب الفتن ذکر المھدی)

(ترجمہ) علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت حسنؓ کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو موسوم فرمایا اور اس کے صلب سے ایک شخص نکلے گا جس کا نام تمھارے نبی کا نام ہوگا (یعنی محمد) وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اخلاق میں مشابہ ہوگا، مگر شکل وصورت میں مشابہ نہ ہوگا، پھر حضرت علیؓ نے ذکر کیا کہ وہ زمین کو عدل سے بھر دے گا۔

(۱۲) عن علی قال قال النبی صلی الله علیه وسلم یخرج رجل من وراء النهر یقال له الحارث حراث علی مقدمته رجل یقال له منصور یوطی اویمکن لال محمد کما مکنت قریش مقدمة الرسول الله صلی الله علیه وسلم وجب علی کل مومن نصره اوقال اجابته (ابوداؤد کتاب الفتن ذکر المھدی)

(ترجمہ) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص ماوراء النہر سے نکلے گا جس کا نام حارث ہوگا اور وہ زراعت پیشہ ہوگا۔ اس کے ہراول پر ایک شخص ہوگا جس کو "منصور" کے نام سے یاد کیا جاتا ہوگا، وہ (یعنی منصور) آلِ محمد کے لئے اسی طرح زمین ہموار کرے گا (یا اسباب اقتدار فراہم کرے گا) جس طرح قریش نے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے کیا، واجب ہے ہر مومن پر اس کی مدد کرنا یا فرمایا اس کی دعوت پر لبیک کہنا۔

(۱۳) لاتقوم الساعة حتی یلی (وفی روایة لاتنقضی الایام حتی یملك العرب) رجل من اهل بیتی یواطی اسمه اسمی (مسند احمد بسلسلۂ مرویات عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ)

(ترجمہ) قیامت قائم نہ ہوگی جب تک فرماں بروانہ ہو جائے (اور ایک دوسری روایت میں ہے زمانہ ختم نہ ہوگا جب تک عرب کا فرمانروانہ ہو جائے) ایک ایسا شخص جو میرے اہل بیت میں سے ہوگا اور جس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا۔

(۱۴) عن عبداللہ بن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لولم یبق من الدنیا الا یوم (وفی روایة لطول اللہ ذالك الیوم) حتی یبعث اللہ فیه رجلا من اهل بیتی یواطئ اسمه اسمی واسم ابیه اسم ابی (وفی روایة) یملاء الارض قسطا وعدلا کماملئت ظلما وجورا (وفی روایة اخری) لاتذهب اولا تنقضی الدنیا حتی یملك العرب من اهل بیتی یواطئ اسمه اسمی (ابوداؤد کتاب الفتن والملاحم ذکر المهدی، آخری روایت(لاتذهب الدنیا) ترمذی میں بھی ابن مسعودؓ سے مروی ہے)۔

(ترجمہ) عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دنیا کی زندگی میں صرف ایک ہی دن باقی رہ جائے، ایک روایت میں یہ فقرہ زائد ہے (تو اللہ اس دن کو طول دے گا) یہاں تک کہ میرے اہل بیت میں سے ایک ایسے شخص کو اٹھائے گا جس کا نام میرے نام کے اور جس کے باپ کا نام میرے والد کے نام کے مطابق ہوگا۔ ایک اور روایت میں اس پر اتنا اضافہ اور ہے، ”جو زمین کو اسی طرح عدل و انصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی۔“ ایک اور روایت میں الفاظ یہ ہیں ”دنیا ختم نہ ہوگی جب تک کہ میرے اہل خاندان میں سے ایک شخص جس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا، عرب کا فرماں روانہ ہو جائے۔“

(۱۵) عن ابی سعید الخدری قال ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بلاء یصیب هذه الامة حتی لایجدالرجل ملجاء یلجاء الیه من

الظلم فيبعث الله رجلا من عترتي واهل بيتي فيملاء به الارض قسطاً وعدلاكماملئت ظلما وجورا يرضى عنه ساكن السماء و ساكن الارض لا تدع السماء من قطرها شيئا الاصبته مدرا را ولا تدع الارض من نباتها شيئا الااخرجته ختى يتمنى الاحياء الاموات يعيش فى ذالك سبع سنين اوثمان سنين اوتسع سنين (مشکوٰۃ، باب اشراط الساعۃ، بحوالہ مستدرک حاکم)

(ترجمہ) ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بلا کا ذکر کیا جو اس امت پر آئے گی، یہاں تک کہ آدمی کو ظلم سے کہیں پناہ نہ ملے گی، اس سلسلے میں آپ نے فرمایا "پھر اللہ میرے خاندان اور اہل بیت سے ایک شخص کو اٹھائے گا، اور اس کے ذریعہ سے زمین کو عدل وانصاف سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی ہوگی، اس سے آسمان والے بھی خوش ہونگے اور زمین والے بھی، نہ آسمان اپنا ایک قطرہ برسائے بغیر رہے گا، اور نہ زمین اپنی روئیدگی نکالنے میں کوئی کسر اٹھا رکھے گی، یہاں تک کہ زندہ لوگ تمنا کریں گے کہ کاش ان کے وہ عزیز اور دوست جو مر چکے ہیں یہ زمانہ دیکھیں، اس حالت میں وہ سات برس رہیگا یا آٹھ برس یا نو برس۔

(۱۶) عن جابر قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يكون فى آخر الزمان خليفة يقسم المال ولا يعده (وفي رواية) يكون فى اخرامتى خليفة يحثى المال حثيا ولا يعده عدا (مشکوٰۃ، باب شراط الساعۃ۔ بحوالہ مسلم)

(ترجمہ) جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخری زمانے میں ایک خلیفہ ہوگا جو بے شمار مال تقسیم کرے گا، دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں "میری امت کے آخری زمانے میں ایک خلیفہ ہوگا جو لپیں بھر بھر کر مال دے گا اور شمار نہ کریگا۔"

(۱۷) عن ام سلمة عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال یکون اختلاف عند موت خلیفة فیخرج رجل من اهل المدینة هاربا الی مکة فیاتیه ناس من اهل مکة فیخرجونه وهوکاره فیبا یعونه بین الرکن و المقام و یبعث الیه بعث من الشام فیخف بهم بالبیداء فاذارای الناس ذالك اتاه ابدال الشام و عصائب اهل العراق فیبایعونه ثم ینشاء رجل من قریش اخواله کلب فیبعث الیهم بعثا فیظهرون علیهم و ذالك بعث الکلب ولخیبة لمن لم یشهد غنیمة کلب فیقسم المال ویعمل فی الناس بسنة نبیهم صلی اللہ علیه وسلم ویلتی الاسلام بجرانه الی الارض فیلبث سبع سنین ثم یتوفی ویصلی علیه المسلمون (ابوداؤد، کتاب الفتن والملاحم، ذکر المہدی)

(ترجمہ) ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک خلیفہ کی موت کے بعد اختلاف برپا ہوگا، اس موقع پر ایک شخص اہل مدینہ سے نکل کر مکہ بھاگ جائے گا (اس اندیشہ سے کہ کہیں اسے خلیفہ نہ بنالیا جائے) مگر مکہ کے لوگ اس کے پاس آئیں گے اور اس کو نکال لائیں گے اور اس کو مجبور کر کے رکن اور مقام کے درمیان اس کے ہاتھ پر بیعت کرلیں گے، پھر اس کے مقابلہ پر ایک لشکر شام کی طرف سے بھیجا جائے گا، مگر وہ لشکر بیداء (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک علاقہ) میں زمین دوز ہو جائے گا، جب لوگ اس لشکر کا یہ انجام دیکھیں گے تو شام سے ابدال اور اہل عراق کے دستے اس کے پاس آئیں گے اور اس کے ہاتھ پر بیعت کریں گے، پھر ایک شخص قریش کے خاندان سے اٹھے گا جس کی ننھیال قبیلہ کلب کی ہوگی، وہ اس کے خلاف لشکر بھیجے گا، مگر یہ لشکر (یعنی بنی کلب کا لشکر) بھی شکست کھائے گا، نامراد ہے جو اس وقت قبیلہ کلب کا مال غنیمت، ہونے پر موجود نہ ہو، پھر وہ خوب مال تقسیم کرے گا اور لوگوں کے درمیان سنت پیغمبر کے مطابق عمل کرے گا اور اسلام زمین پر خوب پھیل جائے گا اور وہ سات سال رہے گا، پھر اس کا انتقال ہو جائے گا اور اس پر مسلمان نماز

جنازہ پڑھیں گے۔

(۱۸) عن ابی هریرة مرفوعا یا عم ان اللّٰه تعالی ابتدأ الاسلام بی وسیختمه بغلام من ولدك وهوالذی یتقدم عیسی ابن مریم۔(کنزالعمال ج ۷ صفحہ ۱۸۸)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ چچا جان! اللہ نے اسلام کو مجھ سے شروع کیا اور ایک ایسے لڑکے پر اس کو ختم کرے گا جو آپ کی اولاد سے پیدا ہوگا، اور وہی ہوگا جس کے پیچھے، عیسیٰ ابن مریم نماز پڑھیں گے۔

(۱۹) عن عمار بن یاسر مرفوعاً یا عباس ان اللّٰه تعالی بدأبی هذا الامرو سیختمه بغلام من ولدك یملأها بها عدلاكما ملئت جورا و هوالذی یصلی بعیسی علیه السلام (کنزل العمال۔ حوالہ مذکورہ)

(ترجمہ) عمار بن یاسرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرتے ہوئے روایت کرتے ہیں کہ اے عباسؓ اللہ تعالیٰ نے اس دین کو مجھ سے شروع کیا اور ایک ایسے لڑکے پر اس کو ختم کرے گا جو تمہاری اولاد سے ہوگا، زمین کو اسی طرح عدل سے بھر دے گا جس طرح وہ ظلم سے بھری ہوگی، اور اس کے پیچھے عیسیٰ علیہ السلام نماز پڑھیں گے۔

ایک منفرد روایت جو دونوں قسم کی روایتوں سے مختلف ہے:

(۲۰) عن انس ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال ولا یزدادالامرالاشدة ولاالدنیا الا ادبار ولا الناس الاشحاولا تقوم الساعة الا علی شرار الناس ولا مهدی الاعیسی بن مریم۔ (ابن ماجہ کتاب الفتن، باب شدۃ الزمان)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حالات بگڑتے جائیںگے اور دنیا پیچھے ہی لپٹتی جائے گی اور لوگوں میں تنگ نظری سی بڑھتی چلی جائے گی، اور قیامت قائم نہ ہوگی مگر بدترین لوگوں پر نیز آپ نے فرمایا کہ عیسیٰ ابن

مریم کے سوا کوئی مہدی نہیں ہے۔

تشریح: یہ روایت ان تمام روایات کے خلاف ہے جو مہدی اور عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں تمام کتب حدیث میں وارد ہوئی ہیں، اور کوئی دوسری روایت اس کی تائید میں بھی موجود نہیں ہے، اس حدیث پر محدثین کی تنقیدات حسب ذیل ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ یہ تمام صحیح احادیث کے خلاف ہے (فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۳۵۸)

علامہ قرطبی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے، اور مزید براں جو دوسری احادیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہوئی ہیں وہ تصریح کرتی ہیں کہ مہدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عترت سے اور اولاد فاطمہؓ سے ہوگا، یہ احادیث اس حدیث سے صحیح تر ہیں اس لئے اس کے بجائے انہی کو مانا جائے گا۔

ایک احتمال یہ ہے کہ شاید لامہدی الاعیسی کہنے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہو کہ "مہدی" (بمعنی ہدایت یافتہ) کامل طور پر اور معصومانہ شان کے ساتھ صرف عیسیٰ ہونگے۔ (الحاوی للفتاوی صفحہ نمبر ۸۵-۸۶)

علامہ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ "یہ حدیث جیسا کہ صاف نظر آتا ہے تمام ان احادیث کے خلاف ہے، جو یہ بتاتی ہیں کہ "مہدی" اور ہوں گے اور، عیسیٰ ابن مریم اور، تاہم غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کے خلاف نہیں ہے، بلکہ اس قول سے مراد یہ ہے کہ پورے ہدایت یافتہ جیسا کہ ہونا چاہیئے، عیسیٰ ہی ہوں گے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرا مہدی نہ ہو۔ (الحاوی للفتاوی صفحہ ۸۶)

امام سیوطیؒ نے ابن ماجہ کی شرح "مصباح الزجاجہ" میں مفصل تنقید کر کے اس کو ناقابل قبول قرار دیا ہے۔"

یہ ضمیمہ نمبر ۲ ختم ہوا۔ اب مولانا (مودودی کا مرتبہ) بیان دیکھئے جو کتاب مذکورہ کے صفحہ ۱۶ سے شروع ہوتا ہے۔

(ب) درباب ظہور مہدی

(٦) "مہدی" کے مسئلے کی نوعیت نزول مسیح کے مسئلے سے بہت مختلف ہے، اس مسئلے میں دو قسم کی احادیث پائی جاتی ہیں، ایک وہ جن میں لفظ "مہدی" کی تصریح ہے، دوسری وہ جن میں صرف ایک ایسے خلیفہ کی خبر دی گئی ہے جو آخر زمانہ میں پیدا ہوگا اور اسلام کو غالب کر دے گا، ان دونوں قسم کی روایات میں سے کسی ایک کا بھی بلحاظ سند یہ پایہ نہیں ہے کہ امام بخاری کے معیار تنقید پر پورا اترتا، چنانچہ انھوں نے اپنے مجموعہ حدیث میں کسی کو بھی درج نہیں کیا، مسلم نے صرف ایک روایت لی ہے جو لفظ "مہدی" سے خالی ہے، (ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۲ روایت نمبر ۱٦) دوسری کتابوں میں جس قدر روایات موجود ہیں قریب قریب ان سب کو ہم نے ضمیمہ نمبر ۲ میں جمع کر دیا ہے، ان روایات میں سند سے قطع نظر کرتے ہوئے کمزوری کے متعدد پہلو ہیں:

(الف) ان کے نفس مضمون میں صریح اختلافات ہیں، روایات نمبر ۲، ۳، ۱۰، ۱۴ اور ۱۵ کہتی ہیں کہ وہ خاندان "اہل بیت" سے ہوگا، نمبر ۸ او ۱۹ کہتی ہیں کہ اس کا ظہور عباسی خاندان میں ہوگا۔ نمبر ۴ اس کے ظہور کا دائرہ تمام اولاد عبدالمطلب تک پھیلا دیتی ہے، نمبر ۵ اس دائرے کو اور پھیلا کر تمام امت تک وسیع کر دیتی ہے، اور نمبر ۷ کہتی ہے کہ وہ اہل مدینہ میں سے ایک شخص ہوگا، پھر روایت نمبر ۱۱ و ۱۳ کہتی ہیں کہ اس کا نام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہوگا اور نمبر ۱۴ کہتی ہے کہ اس کا نام اور اس کے باپ کا نام دونوں آنحضرت کے اسم گرامی اور آپ کے والد کے نام پر ہوں گے۔ ان سب کے برعکس نمبر ۱۲ کی رو سے اس کا نام حارث ہوگا اور وہ آل محمدؐ کی فرمانروائی کے لئے زمین ہموار کرے گا۔

(ب) متعدد روایات میں اس امر کی اندرونی شہادت موجود ہے کہ ابتدائے اسلام میں جن مختلف پارٹیوں کے درمیان سیاسی کشمکش برپا تھی، انھوں نے اپنے اپنے مفاد کے مطابق اس پیشین گوئی کو ڈھالنے کی کوشش کی ہے، اور یہ روایات ان کے سیاسی

کھیل کا کھلونا بننے سے محفوظ نہیں رہ سکی ہیں، مثلاً روایت نمبر ایک میں خراسان کی طرف سے آنے والے سیاہ جھنڈوں کا ذکر ہے جو صاف بتاتا ہے کہ عباسیوں نے اس روایت میں اپنے مطلب کی بات داخل کی ہے، کیونکہ سیاہ رنگ عباسیوں کا شعار تھا، اور ابو مسلم خراسانی نے عباسی سلطنت کے لئے زمین ہموار کی تھی، اسی طرح روایات نمبر ۲، ۴، ۹، ۱۱، ۱۴ اور ۱۵ کو اگر نمبر ۴، ۸ اور ۱۹ کے مقابلہ میں رکھ کر دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف اس پیشین گوئی کو بنی فاطمہ نے اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کی ہے تو دوسری طرف بنی عباس اسے اپنی جانب کھینچ لے گئے ہیں۔

(۷) تاہم یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ تمام روایات بالکل ہی بے اصل ہیں، تمام آمیزشوں سے الگ کر کے ایک بنیادی حقیقت ان سب میں مشترک ہے، اور وہی اصل حقیقت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر زمانے میں ایک ایسے لیڈر کی پیشین گوئی کی ہے جو زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا، ظلم وستم مٹادے گا، سنت نبی پر عمل کرے گا، اسلام کو غالب کردے گا، اور خلق خدا میں عام خوشحالی پیدا کردے گا۔

(۸) "مہدی" کے ظہور کا خیال بہر حال انہی روایات پر مبنی ہے اور یہ روایات اس تخیل سے بالکل خالی ہیں کہ "مہدی" نبوت کے منصب کی طرح کسی دینی منصب کا نام ہے، جسے ماننا اور تسلیم کرنا کسی درجے میں بھی شرعاً ضروری ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر یہ لفظ استعمال کیا ہے تو شخص معہود کے بجائے بطور ایک اسم صفت کے استعمال کیا ہے کہ وہ ایک "ہدایت یافتہ" شخص ہوگا، اور ایک روایت نمبر ۱۳ میں صرف اتنا کہا گیا ہے کہ "ہر مومن پر اس کی مدد واجب ہے۔" یہ بات اگر فی الواقع حضورؐ نے فرمائی ہے تو اس کا مطلب زیادہ سے زیادہ صرف یہ ہے کہ جس طرح ہر مجاہد فی سبیل اللہ اور حامی حق کی مدد کرنا اور راہ خدا میں اس کا ساتھ دینا مسلمانوں کے لئے واجب ہے، اسی طرح شخص معہود کی مدد کرنا بھی واجب ہوگا، اس کو کسی کھینچ تان سے بھی یہ معنی نہیں پہنائے جاسکتے کہ "منصب مہدویت" کے نام سے اسلام میں کوئی دینی منصب پایا جاتا

ہے جس کو ماننا یا جس پر ایمان لانا واجب ہو، اور جس کو ماننے سے دنیا و آخرت میں کچھ مخصوص اعتقادی و معاشرتی نتائج پیدا ہوتے ہوں، پھر احادیث میں کہیں اس عجیب و غریب حرکت کے لئے بھی کوئی جواز نہیں ہے کہ کوئی آدمی "انا المہدی" کے نعرے سے ہی دین کا کام کرنے اٹھے اور پھر اپنی طاقت کا بڑا حصہ صرف اپنے آپ کو مہدی منوانے ہی پر صرف کر دے۔

(۹) یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ "مہدی" کے متعلق کوئی خاص عقیدہ اسلامی عقائد میں شامل نہیں ہے، اہل سنت کی کتب عقائد اس سے بالکل خالی ہیں، اور تاریخ کے دوران میں جتنے لوگوں نے بھی مہدویت کا دعویٰ کر کے اپنے نہ ماننے والوں کو کافر یا گمراہ یا دائرہ دین سے خارج ٹھیرا کر اپنے ماننے والوں کی الگ جماعت بندی کی ہے، علماء اسلام نے ان سب کی مخالفت کی اور امت کی عظیم اکثریت نے ان کو رد کر دیا۔"

یہ بیان متعلقہ "ظہور مہدی" ختم ہوا۔

اسی کی شق نمبر ۹ سے انظر شاہ صاحب نے اپنے مضمون میں چند سطریں نقل فرما کر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ مودودی صاحب سرے سے "ظہور مہدی" ہی کے قائل نہیں، اب ضمیمہ و بحث پڑھنے والے بتائیں کہ کیا شاہ صاحب کا یہ اثبات پرلے درجے کا مکر نہیں؟ کیا مودودی صاحب "روایات مہدی" سے نابلد ہیں؟ کیا وہ کسی ایسے قول رسول کی تکذیب کرنے والے ہیں جس کا قول رسول ہونا متفق علیہ طور پر ثابت ہو؟ ظاہر و اظہر ہے کہ مذکورہ بیان پڑھنے کے بعد خود شاہ صاحب کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوئے ہوں گے، لیکن انھوں نے جان بوجھ کر ایک ذرا سی عبارت اپنے مضمون میں لے لی اور خدا کے خوف سے بالکل بے پروا ہو کر مودودی کو مجرم و خاطی ثابت کرنا چاہا۔

میں ناظرین کو یہ بھی بتادوں کہ مولانا مودودی کا یہ بیان قادیانی قضیہ کے سلسلہ میں ہے اور "مہدی" کے بارے میں بعض تفاصیل کو جو انھوں نے رد کیا ہے وہ قادیانی پیغمبر کے دعوۂ مہدیت کی تردید و ابطال میں کیا ہے، ہزار ہزار افسوس کہ انظر

شاہ صاحب کے والد محترم جناب انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے تو قادیانیت کے خلاف معرکۃ الآرا جہاد باللسان کیا اور آج مودودی اسی لشکر کے ایک باعزیمت سپاہی کی حیثیت میں دار و رسن کی منزلوں سے گذرتے ہوئے بھری عدالت میں انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحیح جانشینی فرمارہے ہیں تو ابن انور انظر شاہ صاحب ان کے بدترین دشمن ثابت ہورہے ہیں۔

اس سے پہلے کہ راقم الحروف "ظہور مہدی" کے مسئلہ پر بحث کرے مولانا مودودی ہی کے قلم سے کچھ اور وضاحت ملاحظہ فرمائی جائے کہ وہ کیا مانتے ہیں اور کیا نہیں مانتے۔

"تجدید واحیائے دین" مطبوعہ فروری ۵۴ء طبع پنجم صفحہ ۵۷ پر وہ ان لوگوں کی تردید میں جو "ظہور مہدی" کو ناقابل یقین سمجھتے ہیں رقم طراز ہیں:

"اگر یہ توقع صحیح ہے کہ ایک وقت میں اسلام تمام دنیا کے افکار، تمدن اور سیاست پر چھا جانے والا ہے تو ایسے ایک عظیم الشان لیڈر کی پیدائش بھی یقینی ہے جسکی ہمہ گیر و پرزور قیادت میں یہ انقلاب رونما ہوگا، جن لوگوں کو ایسے لیڈر کے ظہور کا خیال سن کر حیرت ہوتی ہے، مجھے ان کی عقل پر حیرت ہوتی ہے، جب خدا کی اس خدائی میں لینن اور ہٹلر جیسے ائمہ ضلالت کا ظہور ہو سکتا ہے تو آخر ایک امام ہدایت ہی کا ظہور کیوں مستبعد ہو؟"

اس عبارت کو انظر شاہ صاحب نے بھی نقل کیا ہے، لیکن بایں حاشیہ کہ یہ سولہ سال قبل اس دور کی بات ہے جب مودودی خود "مہدی" بننے کی فکر میں تھے، اسی لئے انھوں نے "ظہور مہدی" کو مانا تھا!۔

ذرا اس حاشیہ کی بلند پائگی پر خیال فرمایا جائے، ہم دیکھتے ہیں کہ اگر معترضین کو کوئی قابل اعتراض عبارت دسیوں سال پہلی "تجدید و احیائے دین" سے بھی پہلی کتاب "تفہیمات" وغیرہ میں ملجائے، تو اس طرح اعتراض کرتے ہیں جیسے آج ہی مودودی نے یہ لکھ دیا ہے، اس کے برخلاف غیر مطلوب عبارت کے باب میں یہ

ارشاد ہے کہ یہ سولہ سال پہلے کی ہے، حالانکہ کتاب کے تازہ ایڈیشن میں بھی یہ عبارت جوں کی توں موجود ہے!

۔ ترجمان القرآن رجب ۷۶ھ جون ۴۶ء میں مولینا مودودی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

"میں نے یہ بات جو کہی ہے کہ مہدی موعود جدید ترین طرز کا لیڈر ہوگا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ داڑھی منڈوائے گا، کوٹ پتلون پہنے گا، اور اپٹوڈیٹ فیشن میں رہے گا، بلکہ اس سے میرا مطلب یہ ہے کہ وہ جس زمانہ میں بھی پیدا ہوگا اس زمانہ کے علوم سے، حالات سے اور ضروریات سے پوری طرح واقف ہوگا۔۔۔"

(رسائل و مسائل جلد اول صفحہ ۷۳ مطبوعہ جون ۵۴ء)

یہ سب کچھ پڑھنے کے بعد آپ باللہ العظیم فیصلہ فرمائیں کہ مودودی صاحب "ظہور مہدی" کے منکر ہیں یا مقر، بلکہ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ منکرین کے مقابلہ میں ان کا انداز داعیانہ اور موکدانہ ہے، اس سے بڑھ کر ان کی احتیاط و نرمی ملاحظہ فرمایئے، ایک سوال کے جواب میں (جو خود جواب سے واضح ہو جائے گا) وہ لکھتے ہیں:

"کتاب "علامات قیامت" میں جس روایت کا ذکر ہے، اس کے متعلق میں نفیاً یا اثباتاً کچھ نہیں کہہ سکتا، اگر وہ صحیح ہے اور فی الواقع حضور نے یہ خبر دی ہے کہ "مہدی" کی بیعت کے وقت آسمان سے ندا آئیگی کہ هذا خليفة الله المهدى فاستمعواله واطیعوا (یہ اللہ کے خلیفہ مہدی ہیں ان کے فرامین سنو اور اطاعت کرو) تو یقیناً میری وہ رائے غلط ہے، جو "تجدید و احیاء دین" میں، میں نے ظاہر کی ہے، لیکن مجھے یہ توقع نہیں کہ حضورؐ نے ایسی بات فرمائی ہوگی۔" (صفحہ ۷۵)

فرمایئے اس سے زیادہ محتاط اور حلم آمیز بات اور کیا ہوگی، حالانکہ یہ روایت (اور اس جیسی وہ روایت جسے انظر شاہ صاحب نے بیان کیا ہے اور معنی اسی سے ملتی جلتی ہے) اس لائق ہے کہ سلیم الطبع مومن اس پر بغیر دلائل قطعیہ کے التفات تک

پسند نہ کریگا، شاہ صاحب نے بحوالہ خطیب جو روایت پیش کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں :

يخرج المهدى وعلى راسه ملك ينادى ان هذا لمهدى فاتبعوه(۱) (دارالعلوم مارچ ۵٦ء صفحہ ۲۵ کالم نمبر ۲)

"مہدی" جب ظاہر ہوں گے تو ان کی پشت پر ایک منادی فرشتہ ہوا کرے گا کہ یہ "مہدی" ہیں ان کا اتباع کرو۔

اس روایت کا عالم یہ ہے کہ علامہ سیوطیؒ نے "کنزالعمال" میں بیسیوں روایتیں اس موضوع کی جمع کر دی ہیں، لیکن یہ روایت ان میں بھی نہیں (ملاحظہ ہو "کنزالعمال" جلد نمبر ۷ صفحہ ۱۸٦، ۱۸۷، ۱۸۸ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد ۱۳۱۲ھ)۔

اور میں کہتا ہوں ہو بھی تو محض ہونے کو تو بے شمار روایتیں حدیث کے نام سے موجود ہیں، کیا رواۃ کی تنقید کے بغیر سب رطب و یابس کو ماننا لازم ہوگا کیا شاہ صاحب ہر شخص کو احمق اور دیوانہ تصور کرتے ہیں ؟

شاہ صاحب نے دسیوں روایتیں اس موضوع کی اپنے مضمون میں جمع کی ہیں، لیکن بالکل سمجھ میں نہیں آتا کہ سوائے اظہار مشیخت اور دل کی بھڑاس نکالنے کے اور ان کا منشا کیا ہے ؟ روایات نقل کر کے وہ خود فرماتے ہیں :

"بہر حال ان تمام روایات و احادیث کا قدر مشترک "ظہور مہدی" کی اطلاع ہے، یہی وجہ ہے کہ سلف و خلف میں "ظہور مہدی" پر اجماع رہا۔" (صفحہ ۲٦ کالم نمبر ۱ سطر نمبر ۳، ۷)

اس کے بعد مولانا اشرف علیؒ کی بعض عبارات سے بھی یہی ثابت کیا ہے کہ "ظہور مہدی" کی خبر اجماعی ہے، نیز بہت سی عبارتیں مولانا اشرف علی کی ایسی نقل کی ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ "بخاری و مسلم" میں "ظہور مہدی" کا ذکر نہ ہونے سے "ظہور مہدی" کی خبر غلط نہیں ٹھیرتی۔

(۱) جمع کا الف میں نے نہیں اڑایا، اسی طرح چھپا ہے۔ ع۔

میں کہتا ہوں یہ لاحاصل دلائل شاہ صاحب کس لئے نقل کررہے ہیں، جب کہ مولانا مودودی "ظہور مہدی" کے نہ صرف قائل بلکہ موید اور مدعی ہیں، رہی وہ مختصر عبارت جسے شاہ صاحب نے مودودی کو "ظہور مہدی" کا منکر قطعی ثابت کرنے کے لئے اپنے بیان میں نقل کیا ہے، اور جس کی نقل ہم اوپر پیش کر آئے ہیں، تو پورے عدالتی بیان کا کوئی بھی پڑھنے والا یہ نہیں سمجھ سکتا کہ مودودی سرے سے "ظہور مہدی" کے منکر ہیں، بشرطیکہ اس کے منہ پر آنکھیں اور دل میں حساب آخرت کا احساس ہو، سیاق وسباق سے ہٹ کر محض نقل کردہ الفاظ ہی کو دیکھیے۔

"مہدی کے متعلق کوئی خاص عقیدہ اسلامی عقائد میں شامل نہیں"۔

اگر مودودی صاحب کو یہ کہنا ہوتا کہ "ظہور مہدی" ہی سرے سے غلط ہے تو لازماً یوں کہتے کہ:

"ظہور مہدی" کا عقیدہ اسلامی عقائد میں شامل نہیں ہے۔"

"مہدی کے متعلق کوئی خاص عقیدہ" کے الفاظ بد لہۃً بتارہے ہیں کہ نفس مہدی کا قطعاً اقرار ہے اور روئے سخن ان تفصیلات کی طرف ہے جو روایات میں بیان ہوئی ہیں، میں انظر شاہ صاحب سے پوچھتا ہوں کہ کیا وہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی "کتاب العقائد" سے وہ تفصیلات بیان فرمائیں گے جن پر "ظہور مہدی" کے ساتھ عقیدہ رکھنا داخل دین وشریعت ہے؟ امام اعظم نہ سہی، ائمہ ثلاثہ میں سے کسی کا بیان پیش ہو، یہ بھی نہیں تو بعد کے دس پانچ مستند اور ثقہ علماء کے اسمائے گرامی ظاہر فرمائے جائیں، آپ کو اگر توفیق ہو تو اپنے "دارالعلوم" ہی کی "شرح عقائد نسفی" اٹھا کر دیکھئے اس میں تمام اسلامی عقائد کی تفصیل نام بہ نام ملے گی "دابۃ الارض" تک کا ذکر ملے گا، لیکن نہیں ملے گا تو "مہدی موعود" کا۔

عجب دیکھئے کہ شاہ صاحب صفحہ ۲۶ کالم نمبر ۱ سطر نمبر ۲۰ پر مولینا اشرف علیؒ کی عبارت نقل کرکے حوالہ دیتے ہیں۔ "رسالہ تحقیق المہدی" صفحہ ۲۰۵، ایمان سے کہئے گا آپ نے کبھی سنا ہے کہ دو سو صفحے سے زائد کی کتاب کو کسی نے "رسالہ" کہا

ہو۔ہم نے پوری کوشش کی کہ مولانا اشرف علی کا یہ ضخیم رسالہ ہمیں مل جائے لیکن نہ مل سکا اور پرانے سے پرانے کتب خانے والے نے یہی بتایا کہ مولانا اشرف علی کی کبھی کوئی کتاب "تحقیق المہدی" کے نام سے سو صفحے کی بھی نہیں چھپی، اب خدا جانے شاہ صاحب کو یہ کتاب عنقا کہاں سے مل گئی؟ تاہم مل ہی گئی تو اس کی نقل کردہ تمام عبارات سے محض یہی ثابت ہوتا ہے کہ "ظہور مہدی" کا عقیدہ درست ہے، نہ یہ کہ تمام خرافات جو موضوع و محرف روایات کے سہارے اس کے ساتھ وابستہ کر لی گئی ہیں ٹھیک ہیں۔

شاہ صاحب صفحہ ۲۷ کالم نمبر ا پر لکھتے ہیں:

"فاضل مضمون نگار مولانا خان محمد صاحب نے جن کا مقالہ پچھلی اشاعت میں شائع ہوا سیدنا الامام کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات سے ثابت کیا ہے کہ یہ مسئلہ متواترات دین میں سے ہے۔"

خود شاہ صاحب اور ایڈیٹر "دارالعلوم" کی بے خبری مثالی ہے کہ جو مضمون دسمبر ۵۵ء میں شائع ہوا تھا اسے مارچ ۵۶ء میں "پچھلی اشاعت میں" فرما رہے ہیں، خیر، یہ دسمبر کا مضمون دیکھئے اس میں خان محمد صاحب نے حضرت انور شاہ صاحب کے رسالے "حفظ الایمان" نمبر ۲ سے دو کالم کا اقتباس پیش کیا ہے اس پورے اقتباس میں "ظہور مہدی" سے متعلق جو بات ملتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ:

"اور ظہور الامام المہدی ضروریات دینیہ میں سے ہے۔"

(دارالعلوم دسمبر ۵۵ء صفحہ ۴۳ کالم نمبر ۲)

بس اس سے زیادہ کسی تفصیل کا حضرت نے ذکر نہیں کیا، انصاف کیجئے "تجدید و احیاء دین"، کی نقل کردہ عبارت میں ٹھیک اسی حقیقت کو مودودی صاحب نے ابھار کر اور سجا بنا کر نہیں پیش کیا؟

خاں صاحب نے آگے مولانا عبدالعزیز کی تحریر نقل کی ہے، اس میں بھی حاصل وصول صرف یہ ہے:

"بالجملہ "ظہور مہدی" علیہ السلام پر ایمان رکھنا واجب ہے۔"

اس کے آگے ایک دو تحریریں اور نقل کی ہیں ان کا بھی آخری حاصل یہی ہے کہ "ظہور مہدی" کا عقیدہ ضروری ہے، غایت ما فی الباب یہ کہ وہ حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں ہونگے اور زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے، اس کے بعد خان محمد صاحب نے بھی اس تھیلی کے دوسرے چٹوں بٹوں کی طرح وہی "مودودی دشمنی" کا غبار نکالا ہے، خیر اسی کو اگر ہمارے دوست سامان نجات سمجھتے ہیں تو شوق سے غبار نکالے جائیں، لیکن میں ان شاطران محترم سے پوچھتا ہوں کہ مودودی کے پورے عدالتی بیان اور کتاب "تجدید و احیائے دین،، اور "رسائل و مسائل،، سے اگر واقعۃً بہ قائمی ہوش و حواس آپ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مودودی "نفس ظہور مہدی" اور اس سے متعلقہ قابل قبول تفصیلات کے منکر ہیں تو پھر ان بریلویوں کی کیا خطا ہے جو ہمارے اکابرین کی کتابوں سے ایک ایک دو دو سطر کاٹ چھانٹ کر اوٹ پٹانگ باتیں نکالتے ہیں اور کوئی کچھ بھی کہے جائے مگر وہ "مرغے کی ایک ٹانگ" لیے بیٹھے رہتے ہیں۔

آیئے ذرا ان روایات پر بھی نظر ڈالیں جو انظر شاہ صاحب نے بطور اظہار مشیخت بیان فرمائی ہیں۔

سب پڑھے لکھے مسلمان جانتے ہیں کہ دور صحابہ سے ہی فتنہ پردازوں نے جعلی حدیثوں کا سلسلہ شروع کیا اور رفتہ رفتہ یہ حدیثیں لاکھوں کی تعداد کو پہنچ گئیں، اس طرح کہ اصلی کو جعلی سے ممتاز کرنا مشکل ہو گیا، اس مخلوط انبار میں صرف وہی حدیثیں نہیں تھیں جو سر سے پاؤں تک گھڑی ہوئی تھیں بلکہ چالاک شریروں نے اپنا مکر زیادہ کارگر بنانے کے لئے کہیں تو صحیح احادیث کے متن میں ایک آدھ جملے یا لفظ کا اضافہ یا کمی کی، اور کہیں راویوں کے سلسلہ میں چپکے سے آمیزش کی، اور کہیں حسب ضرورت الفاظ کی ترتیب الٹی، یہی باعث ہے کہ اعلیٰ درجہ کے محدثین مثلاً بخاری و مسلم وغیرہ نے انتہائی حزم و احتیاط کے ساتھ اصل کو نقل سے اور صحیح کو غلط سے جدا

کرنے کی جان توڑ کوشش کرتے ہوئے محض چند ہزار حدیثوں کو قابل اعتماد سمجھا اور باقی سے بے تعلقی کرلی، چنانچہ صحابہ وائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ مدار ایمان اور بنائے دین صرف وہی امور ہیں جو کتاب اللہ یا احادیث صحیحہ معتبرہ سے صراحۃً ثابت ہوں، ان سے جو چیز صراحۃً ثابت نہ ہو وہ درجہ بدرجہ قابل قبول یا قابل رد ہو سکتی ہے، اس پر انکار واقرار دونوں ممکن ہیں، اور اس کے باب میں نہ کوئی شخص حدود شرعیہ کا مستوجب ہو سکتا ہے نہ گمراہ وزندیق قرار دیا جا سکتا ہے۔

اب صورت حال یہ ہے کہ "مہدی" کا ذکر قرآن میں تو کہیں ہے نہیں، نہ اشارۃً نہ کنایۃً (سوائے اس کے کہ آپ کوئی ایسی ہی تفسیر فرمانے لگیں جیسی پانچ وقت کی نمازیں اور زکوٰۃ کی مقدار قرآن سے ثابت کرنے کے لئے بعض فن کار فرماتے ہیں)

"بخاری اور موطا امام مالک" دونوں اس سے قطعاً خالی ہیں اور واضح رہے کہ "بخاری" سے پہلے "موطا امام مالک" ہی کو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کا درجہ حاصل تھا، رہی مسلم تو بالیقین یہ بھی ذکر مہدی سے بالکل خالی ہے، شاہ صاحب نے صفحہ نمبر ۲۴ پر جو "مسلم" کی روایت نقل کی ہے اس میں ہر آنکھ والا دیکھ لے کہ "مہدی" کا ذکر کہاں ہے؟ "مسلم" کے متداول نسخہ پر امام نووی کی شرح چڑھی ہوئی ہے، شاہ صاحب تکلیف کرکے اسی کو دیکھ لیں کہ امام نووی نے اس روایت کو اشارۃً بھی "مہدی" پر منطبق نہیں کیا ہے، گویا شارح مسلم امام نوویؒ بیچارے بھی اس مہدوی پس منظر کو نہ پا سکے جسے شاہ صاحب نے بلا تکلف پالیا ہے۔

اب رہ گئیں دوسری کتب احادیث، تو اگر کوئی ایک روایت متعینہ تفصیلات کے ساتھ ان سب میں پائی جاتی تو بیشک بات قابل توجہ تھی، لیکن روایات میں باہم جتنا اختلاف ہے وہ آپ نے مودودی صاحب کے ضمیمہ میں ملاحظہ فرمالیا اور خود انظر شاہ صاحب کے مضمون ہذا میں ملاحظہ فرمائیے، صفحہ ۲۵ کالم نمبر ۲ (دارالعلوم مارچ ۵۶ء) میں روایت درج ہے کہ:

"جب تم لوگ سیاہ جھنڈے خراسان سے آتے ہوئے دیکھو ان کے پاس آؤ

اس میں اللہ کا خلیفہ "مہدی" ہوگا" اور اس مضمون میں صفحہ ۲۶ کالم نمبر ۱ سطر ۱۱ پر شاہ صاحب نے یہ لکھا ہے :

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "مہدی" پہلے پہلے "مدینہ منورہ" سے ظاہر ہوں گے۔"

کیا شاہ صاحب "خراسان" مدینہ ہی کا دوسرا نام سمجھتے ہیں ؟ اور سنئے ! ابوبکر ہثیمی "مجمع الزوائد" میں جلد نمبر ۷ صفحہ ۳۱۴ و ۱۵ و ۱۶ و ۱۷ پر اس موضوع کی بیسیوں روایتیں بیان کرتے ہیں لیکن اکثر وبیشتر کے بعد اس طرح کے ریمارک ہیں :

(۱) رواہ احمد وفیه عطیة الاوفی ضعیف (یعنی اس روایت کو احمد نے روایت کیا اور اس میں عطیۃ الاوفی ضعیف ہے۔

(۲) رواہ ابویعلی و فیه عدی بن ابی عمارہ قال العقیلی فی حدیثه اضطراب۔

(۳) رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیه لیث ابن ابی سلیم وھو مدلس۔

(۴) وفیه مثنی بن الصباح وھو متروك۔

(۵) وفیه عمر بن جابر الحضرمی وھوكذاب۔ وغیرہ وغیرہ۔

حاکم نے "مستدرک" میں مہدی سے متعلق "سیاہ جھنڈوں" پر مشتمل ایک طویل حدیث نکالی ہے (تلخیص المستدرک جلد نمبر ۴ صفحہ ۴۶۴، مصری) اور اگرچہ یہ نہیں کہا ھذا احدیث صحیح علی شرط الشیخین ، لیکن بخیالِ خویش اسے صحیح ہی سمجھا ہے، لیکن حافظ ذہبی "تلخیص المستدرک" کے اسی صفحہ پر اس کے متعلق فرماتے ہیں : قلت ھذا موضوع (میں کہتا ہوں یہ روایت گھڑی ہوئی ہے)

دوسری روایت اسی موضوع پر حاکم نے بیان کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آخر زمانے میں ایک بلاء شدید نازل ہوگی ، بادشاہ کی جانب سے ، ایسی کہ اس سے پہلے ایسی شدید بلا نہیں سنی گئی ہوگی۔۔۔۔ چند الفاظ چھوڑ کر۔۔۔۔ آنحضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا کہ اللہ میری عترت سے ایک شخص کو پیدا کرے گا جو یوں ہوگا اور یوں ہوگا اور آخر میں کہتے ہیں هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه۔ (یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور بخاری و مسلم نے اسے نہیں لیا) حافظ ذہبی اسی کے آگے فرماتے ہیں قلت سنده مظلم (میں کہتا ہوں سند اس کی غیر معلوم الحال ہے) تلخیص المستدرک جلد نمبر ۴ صفحہ ۴۶۵۔

ایک اختلاف یہ ملتا ہے کہ ابن مسعودؓ کی روایت میں ہے:

يعيش سبعا او ثمانيا (مہدی) سات یا آٹھ سال جئیں گے۔

ابو سعیدؓ کی روایت میں ہے:

يعيش خمسا اوسبعاً پانچ یا سات سال جئیں گے۔

ایک روایت میں تسعا (نو) بھی ہے۔

"مشکوۃ" میں ملے گا المهدى منى، پھر روایت آگے بڑھی، المهدى من اهل بيتى۔ پھر آگے بڑھی، من عترتى، پھر آگے بڑھی، من ولد فاطمه، اس میں یہ تشریح قابل لحاظ ہے کہ جب تک من عترتى تھا بات قدرے عام تھی، جیسا کہ خطابی کی "معالم السنن" جلد نمبر ۴ صفحہ ۳۴۴ پر ہے:

العترة ولد الرجل بصلبه وقد يكون العترة الاقرباء من العمومة ومنه قول ابى بكر رضى الله عنه يوم السقيفة نحن عترة رسول الله۔

عترۃ آدمی کی صلبی اولاد کو کہتے ہیں اور کبھی عام رشتہ داروں اور بھائی بندوں کے لئے بھی بولا جاتا ہے جیسا کہ "سقیفہ" والے دن ابوبکر نے فرمایا تھا: "ہم رسول اللہ کی عترت ہیں۔"

گویا عترۃ میں جو امکان عموم تھا اسے بھی ختم کر کے من ولد فاطمه سے یہ مصرح کر دیا گیا کہ "مہدی" بنو فاطمہ میں ہی ہوں گے۔

میرا یہ مطلب نہیں کہ یہ روایتیں جھوٹی ہیں، لیکن ہم اگر بنو فاطمہؓ اور بنو

عباسؓ کی کشمکش کو نظر انداز کرتے ہوئے اور بنو امیہ کی تاریخ پس پشت ڈالتے ہوئے ہر اس روایت پر ایمان لانے بیٹھ جائیں جسے کسی کتاب حدیث میں لکھ دیا گیا ہے تو آخر ہم امام مہدی کو "خراسان" سے آنے والا مانیں گے یا "مدینہ" سے؟ ان کا نام "حارث" مانیں گے یا محمد؟ "بنو فاطمہ" میں سے مانیں گے؟ یا بنو عباس میں سے؟

انظر شاہ صاحب کا کمال یہ ہے کہ دعویٰ تو ثابت کرنا چاہتے ہیں بڑا اہم، لیکن روایات نقل کر کے اکثر کا نہ باب لکھتے ہیں نہ صفحہ، پھر روایات میں اصل چیز جو ہے یعنی سلسلۂ رواۃ، جس پر ہر روایت کا مدار ہے، اسے سرے سے حذف ہی کر جاتے ہیں، حالانکہ ان پر لازم تھا کہ یا تو "بخاری و مسلم" تک ہی رہتے کہ ان کی سند بہر حال مضبوط ہے، یا آگے گئے تھے تو حدیث کا پایہ باعتبار روایت بیان کر کے مودودی کا رد کرتے، یا راویوں پر بحث بس کی نہیں تھی تو جن علماء کی بیان کردہ روایات پیش کی گئی ہیں ان کے بارے میں کسی مستند ناقد حدیث کے کم سے کم یہی الفاظ نقل فرما دیتے کہ و رجاله كلهم ثقات (یعنی خطیب یا نعیم یا طبرانی یا جس نے بھی فلاں روایت بیان کی ہے اسکی روایت کے تمام راوی قابل اعتماد ہیں) یہ کتنی بچکانی بات ہے کہ پہلے تو ایک غلط ترین بہتان ــــ "انکار ظہور مہدی" ــــ کا مودودی صاحب پر لگاتے ہیں، اور پھر راویوں کو حذف کر کے محض خطیب اور نعیم اور طبرانی جیسے نام لے کر مطمئن ہو بیٹھتے ہیں کہ گویا یہ لوگ انبیاء یا متفق علیہ ائمہ یا بے دلیل سند و حجت ہیں کہ ان کے نام کے بعد کسی جرح کی ضرورت ہی نہیں رہتی، میں کہتا ہوں کہ شیعہ یا خوارج یا معتزلیت جب کوئی روایت اپنے استدلال میں لاتے ہیں تو آپ حضرات کس کس طرح ان کے راویوں کی گردنیں توڑتے ہیں، اور کسی کو کذاب اور کسی کو متروک، کسی کو مجہول اور کسی کو مدلس ٹھیرا کر روایت رد کر دیتے ہیں، لیکن مودودی کے مقابلہ میں آپ احمد، و نعیم، اور طبرانی وغیرہ کی سند سے قال قال رسول الله اس طرح کہتے ہیں گویا احمد اور نعیم اور طبرانی براہ راست آپ سے کہہ گئے ہیں، یہی اگر انصاف اور معقولیت ہے تو آپ اپنے بے علم اور نابینا مقلدین سے جو چاہے منوالیں، لیکن باعلم اور

آنکھوں والے مسلمان آپ کے اس انصاف اور معقولیت کو پرکاہ کی برابر بھی وقعت نہ دیں گے، میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ "ظہور مہدی" کی تفصیلات، تو الگ رہیں اگر صرف "ظہور مہدی" ہی کے عقیدہ پر کفر وایمان کا مدار ہے تو آپ امام مالک اور امام بخاری اور امام مسلم کو مومن کیسے سمجھتے ہیں؟ جبکہ انھوں نے ذکر "مہدی" کو قطعاً نظر انداز کر دیا ہے، کہ آپ کا جو فوجی قسم کا طریقہ استدلال ہے اس کے اعتبار سے تو ان ائمہ کو نعوذباللہ بے ایمان یا ناقص الایمان کہنا بہت آسان ہو جاتا ہے، اصل میں اس کی ضرورت آپ کو نہیں پڑی، ورنہ اگر کسی طرح یہ پتہ چل جاتا کہ مولانا مودودی کا سلسلۂ نسب "بخاری و مسلم" سے کہیں مل جاتا ہے تو آپ ضرور انھیں بھی گمراہ ٹھیراتے۔

اللہ اکبر، آپ ابن حجر ہیثمی کے فتوے سے مودودی کو کافر بنا رہے ہیں، ذرا یہ تو بتایئے کہ یہ ہیثمی صاحب کی بیان فرمودہ حدیث من کذب بالدجال فقد کفر و من کذب بالمھدی فقد کفر کہاں کس کتاب میں کس باب میں آئی ہے، ہم بھی دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس کے رواۃ کون ہیں اور حضورؐ نے کب کس موقع پر یہ الفاظ فرمائے ہیں؟ کوئی ہیثمی کوئی عسقلانی کوئی مصری کوئی مکی و مدنی بجائے خود مقتدا اور مطاع اور بے دلیل مانے جانے کے قابل نہیں ہے، جب تک قرآن و سنت سے اس کے بیان وادعا کی سند نہ مل جائے، شخص واحد تو کجا سیکڑوں لوگوں کا وہ اجماع بھی واجب القبول نہیں ہے جس کی صریح یا نیم صریح بنیاد کتاب و سنت میں نہ ملتی ہو جیسا کہ ہم اپریل کی اشاعت میں صفحہ نمبر ۲۸ پر شاہ ولی اللہؒ کی زبانی بیان کر چکے ہیں، پھر سنت کو جاننے کیلئے احادیث کا ہر مجموعہ بہ تمامہ حجت نہیں ہے، اور ہر وہ روایت جو کسی محدث کے واسطہ سے بیان ہو جائے بلا جرح و تنقید لائق قبول نہیں ہے، بلکہ بخاری و مسلم، ترمذی، ابو داؤد، موطا، نسائی، ابن ماجہ، دارقطنی اور دیگر کتب کو ہمیں اپنے اپنے درجہ میں رکھنا ہو گا، ایک دوسرے سے ممتاز کرنا ہو گا، اور ان میں سے کسی کو بھی ہم کوئی ایسا درجہ ہرگز نہیں دیں گے جو کتاب اللہ کے بالکل برابر ہو، یہ تنہا کتاب اللہ ہی کی شان

ہے کہ وہ ہر طرح کے ریب و شک اور جرح و تنقید سے بالا اور ضعف و غرابت سے ارفع ہے، "بخاری و مسلم" اور "موطا" اسکے بعد ہیں، اس سے نیچے درجے میں ہیں، اس سے کم مرتبہ ہیں، بعدہ دیگر کتب حدیث میں وہی روایتیں قابل قبول ہو سکیں گی جو نہ تو قیاس و درایت کے خلاف ہوں، نہ ان کے راوی مشکوک یا مطعون یا مجروح ہوں، یہ جو انظر شاہ صاحب نے صفحہ ۲۷ کالم نمبر ۲ پر مولانا اشرف علی تھانویؒ کی یہ عبارت نقل فرمائی ہے کہ:

"حسب تصریح محدثین ضعفِ حدیث کا کثرت طرق سے دفع ہو جاتا ہے، پس جب ضعف متفق علیہ کا اس سے انجبار ہو جاتا ہے تو ضعف مختلف فیہ کا انجبار کیوں نہ ہوگا، بالخصوص ایسی کثرت کہ اس کو حد تواتر تک سمجھ سکتے ہیں۔"

کیا انظر شاہ صاحب اس کا مطلب یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ کوئی بھی ضعیف حدیث اگر بہت سے مختلف راویوں سے مروی ہو جائے تو صحیح ہو جاتی ہے؟ کیا تواتر کا مطلب ان کے نزدیک نام نہاد جمہوری قسم کی کثرت ہے؟ اگر واقعی مولانا اشرف علیؒ کے ارشاد کا مطلب انھوں نے یہی سمجھا ہے تو پھر بتائیں کہ خلفائے اولین یعنی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے تخطیے اور تحقیر و تقلیل میں جو روایتیں شیعہ حضرات میں بے شمار طرق سے رائج ہیں، اور جن کی شہرت آسمان تک پہنچی ہوئی ہے، کیا انھیں صحیح تسلیم کر لیا جائے؟ یا خوارج جو روایتیں دسیوں طرق سے بیان کر کے حضرت علیؓ کو ضال و مضل (خاکم بدہن) ٹھیراتے ہیں انھیں مان لیا جائے؟ کیا کثرتِ طرق اور تواتر و شہرت سے یہ روایت بھی صحیح ہو جائیگی کہ زمین گائے کے سینگوں پر قائم ہے اور گائے جب پہلو بدلتی یا دھڑ دھڑی لیتی ہے تو زلزلہ آجاتا ہے؟ یا کثرت طرق اور تواتر کیا ان الزامات کو صحیح کرا دیتا ہے جو متعصب مورخین بعض مسلمان بادشاہوں اور بعض اسلامی بہادروں پر عرصہ سے لگائے چلے جا رہے ہیں؟

محترما! مولانا اشرف علیؒ کو اتنا سطحی بین اور بے مغز نہ قرار دیجیے، انھوں نے جو اصول بیان فرمایا ہے اس کا تعلق صرف "نفسِ ظہور مہدی" سے ہے نہ کہ تفصیلات

کے متعلق مشہور روایات سے ،وہ صرف یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ "بخاری و مسلم" نے جس نقص یا ضعف کے باعث "مہدی" کی روایات نہیں لیں وہ نقص یا ضعف دیگر روایات کے طرق مختلف سے دور ہو جاتا ہے، اور یہ ماننا لازم ہو جاتا ہے کہ آخر کار ایک ایسا مرد میدان ظہور میں آنا ہے جو دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا، اور باطل کو شرم سار و پسپا کرے گا، جو "مہدی" ہو گا یعنی ہدایت یافتہ جو اپنے زمانہ کا امام و رہنما ہو گا، علامہ و باخبر ہو گا، یہی وہ عقیدہ ہے جو روایات سے حاصل ہوتا ہے اور جس پر مولانا مودودی کا داعیانہ ثبات و استقلال ان کے عدالتی بیان اور کتاب "تجدید و احیائے دین" سے آپ کے سواہر آنکھ والے پر واضح ہے۔

ناظرین! ایک نظر پھر "عدالتی بیان" پر ڈالئے اور فیصلہ فرمایئے کہ اس کو پورا پڑھ لینے کے بعد کیا انظر شاہ صاحب کے لئے خیانت و دغا کے بغیر یہ نتیجہ نکالنا ممکن تھا کہ مودودی صاحب "ظہور مہدی" کے منکر ہیں؟۔۔۔ خاص طور پر شق نمبر ے کو دیکھئے، اس میں مولانا مودودی نے مضطرب اور مختلف روایات سے جو بنیادی حقیقت لی ہے اسی کا اثبات مولانا اشرف علیؒ اور مولانا انور شاہ صاحبؒ اور دیگر علمائے حق کرتے ہیں، اور ٹھیک ایسی ہی بات ابن خلدون نے احادیث مہدی بیان کرنے کے بعد کہی ہے کہ:

فهذه جملة الاحاديث التى خرجها الائمة فى شان المهدى و خروجه اخرالزمان وهى كما رايت لم يخلص منها من النقد الا القليل والاقل منه۔

پس یہ تمام حدیثیں جن کی تخریج ائمہ نے مہدی کی شان میں ان کے آخر زمانے میں پیدا ہونے کے بارے میں کی ہے ان کا حال جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو یہ ہے کہ نقد کے بعد ان میں سے بہت کم بہت ہی کم جوہر خالص نکلتا ہے۔

(مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۳۲۲)

روایات مہدی کا پایۂ روایت : غیر جانب داری سے اگر تاریخ پر نظریں ڈالی جائیں تو معلوم ہوگا کہ "ظہور مہدی" کی روایتیں پھیلانے میں شیعہ حضرات نے اور بنو امیہ نے اور بنو عباس نے اپنی اپنی دنیاوی منفعتوں اور حرص و ہوا کی خاطر خوب کام لیا ہے، بنو امیہ کے ہاتھوں شیعہ حضرات جب بری طرح پامال ہو گئے، اور ان کی تمام جماعت میں ایک ہمہ گیر مایوسی چھا گئی، تو ان کے سمجھ دار لوگوں نے" مہدی موعود" کے تصور کو ایں طور ابھارا کہ مایوسی امید میں بدلی اور پیاسوں کو ایک ایسا سراب نظر آگیا جسے وہ مدت تک پانی سمجھ کر گرما گرم دوڑ لگاتے رہے۔

بعدہ بنو امیہ نے اس تخیل کو اپنے مفادات کے سانچے میں ڈھالا، اور ان کے بعد بنو عباس نے برسر اقتدار آنے پر ان لوگوں کی خاطر "ظہور مہدی" کی روایات کو تحریف و ترمیم کے ساتھ ابھارا جنھوں نے بنو ہاشم کے لئے بنو امیہ کا تختہ الٹا تھا، مقصد یہ تھا کہ عوام کو سمجھایا جاسکے کہ تخت کے صحیح حق دار بنو عباس ہیں۔

ان تاریخی احوال کا مفصل بیان اور تجزیہ بڑا دقت طلب ہے، اسے مجمل چھوڑتے ہوئے میں آپ کے سامنے ان احادیث کا مقام اور پایہ واضح کروں گا جنھیں انظر شاہ صاحب نے نقل کیا ہے، سچ یہ ہے کہ مولانا مودودی نے "ضمیمہ" میں جتنی روایات ذکر کی ہیں قریب قریب سب مقام ثقاہت اور پایہ حجت سے ہٹی ہوئی ہیں سوائے روایت "مسلم" کے، تو روایت "مسلم" پر مولانا مودودی کا اعتقاد صراحتاً ظاہر ہو چکا! اور مزید ثبوت چاہیئے تو "تجدید و احیاء دین" دیکھ ڈالئے اس میں اسی حدیث "مسلم" کا مفہوم و مطلب مولانا نے بیان فرمایا ہے، رہی یہ بات کہ انھوں نے یہ کہدیا کہ "مسلم" میں "مہدی" کا ذکر نہیں تو یہ تو ایسی حقیقت ہے جسے اندھا بھی دیکھ سکتا ہے، یہی بات "ابن خلدون" نے کہی ہے:

ولا دلیل یقوم علی انه المراد منها۔(مقدمہ)

اور کوئی دلیل اس بات کی نہیں ہے کہ (مسلم کی روایت سے) "مہدی" مراد ہیں۔

انظر شاہ صاحب نے سب سے پہلے مسلم کی مذکورہ حدیث نقل کی ہے، اس میں ہمیں کوئی کلام نہیں، نہ مودودی صاحب کو ہے، اسکے بعد دو روایتیں "ترمذی" کی نقل کی ہیں جن کی سند انھوں نے بیان نہیں کی، لیکن آپ ترمذی کی جلد ثانی باب ماجاء فی المھدی اٹھا کر دیکھئے، پہلی روایت کی سند یہ ہے:

حدثنا عبید بن اسباط بن محمد القرشي حدثنا ابي حدثنا سفين الثوري عن عاصم بن بهدله عن زر عن عبدالله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

دوسری روایت کی سند یہ ہے:

حدثنا عبدالجبار بن العلاء العطار حدثنا سفين ابن عيينة عن عاصم عن زرعن عبدالله عن النبي صلى الله عليه وسلم۔

ان دونوں سندوں میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ایک صاحب عاصم ہیں جو "زر" سے روایت کرتے ہیں، محمد بن سعد کا ریمارک ان کے بارے میں یہ ہے کہ:

كان ثقة الا انه كثير الخطاء في حديثه۔

تھے تو ثقہ لیکن حدیث میں بہت خطائیں ان سے صادر ہیں۔

یعقوب بن سفیان کہتے ہیں:

في حديثه اضطراب

ان کی حدیث میں اضطراب ہے۔

عبدالرحمٰن بن ابی حاتم فرماتے ہیں:

قلت لا بي ان ابازرعة يقول عاصم ثقة فقال ليس محله هذا۔

میں نے اپنے باپ سے کہا کہ ابوزرعہ کہتے ہیں عاصم ثقہ ہیں، میرے باپ نے کہا کہ نہیں عاصم کا یہ مقام نہیں ہے۔

ابن علیہ کا ارشاد ہے :

کل من اسمه عاصم سيء الحفظ

ہر وہ شخص جس کا نام عاصم ہے خراب حافظے کا ہے۔

ابو جعفر العقیلی ان کی خرابی حافظہ کی توثیق کرتے ہیں، "دار قطنی" کا کہنا ہے کہ ان کے حافظہ میں گڑبڑ تھی، یحییٰ القطان نے تو حد کر دی، جس طرح بہادری کے اعتراف میں کسی شخص کو شیر کہدیا جاتا ہے، اور دولت مندی کے اثبات میں قارون کا لقب دیدیتے ہیں، اسی طرح یحییٰ القطان نے کہا :

ماوجدت رجلا اسمه عاصم الا وجدت ردی الحفظ

میں نے جس شخص کا بھی نام عاصم پایا، اس کے حافظہ کو ردی پایا۔

عجلی کا حال یہ تھا کہ "عاصم" کی جو بھی روایت "زر" یا ابی وائل سے ہو، اسے ضعیف سمجھتے تھے، لہذا ان کے نزدیک بھی ترمذی کی مذکورہ سند قوی نہ ہوئی جب کہ اس میں عاصم کی روایت زر سے ہے۔

آگے چلنے سے پہلے میں علم حدیث سے ناواقف حضرات کو یہ بتاتا چلوں کہ راویوں کے بارے میں جن بزرگوں کی آراء اور تبصرے میں ذکر کر رہا ہوں وہ کچھ ایسے ویسے بزرگ نہیں ہیں، بلکہ ایسے لوگ ہیں کہ حدیث کے "فن رجال" کی ترتیب و تدوین اور تحقیق و تنقیح انھی کے ہاتھوں ہوئی ہے، چنانچہ ان کے اسماء گرامی حافظ ذہبی کی "میزان" میں ابن عدی کی "الکامل" میں اور ابن حجر کی "تہذیب التہذیب" میں دیکھے جاسکتے ہیں، انظر شاہ صاحب نے "ترمذی" کے بعد "ابو داؤد" کی دو روایتیں نقل کی ہیں، ان میں پہلی روایت کو ابو جعفر العقیلی نے ضعیف ٹھیرایا ہے اور راوی علی بن نفیل کو ناقابل احتجاج قرار دیا ہے، دوسری روایت میں ایک راوی عمران القطان ہیں جن کے متعلق یحییٰ القطان کہتے ہیں کہ وہ قوی نہیں ہیں، "نسائی" کہتے ہیں وہ ضعیف ہیں، خود ابو داؤد جنھوں نے یہ روایت بیان کی ہے پہلے تو انھیں اصحاب الحسن میں شمار کرتے تھے، لیکن پھر انھوں نے بھی اپنی رائے میں ترمیم کی۔ اور کہا کہ، عمران القطان ضعیف

ہیں۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے مشکوٰۃ کی ایک روایت کا صرف ترجمہ پیش کیا ہے، اس میں خراسان کی طرف سے آنیوالے سیاہ جھنڈوں کا ذکر ہے، بعدہ احمد، نعیم ابن داؤد اور حاکم کی ایک روایت کا ترجمہ پیش کیا ہے، اس میں بھی سیاہ جھنڈوں کا ذکر ہے۔

سیاہ جھنڈوں کی روایتوں کا حال کیا ہے؟ اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ طبرانی نے اوسط میں حضرت علیؓ کی ایک روایت تخریج کی ہے، اس کی سند میں ایک راوی ہیں عبداللہ بن لھیعہ یہ اس درجہ کے ضعیف ہیں کہ تمام ناقدین رجال کو ان کا ضعف معلوم ہے، اور اپنے جن شیخ (عمر بن جابر الحضرمی) سے یہ روایت کرے ہیں وہ ان سے بھی زیادہ ضعیف ہیں، امام احمد ابن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ جابر (یعنی لھیعہ کے شیخ) سے "مناکیر" کی روایت کی گئی ہے اور مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ جابر جھوٹ بولتا تھا۔
"مناکیر" منکر کی جمع ہے، حدیث منکر وہ حدیث ہے جس کا راوی کثیر الغلط ہو یا بھولنا زیادہ ہو اور فضولیات میں پڑتا ہو، یا کاذب بھی ہو، اور فاسق بھی، حدیث منکر، "خبر مردود" کے ذیل میں آتی ہے، (دیکھئے "نخبۃ الفکر" لحافظ ابن حجرؒ)۔
نسائی کہتے ہیں لیس بثقة اور مزید فرمایا:

كان ابن لهيعة شيخا احمق ضعيف العقل (ابن لھیعہ احمق ضعیف العقل شیخ تھا) اور اس کے ثبوت میں انھوں نے اس کا ایک لغو قول بھی نقل کیا ہے۔
(مقدمہ ابن خلدون)

ایک اور روایت طبرانی ہی نے بیان کی ہے جس میں سات جھنڈوں کا ذکر ہے، اس میں بھی یہ ابن لھیعہ موجود ہیں۔
ابن ماجہ نے اپنی "کتاب السنن" میں ایک روایت بیان کی ہے، اس میں بھی سیاہ جھنڈے ہیں، اس کی سند میں ایک صاحب یزید بن ابی زیاد ہیں، ان کے متعلق شعبہ فرماتے ہیں:

كان رفاعا يعني يرفع الاحاديث التى لاتعرف مرفوعة

یہ رفاع تھے یعنی جن روایتوں کا مرفوع ہونا ثابت نہیں انھیں مرفوع بتاتے یا ظاہر کرتے تھے۔

خیال فرمایئے کہ جن ارشادات کی نسبت رسول اللہ کی طرف ثابت نہ ہو، بلکہ وہ موقوف کے درجہ میں ہوں انھیں مرفوع، یعنی رسول اللہؐ سے منقول کہنے والا راوی کس درجہ میں مستند ہو سکتا ہے؟

محمد بن الفضیل کہتے ہیں کہ یزید بن ابی زیاد شیعوں کے بڑے اماموں میں سے تھا، احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ وہ حافظ نہیں تھا، یعنی اس کا حافظہ اس درجہ کا نہیں تھا کہ روایات میں قابل اعتماد ہو سکے، یحییٰ ابن معین کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے، ابو زرعہ کہتے ہیں کہ وہ لین ہے (یعنی اس کی روایات میں استقلال اور مضبوطی نہیں ہے) اس کی حدیثیں لکھی تو جا سکتی ہیں، مگر ان سے دلیل نہیں قائم کی جا سکتی، ابو حاتم کہتے ہیں وہ قوی نہیں ہے، جرجانی کہتے ہیں کہ میں نے سنا ہے محدثین اس کی روایت کو ضعیف ٹھیراتے تھے، ابن عدی نے بتایا کہ وہ اہل کوفہ کے شیعوں میں سے ہے، ابو اسامہ اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر میرے سامنے اس حدیث کے باب میں پچاس قسمیں بھی کھائی جائیں تو میں اسے سچا نہیں سمجھوں گا، عقیلی نے اس حدیث کو "ضعفاء" میں ڈالا ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں ليس بصحيح (یہ صحیح نہیں ہے)۔

"ابن ماجہ" ہی نے ثوبانؓ سے ایک روایت کی تخریج کی ہے، جس میں جھنڈوں کا ذکر ہے، ثم تطلع الرايات السود من المشرق ---- الخ، پھر ابھریں گے سیاہ جھنڈے مشرق کی طرف سے، اسکے سلسلہ روایت میں ایک تو ابو قلابۃ الجرمی ہیں جنھیں حافظ ذہبی وغیرہ نے "مدلس" کہا ہے، اور ایک سفیان الثوری ہیں وہ بھی "تدلیس" کے لئے مشہور ہیں، اور ان دونوں کی روایتیں عموماً "معنعن" ہوا کرتی ہیں، یعنی "حدیث معنعن" وہ ہے جس میں یہ بات مشتبہ ہو کہ یہ قول واقعی راوی نے مروی عنہ سے سنا ہے یا کہیں اور سے سن لیا ہے کہ مروی عنہ نے ایسا بیان کیا، ایسی

حدیث میں جب تک سننے نہ سننے کی صراحت نہ ہو وہ قابل قبول نہیں ہوتی، چنانچہ مذکورہ حدیث میں بھی دونوں راویوں کے سماع کی تصریح نہیں ہے۔

اس کے علاوہ اس میں ایک راوی ہیں عبدالرزاق بن ہمام یہ شیعت کے لئے مشہور تھے، اور آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے، اور خلط ملط کرتے تھے، ابن عدی کہتے ہیں کہ یہ ابن ہمام فضائل کے سلسلہ میں ایسی روایتیں بیان کرتے تھے کہ کوئی بھی ان روایتوں کی موافقت نہیں کرتا۔

یہ ہے مقام جھنڈوں کی روایات کا۔

انظر شاہ صاحب نے طبرانی کی ایک روایت فتاویٰ ابن حجر ہیثمی سے نقل کی ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ ان کے خاندان سے ایک جوان ظاہر ہو گا، جو زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا، پس تم لوگ جب انھیں دیکھو تو تم اس تمیمی نوجوان کو لازم پکڑ لو، وہ مشرق کی طرف سے آئے گا اور وہ مہدی کا علمبردار ہو گا۔"

شاہ صاحب نے فاذا رایتم ذالك کا ترجمہ کیا ہے "پس تم لوگ جب انھیں دیکھو"۔۔۔ میں پوچھتا ہوں ذالك کا ترجمہ "انھیں" کیونکر ہوا "انھیں" اردو میں جمع کی ضمیر ہے، جو ذوی العقول کے لئے استعمال ہوتی ہے، حالانکہ ذالك واحد ہے اور ذوی العقول سے مخصوص نہیں، اگر یہ کہا جائے کہ "انھیں" ادباً تمیمی نوجوان کے لئے لکھا گیا ہے تو متصل بعد یہ ترک ادب کیسا کہ "تو تم اس تمیمی نوجوان کو لازم پکڑ لو!"

یہاں بھی "اس" کی جگہ "ان" لکھنا چاہئیے تھا، علاوہ ازیں شاہ صاحب نے یہ روایت اس طرح پیش کی ہے گویا یہی تمیمی جوان خود "مہدی" ہیں۔ حالانکہ روایت کے الفاظ ہیں، وهو صاحب راية المهدی (وہ مہدی کا علمبردار ہو گا) نہ کہ خود مہدی، شاہ صاحب نے فتاویٰ ابن حجر ہیثمی سے یہ روایت تو نقل کر دی لیکن یہ نہیں جانا کہ طبرانی نے اسی "اوسط" میں جس سے یہ روایت لی گئی ہے کچھ اور بھی کہا ہے ملاحظہ ہو:

فاخذ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بید لعباس وبیدلعلی و قال سیخرج من صلب ھذا حتی یملاء الارض جوراً وظلماً وسیخرج من صلب ھذا حتی یملاء الارض قسطا و عدلاً الخ۔

پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ حضرت عباس کا اور ایک ہاتھ حضرت علی کا پکڑا اور کہا کہ عنقریب اس کے صلب سے ایک شخص نکلے گا جو زمین کو جور و ظلم سے بھر دے گا، اور عنقریب اس کے صلب سے ایک شخص نکلے گا جو زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیگا۔

گویا جیسا کہ شاہ صاحب کی نقل کردہ روایت میں ہے تنہا علی کا ہاتھ نہیں پکڑا، بلکہ حضرت عباس کا بھی پکڑا اور مزید یہ بات اس سے معلوم ہوتی ہے کہ بنو عباس اور بنو فاطمہ میں سے ایک کے خاندان میں وہ معیاری بادشاہ پیدا ہوگا جو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا اور دوسرے کے خاندان سے وہ معیاری ظالم پیدا ہوگا جو زمین کو جور و ظلم سے بھر دے گا اور اس روایت میں برابر کا موقع اس بات کے لئے موجود ہے کہ کوئی شخص پہلے ھذا کو عباس کی طرف پھیرے اور دوسرے کو حضرت علی کی طرف یا اس کے برعکس یا دونوں "ھذا" کا مشار الیہ ایک ہی مانے۔

سلسلۂ روایت تو شاہ صاحب کے یہاں کوئی چیز ہی نہیں لہذا حذف کر دیا، میں آپ کو بتاؤں کہ اس روایت میں بھی وہی "عبداللہ ابن لھیعہ" تشریف فرما ہیں۔

ایک اور روایت خطیب کی شاہ صاحب نے بیان فرمائی ہے، جس میں یہ ہے کہ:

"مہدی جب ظاہر ہوں گے تو ان کی پشت پر ایک منادی فرشتہ ندا کرے گا کہ یہ مہدی ہیں ان کا اتباع کرو۔"

صدقے جایئے سنت اللہ کی اس تبدیلی کے کہ اپنے سب سے بڑے رسول اور تخلیق کے سب سے اعلیٰ شاہکار سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر تو اللہ جل شانہ نے بندوں کے نفوس اور عقول پر فرار و انکار کے دروازے کسی آسمانی آواز اور

منادی فرشتے کے ذریعے بند نہیں کئے۔۔۔ حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کرنے والے خدا نے اس وقت بھی آسمان سے کوئی منادی فرشتہ نہیں بھیجا جب معصوم مریم کی عصمت درایت و فطرت کے معیاروں پر متزلزل نظر آرہی تھی۔۔۔ اس وقت بھی نہیں بھیجا جب عیسائی چیخ رہے تھے کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔۔۔ اس وقت بھی نہیں بھیجا جب بعض دشمنان خدا قبر رسول سے جسد مبارک نکال لانے کیلئے سرنگ کھود رہے تھے۔

اور یہ فرشتہ منادی کرتا ہوا اس وقت آئے گا، جب مہدی تشریف لائیں گے، اس وقت اللہ کی سنت تبدیل ہوگی جب دنیا فنا کے کنارے لگنے والی ہوگی۔

کیا کروں شاہ صاحب نے سلسلۂ روایت بیان نہیں کیا اور خطیب کی یہ روایت فی الوقت مجھے کہیں ملی نہیں، مگر اسی سے بالکل ملتی جلتی طبرانی کی "اوسط" میں موجود ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں:

حتی ینادی منادمن السماء ان امیرکم فلان۔

یہاں تک کہ آسمان سے ایک مناد آواز دے گا کہ تمہارا امیر فلاں شخص ہے۔

اس میں ایک تو لفظ مہدی کی صراحت نہیں ہے، دوسرے ملک (فرشتے) کا لفظ نہیں ہے، باقی معاملہ وہی ہے، اس کے راویوں میں ایک صاحب المثنیٰ بن الصباح ہیں جو معمولی ضعیف نہیں، بلکہ ضعیف جداً ہیں یعنی سخت قسم کے ضعیف اور متروک بھی۔

ایک روایت شاہ صاحب نے ابو نعیم سے نقل کی ہے اس میں یہاں تک ہے کہ مہدی کے سر پر عمامہ ہوگا اور ساتھ ساتھ منادی ہوگا جو آواز لگائے گا کہ یہ اللہ کے خلیفہ ہیں، ایک اور روایت میں نقل فرمایا ہے کہ ان کا (مہدی کا) چہرہ ستارے کی طرح چمکتا ہوگا، اور دائیں رخسار میں سیاہ تل ہوگا، بدن پر دو سوتی عبا ہوگا۔

میں سچ کہتا ہوں کہ اگر آج کے علم و سائنس نے تخیلی خوش خیالیوں کو فیشن سے خارج نہ کر دیا ہوتا اور نئے سلسلۂ روایت کی گنجائش نکلتی تو بہت سی روایتیں ایسی

بھی یقیناً مل جاتیں کہ مہدی کی پیشانی پر سجدوں کا سیاہ نشان ہو گا، اور بدن پر کھدر کا جوڑا ہو گا، سر پر گاندھی کیپ ہو گی، اہنسا کی تعلیم دے گا اور دریاؤں پر باندھ باندھے گا وغیرہ وغیرہ۔

انظر شاہ صاحب نے اگر واقعۃً ان روایتوں کو درست اور قابل تسلیم سمجھتے ہوئے نقل فرمایا ہے تو آخر وہ کیوں لکھتے ہیں کہ:

"ان تمام روایات اور احادیث کا قدر مشترک "ظہور مہدی" کی اطلاع ہے۔"

اس کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ خود بھی تمام متعلقہ تفصیلات کا اعتقاد نہیں رکھتے، بلکہ صرف "ظہور مہدی" کے قائل ہیں، حالانکہ انھیں ماننا چاہیئے تھا کہ "مہدی" سر پر "عمامہ" باندھے "دو سوتی" پہنے "سیاہ جھنڈا" لئے "خراسان" اور "مدینے" اور "شام" کی طرف سے آئینگے اور آسمانی فرشتہ ڈھول پیٹے گا کہ یہی مہدی ہیں، نہ ماننے کا مطلب یہ ہے کہ خود ان کے نزدیک بھی مودودی ہی کی طرح "مہدی" کے بارے میں کوئی خاص عقیدہ اسلام نے نہیں دیا ہے، بلکہ مجملاً صرف اتنا معلوم ہے کہ ایک زبردست راہ نما قبل قیامت پیدا ہو گا جو تمام روئے زمین پر غالب آکر عدل و انصاف پھیلائے گا، بہت زیادہ کہا جائے تو یہ کہ اس کا نام محمد ہو گا اور بس!

ابن خلدون نے کتنی سچی بات کہی ہے:

فان الا جماع قد اتصل فی الامة علی تلقیهما بالقبول والعمل بما فیهما وفی الاجماع اعظم حمایةواحسن دفعا ولیس غیر الصحیحین بمثابتهما فی ذالك۔

(بخاری و مسلم) کے قابل قبول اور قابل عمل ہونے پر امت کا اجماع ہے اور جمہور کے نزدیک سب سے زیادہ حمایت اور حسن مدافعت کی مستحق یہی دونوں کتابیں ہیں اور ان کے سوا جو کتب ہیں ان کی مضبوطی و ثبات کا یہ درجہ نہیں۔

ایسا کوئی بھی عالم جو دین کو محض گورکھ دھندا نہ سمجھتا ہو، بلکہ اسے ایک زندہ قابل عمل لائحہ زندگی تصور کرتا ہو کبھی ایسی روایتوں پر بھروسہ نہ کرے گا جنھیں

"بخاری و مسلم" جیسے معتبر محدثین نے قابل ترک سمجھا ہو، اور جن میں اسلام کی ثقاہت و متانت کو پامال کر دینے والی خوش خیالیاں اور پیشین گو ئیاں ہوں۔

"ظہور مہدی" سے متعلق روایات میں وارد شدہ تفصیلات کو قابل قبول سمجھنے والوں نے شاید کبھی عقلی طور پر غور ہی نہیں کیا کہ صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کا مطلب ہے کیا؟ وہ سر کے عماموں اور دو سوتیوں اور سیاہ جھنڈوں وغیرہ کو عملی دنیا سے ہم آہنگ کرنے کی جرأت نہیں کرتے، بلکہ ان کا تصور کچھ ایسا ہے کہ اچانک ایک لمبی داڑھی والے صوفی صاحب ظہور پذیر ہو کر تعویذات و عملیات ــــ یا پھر جادو کے ذریعہ تمام دنیا پر چھا جائیں گے اور دنیا گویا ایک تھیلی ہے کہ جس میں ظلم و ستم بھرا ہو گا، اور وہ اس تھیلی میں سے ظلم و ستم نکال کر عدل و انصاف نام کے کھلونے ڈال دیں گے، اس طرح کا تخیل اسلام جیسے عملی اور عقلی مذہب کیلئے کہاں تک موزوں ہے اسے ہر صاحب عقل و فہم دیکھ سکتا ہے، ظہور مہدی ہو گا اور ضرور ہو گا، لیکن اگر وہ ایٹمی یا ہائیڈروجنی دور میں ہوا تو مہدی کو جھنڈوں اور پیدل دستوں کی ٹکنک کے بجائے توپوں اور بموں اور ہوائی جہازوں کی ٹکنک سے مربوط ہونا پڑے گا اور ظلم و ستم سے بھری ہوئی دنیا محض پھونکوں سے منقلب نہیں ہو گی، بلکہ اس انقلاب کے لئے لازماً ایسے ہی اسباب پیدا ہوں گے جو اللہ کے قوانین جہاں بانی کے مطابق ہو سکیں، یہ انقلاب دستی بیعتوں اور یکلخت فوجی حملوں کے ذریعہ نہیں ہو گا، بلکہ اس کیلئے ابتداءً ایک عظیم تحریک اصلاح اور معرکہ ارا دعوت و عزیمت سے دو چار ہونا پڑے گا، اس کے بعد اس وقت کی دنیا کے حالات اور باطل قوتوں کے آلات سے پنجہ کشی کرنی ہو گی، سائنس سے آنکھ ملانی ہو گی، علوم رائجہ سے عہدہ برآ ہونا پڑے گا۔

اور اگر آج کی دنیا کسی حادثہ سے پہلے ہی تباہ ہو گئی اور علم و سائنس کی مادیات کا ارتقا موت کے منھ میں چلا گیا اور کسی ایسے دور نے جنم لیا جو موجودہ علم و سائنس سے بالکل خالی ہو اور تلوار کے زمانے جیسا ہو، تب بے شک مہدی جھنڈا لیکر شام یا مدینہ

سے نکل سکتے ہیں، لیکن اس وقت یہ تخیل محض طفلانہ ہوگا کہ وہ تمام دنیا پر چھا جائیں گے اور تمام دنیا کو ان کی امامت تسلیم کرنی چاہیے، کیونکہ اللہ کی وسیع دنیا کا کسی ایک دنیاوی اقتدار کے ماتحت آجانا اسی وقت ممکن ہے جب سائنس کے ترقی یافتہ آلات اور مشینیں اس وسیع سرزمین کو ایک شہر یا ملک کی حیثیت دے سکیں جیسا کہ آج کل ہے، لیکن جس صورت میں کہ سائنس اور اس کی اختراعات کا عدم اور فقدان تسلیم کرلیا گیا تو کسی بھی فرد واحد کے لئے تمام عالم کی حکمرانی کا امکان آخر کیونکر معقول ہو سکتا ہے؟

میری بحث کا موضوع چونکہ "ظہور مہدی" کی عملی شکل متعین کرنا نہیں اس لئے اس پہلو پر کچھ اور کہنا نہیں چاہتا، البتہ شاہ صاحب نے "فتاویٰ حدیثیہ" سے جو یہ حدیث نقل کی ہے:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من کذب بالدجال فقد کفرو من کذب بالمہدی فقد کفر۔

کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے دجال کا انکار کیا کفر کیا اور جس نے مہدی کا انکار کیا کفر کیا۔

تو اگرچہ ظہور مہدی کا میں بھی قائل ہوں اور مودودی صاحب بھی لیکن فتویٰ کفر کے لئے کسی ایسی بنیاد کو قطعاً کافی نہیں سمجھتا جس کا کوئی اشارہ قرآن میں بھی نہ ہو اور بخاری و مسلم میں بھی نہ ہو، اس کا یہ مطلب نہیں کہ نعوذ باللہ من ذالك جو قول رسول بخاری و مسلم میں آنے سے رہ گیا وہ قابل رد ہوا، حاشا ثم حاشا، قول رسول تو کہیں بھی ہو بہر صورت واجب التصدیق ہے، لیکن کہنا یہ چاہتا ہوں کہ جس قول رسول کو "بخاری و مسلم" نے قول رسول نہ مانا ہو، اور اس کے قول رسول ہونے پر کوئی اور معقول و مضبوط دلیل بھی نہ ہو، اسے قول رسول ماننا محل نظر ہے، اور اس کی بنیاد پر کفر و اسلام کے فتوے نہیں لگنے چاہیں، حدیث مذکورہ کا حال یہ ہے کہ ابوبکر الاسکاف نے اسے فوائد الاخبار میں بیان کیا ہے اور باعتبار سند یہ روایت حد درجہ غریب ہے اور ابوبکر الاسکاف ناقدین کے نزدیک "متہم" بھی ہے اور "وضاع" بھی، یعنی گھڑنے والا۔

خاتمہ مضمون پر شاہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے:

"لیکن ان تصریحات کے باوجود ہم سکوت کرتے ہوئے متواترات دین یا اجماع کے منکر کے متعلق شرعی فیصلہ مولانا مودودی کے فتویٰ نویس قلم پر چھوڑتے ہیں۔"

ناظرین اندازہ فرمائیں کہ انداز دلربائی کی یہ کونسی قسم ہے؟ حال یہ ہے کہ مولانا مودودی نے تو شاید زندگی بھر کسی پر کفریا زندقہ یا گمراہی کا ایک فتویٰ بھی نہیں لگایا اور شاہ صاحب کے مکتبۂ فکر سے فتوؤں کی ایک باڑہ عرصہ سے داغی جارہی ہے، اور اس باڑہ کی زد میں قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسمؒ تک آچکے ہیں۔

میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ انظر شاہ صاحب نہ تو "متواتر" کے معنی جانتے ہیں نہ "اجماع" کے، انھوں نے مولانا اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات کا صحیح مطلب نہ سمجھ کر ان سے بڑا مہمل خیال منسوب کیا ہے، کیا حکیم الامت جیسا علامۂ شہیر دس ضعیفوں کے مجموعے کو ایک قوی کے برابر قرار دے سکتا ہے، اس کا تو مطلب یہ ہوگا کہ دس بیمار مل کر ایک صحت مند سے زیادہ تندرست ہوتے ہیں! واعوذ من ذالك۔

میرے معزز بھائی! تواتر "غلط العام" کا نام نہیں ہے "اجماع اسے نہیں کہتے کہ ایک شخص نے نعرہ لگایا "انقلاب!" اور سارے جلوس نے کہا زندہ باد! اور اجماع شرعی منعقد ہوگیا!" "تواتر" اور "اجماع" دین کی اصطلاحیں ہیں، ان کے مشروط و مقرر معانی ہیں، سو گدھوں کی عقل اگر ایک عقل انسانی کے برابر نہیں ہوسکتی تو سو ضعیفوں کی روایت ایک روایت قطعی کے برابر کیونکر ہوسکتی ہے؟ "ظہور مہدی" کو حدیث مسلم کی حد تک جس طرح مولینا مودودی نے مانا ہے اور جس طرح "تجدید و احیائے دین،، اور "رسائل ومسائل" میں اس پر دلائل قائم کئے ہیں ان کی داد تو تم کیا دیتے؟ الٹا تم نے انھیں "منکر" ٹھیرادیا، برعکس نہند نام زنگی کافور، حالانکہ ظہور مہدی کے جس رجعت پسندانہ اور متوہمانہ تصور کو تم لئے بیٹھے ہو، وہ اسلام کو اہل عقل

کی نگاہ میں اضحوکہ اور ہدف استہزاء بنادینے والا ہے، اور حق یہ ہے کہ اپنے فرسودہ تخیلات کے لئے تمھارے اندر خود بھی کوئی استقامت، کوئی شعور، کوئی مصفا یقین نہیں ہے تم نے ایمانداری سے کبھی یہ سوچا ہے کہ حضور سرور کونینؐ نے جس سلطان مہدی کی بشارت دی ہے اس کے ظہور اور کار انقلاب کو آخر عالم اسباب سے کس طرح کا تعلق اور کیسا ربط اور کس قسم کا واسطہ ہے؟ تم نے تو بس یہ سمجھ لیا ہے کہ مومن کامل کا جو معیار تمھارے ذہنوں میں ہے، یعنی لمبا جبہ، لمبی داڑھی اور اونچا عمامہ، کمر میں متصوفانہ خم ہاتھ میں عصا۔۔۔۔ ایسا ہی ایک شخص ان غلطوں سے نکلے گا، جن میں تلوار کے دور میں پیدل اور گھوڑے سوار فوجیں دست بدست جنگیں لڑی ہیں، اور یہ شخص تمام عالم پر کیوں کر غالب آجائے گا؟ کس طرح ظلم و جور کو مٹائے گا؟ یہ تم بالکل نہیں سوچتے، یا سوچتے ہو تو اس نتیجہ پر پہنچ کر مطمئن ہو بیٹھتے ہو کہ کسی تعویذ، عمل یا پھونک سے وہ دیو باطل کو پچھاڑ کر مسند حق پر قابض ہو جائیگا، حالانکہ ایسا سوچنا رسول کے ارشاد اور اللہ کی سنت اور قوانین الٰہی کی توہین و تذلیل ہے، یاد رکھو جس شخص کو صرف چند سالوں میں (جو زیادہ سے زیادہ نو ہیں) تمام دنیا پر چھا جانا ہے اور باطل کی عظیم ترین قوتوں کو پسپا کر کے حق کو غالب کر دینا جس کا مشن ہے، وہ تلوار کے زمانے کی طرح ہاتھ میں جھنڈا لے کر پیدل فوج کے جلو میں نہیں نکلے گا، نہ وہ ایسا رسمی مسلمان ہوگا جیسا تم سمجھتے ہو، نہ وہ کوئی صور پھونکے گا، نہ اس کے لئے فرشتے ڈھنڈورا پیٹیں گے، بلکہ وہ تو اپنے زمانے کے ہر آئینی اور سیاسی ہتھیار سے لیس ایک مرد جفا پیشہ ہوگا جو باطل کے پنجہ میں پنجہ ڈال کر زور آزمائی کرے گا، جو شیطان کو عمامے کے پیچوں سے نہیں فولاد و آہن کی بیڑیوں سے جکڑے گا، اور جس کی فرد عمل میں وہ ساری انقلابی کارگذاریاں شامل ہوں گی جنھیں مجدد بے مثال مرد حق کوش خلیفہ رشید حضرت امیر المومنین عمر بن عبد العزیز علیہ الرحمہ الف الف مرۃ نے اپنایا تھا، میں تمھیں امام ابو حنیفہ کے عظیم تفقہ اور ذکاوت و فہامت کی قسم دیتا ہوں اسلام کو دور از کار واہمات و خیالات کی آلودگی سے بچاؤ! تم اگر حنفی ہو تو خدائے لایزال جھنڈوں

اور عماموں کی حدیثیں جزو ایمان بنا کر تم اپنے امام کے انداز فکر اور تفقہ فی الدین کا بڑا غلط نمونہ پیش کر رہے ہو۔

میری ان باتوں کو تم یا دیگر ناظرین اگر درست نہ مانیں تو خیر مجھے فی الوقت اس سے بحث نہیں، میرا اصل موضوع بحث یہ تھا کہ تم نے مولانا مودودی پر انکار ظہور مہدی کا جو اتہام لگایا ہے وہ بالکل غلط ہے، اور خدا کا شکر ہے کہ اس غلطی کو میں نے دلائل قطعیہ اور شہادات صریحہ سے واضح کر دیا، اب تم اپریل، مئی اور جون ۵۶ء کے تجلی سامنے رکھ کر سوچو کہ کیا زیر بحث موضوعات پر میں نے تمھاری بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کا پورا پورا آپریشن نہیں کر دیا؟ اگر تم اس نتیجہ پر پہنچو کہ میرے دلائل غلط ہیں تو ان کا توڑ پیش کرو، ان شاء اللہ مجھے ضدی نہیں پاؤ گے، اور اگر اس نتیجہ پر پہنچو کہ دلائل وزنی ہیں اور "مودودی" یا "جماعت اسلامی" کے بارے میں تمھیں جو غلط فہمیاں تھیں وہ زیر بحث موضوعات کی حد تک دور ہو گئی ہیں، تو اور جو اعتراضات تمھیں مودودی صاحب کے عقائد و تحریرات پر ہوں پیش کرو، میں ایسے ہی مدلل انداز میں جیسا کہ اب تک اختیار کئے ہوئے ہوں ان اعتراضات پر کلام کروں گا، اور خدا گواہ ہے اگر تمھارے اعتراضات میرے نزدیک درست ہوئے تو مودودی صاحب کی تردید اور تغلیط میں بھی میرا قلم ایسا ہی بے لاگ چلے گا جیسا کہ ان کی تصویب میں چلا ہے، مودودی صاحب کی دشمنی کو تم بھلے سے متاع ثواب اور حاصل زندگی سمجھو میرے نزدیک مودودی صاحب کی دوستی اور دشمنی کوئی حیثیت نہیں رکھتی، میں تو اصول و عقائد کا دوست اور دشمن ہوں، میں مودودی صاحب کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتا کہ وہ اللہ کے ایک بندہ ناچیز ہیں جن کے قلم سے غلط اور صحیح دونوں ہی باتیں نکل سکتی ہیں، وہ قرآن و سنت کے مطابق کہیں تو جان و دل سے قبول، خلاف قرآن و سنت کہیں تو ہزار بار رد، یہی طریقہ میرے اسلاف کا رہا ہے اور یہی طریقہ دنیا کے تمام آئینوں میں ہمیشہ منصفانہ سمجھا گیا ہے۔ تمھیں عقل و انصاف اور دیانت و شرافت کے معیاروں پر توجہ کرنی چاہیئے، تم جو چھرا اپنے خیال میں مولانا مودودی کی عظمت و

عزت کے سینے میں گھونپتے ہو وہ فی الحقیقت اللہ کے دین اور دعوت حق اور تحریک اسلامی کے سینے میں گھونپتے ہو وما علینا الا البلاغ والمعروض۔

واما بنعمة ربك فحدث: اپریل ۵۶ء کا تجلی میں نے ابتداءً ہی معمول سے دوگنا چھپوایا تھا، لیکن پوسٹنگ کے چند ہی روز بعد سے اس کی مانگ کا یہ عالم ہوا کہ ہوا کی طرح سب کاپیاں اڑ گئیں اور مجھے فوراً نیا ایڈیشن چھپوانا پڑا اور یہ ایڈیشن ابھی پریس ہی میں تھا کہ آرڈروں میں اور اضافہ ہوا اور بذریعہ تار مجھے نئے ایڈیشن کی تعداد بڑھوانی پڑی، میں نہیں جانتا کہ کیا لاسلکی ذرائع ہیں، جن سے ہندوپاک کے گوشہ گوشہ میں میری تنقید کی گونج پہنچ گئی اور آرڈروں کی مکمل تعمیل میرے بس سے باہر ہوگئی، یہ محض اللہ جل شانہ کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ ویعزمن یشاء۔

میرے گذشتہ دونوں آغاز سخن پر بذریعہ خطوط مجھے کیسی کیسی داد دی گئی ہے اس کا بیان میرے بس میں نہیں، نہ فی الحقیقت میں کسی بڑی تعریف کا مستحق ہوں، لیکن مجھے بہت خوشی ہوئی ہے اس بات کی کہ شہرہ آفاق ادارہ دارالمصنفین اعظم گڈھ کے مشہور بلند پایہ جریدے "المعارف" کے دفتر سے مجھے وہاں کے شیوخ محترم کی مجمل لیکن جامع اور وزن دار داد بذریعہ خط ملی ہے اور یہ خوشی خدا جانتا ہے اس لئے نہیں ہے کہ اس سے کچھ میری عزت بڑھی ہے، بلکہ اس لئے ہے کہ اس سے میرے جذبۂ خدمت اور خلوص و عزم کی ہمت افزائی ہوئی ہے، کون نہیں جانتا کہ دارالمصنفین جماعت اسلامی کے حامیوں اور مویدوں میں نہیں ہے اور کون نہیں جانتا کہ اس کے اہل علم شیوخ خاموشی ومتانت کے ساتھ دین کی کتنی خدمات انجام دیے جا رہے ہیں، ان کی غیر جانبداری اور تبحر علمی اور عظمت وبزرگی کے پیش نظر مجھ فاسق وفاجر کے لئے ان کا جزاک اللہ کہہ کر خوشی کا اظہار کردینا بس اللہ کا خاص ہی انعام سمجھئے، اس سے کم سے کم یہ تو معلوم ہوگیا کہ میری تنقیدات کو معقول سمجھنے والوں میں غیر جانبدار اہل علم کی بھی معتدبہ تعداد شامل ہے وھذا من فضل ربی اپنی ناچیز

حیثیت اور بے مائگی کو دیکھتے ہوئے ایک شعر لکھنے کو جی چاہتا ہے: ع

گاہ باشد کہ کودکے ناداں

بہ غلط برہدف می زند تیرے

(تجلی دیوبند، جون ۱۹۵۶ء)

تجلیات صحابہؓ' عامر عثمانی' مرتبہ: سید علی مطہر نقوی امروہوی۔ ناشر: مکتبہ الحجاز' اے ۲۱۹' بلاک سی' شمالی ناظم آباد' حیدری' کراچی۔ صفحات: ۶۶۱۔ قیمت: ۲۵۰ روپے۔

صحابہ کرامؓ کی حیات مقدسہ پر لکھنا ایک سعادت ہے۔ تاہم' سیرت صحابہؓ پر لکھنے کے لیے ایمان و ایقان کی نعمت کے ساتھ ساتھ علمی دیانت کی دولت بھی ضروری ہے۔ مزید برآں فکر ونظر کا وہ زاویہ بھی جو حقائق اور حکایات وقصص میں تفریق کر سکے۔ گذشتہ چودہ سو برس کے دوران بہت سے اہل ایمان اس ذمہ داری کو ادا کرنے کی کوشش کرتے رہے مگر انھیں بارہا سوقیانہ حملوں' حتیٰ کہ کفر کے فتووں کا سامنا کرنا پڑا۔ عجیب بات یہ ہے کہ ایسی فتوے بازیوں میں مگن حضرات' جیسی تحقیقات پر اپنے قبیلے کے لوگوں کو معاف کرتے رہے ہیں' ویسی تحقیقات پر دوسروں کو زندیق قرار دے کر ان پر سب وشتم کے تیر چلاتے رہے۔ اس ضمن میں نشانہ ستم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کو بھی بنایا گیا۔

زیرنظر کتاب مولانا محمد میاں کی تصنیف شواہد تقدس کا ایک بے لاگ جائزہ ہے۔ یاد رہے کہ شواہد تقدس مولانا مودودی کی خلافت و ملوکیت کے رد میں لکھی گئی تھی۔ مولانا عامر عثمانی مرحوم' علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے حقیقی بھتیجے' مولانا حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد رشید اور فاضل دیوبند تھے۔ عامر عثمانی مرحوم نے' مولانا محمد میاں کی مذکورہ بالا کتاب (اور آخر میں تجدید سبائیت از مولانا محمد اسحاق سندیلوی) کو علمی سطح پر جانچتے ہوئے اپنے رسالے ماہنامہ تجلی دیوبند کے دو خصوصی شمارے شائع کیے تھے۔ یہ معرکہ خیز تحریر تجلی میں دب کر رہ گئی تھی' جس کی بازیافت کر کے سید علی مطہر نقوی نے اسے تجلیات صحابۃ کے نام سے کتابی شکل دی ہے اور استفادہ عام کا ذریعہ بنایا ہے۔

تجلیات صحابۃ کا مطالعہ بعض علما کی' مخالفت برائے مخالفت اور حقائق کو مسخ کرنے کی پے در پے کوششوں کو بے نقاب کرتا ہے۔ یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اونچی مسندوں پر جلوہ افروز بعض سکہ بند لوگ کس طرح غصے اور نفرت سے مغلوب ہو کر عدل و انصاف کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ دوسری جانب مولانا مودودیؒ کے متوازن اسلوب کی پرتیں کھلتی ہیں اور مقصدیت کی کرنیں روشنی بکھیرتی دکھائی دیتی ہیں۔

اس موضوع پر مطالعہ کرتے ہوئے اگر تجلیات صحابہؓ کے ساتھ دو اور کتابیں بھی پڑھ لی جائیں تو مسئلے کی تفہیم کا دائرہ اور وسیع ہو جاتا ہے: پہلی خلافت و ملوکیت پر اعتراضات کا علمی جائزہ از جسٹس ملک غلام علی اور دوسری عادلانہ دفاع اور علماے اہل سنت از جمیل احمد رانا --- مولانا عامر عثمانی بڑے تاسف سے سوال اٹھاتے ہیں: ''آخر چاروں طرف سے [مولانا] مودودی پر یلغار کیوں؟ کیوں ایک امر قطعی میں کیڑے ڈالے جارہے ہیں' کیوں قلم انگارے اُگل رہے ہیں اور زبانیں گولیاں برسا رہی ہیں؟ اس کی وجہ پر اگر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو اس کے سوا کوئی بات تہہ سے نہیں نکلے گی کہ اصل محرک اس شوروغل کا' حسد وتعصب ہے''۔ (ص ۱۹۵-۱۹۶)

تجلیات صحابہؓ میں حقائق کی کھوج کاری کے دوران' عامر عثمانی مرحوم نے سنگ بدست کرم فرماؤں کی طرزِ ادا کا جواب دیتے وقت بعض مقامات پر مناظرانہ رنگ بھی اختیار کیا ہے مگر اس رنگ نے ان کے تفقہ فی الدین اور تحقیقی اسلوب کو متاثر نہیں ہونے دیا۔ انھوں نے سیرت' تاریخ اور تفسیر کے ہزاروں صفحات کا مطالعہ کیا اور غیر جذباتی انداز سے تجلیات صحابہؓ کے مضامین سپردقلم کیے۔ (سلیم منصور خالد)